بسم اللہ الرحمن الرحیم

احسن الفتاویٰ

تالیف

[illegible]

ناشر

[illegible]

[illegible]

فَسۡئَلُوۡٓا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ

اِنَّمَا شِفَاءُ الۡعِیِّ السُّؤَالُ

احسن الفتاوی

بحذف مکررات و تخریجات فرائض مسائل غیر مہمہ

جلد ۱

(از)

فقیہ العصر مفتی اعظم مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

(واحد تقسیم کنندگان)

ایچ ایم سعید کمپنی

ادب منزل پاکستان چوک کراچی

نام کتاب ——— احسن الفتاوی

جلد ——— اوّل

زیراہتمام ——— ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

ضخامت ——— ۵۷۲ صفحات

کتابت ——— محمد فاروق خطاط

تعداد ——— ایک ہزار

پریس ——— ایجوکیشنل پریس کراچی

طبع اول ——— سنہ ۱۳۹۸ھ

طبع یازدہم ——— سنہ ۱۴۲۵ھ

ملنے کا پتہ

ایچ ایم سعید کمپنی

ادب منزل پاکستان چوک کراچی

فہرست مضامین احسن الفتاویٰ جلد اوّل

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
تذکرۃ المؤلف	۷	سائبہ کی تحقیق	۵۰
تمہید (طبع جدید)	۲۹	نجومی کو ہاتھ دکھانا	۵۲
تقدمہ (اشاعت اوّل)	۳۳	خالہ زاد سے پردہ کرنے کو بُرا سمجھنا کفر ہے	۵۴
کتاب الایمان والعقائد	۳۴	جی ایم سیّد، کفر میں جیّد	۵۵
یہ کہنا کہ پیغمبر نے مجھ سے نماز معاف کردی ہے۔	″	نور وبشریت	″
اولیاء اللہ کو متصرّف اور عالم الغیب سمجھنا	۳۶	تکفیر مسلم کفر ہے	۵۷
قبر کو بوسہ دینا	″	**رسائل**	
تارکِ صوم کافر نہیں	۳۷	ایمان وکفر کا معیار	۵۹
رمضان میں علانیۃً کھانے والے کا حکم	″	حقیقتِ شیعہ	۷۳
علم اور اہل علم کی اہانت کفر ہے	۳۸	فتنۂ انکارِ حدیث	۱۰۷
پردہ کو بُرا سمجھنا کفر ہے	۳۹	ارغام العنید فی میراث الحفید	۱۵۵
گناہوں پر فخر کرنا کفر ہے	″	الرجوم الشہابیۃ علی الفرقۃ الذکریۃ والاباضیۃ	۱۸۷
رسالہ "التلقین والہدایۃ لمن انکر الکرامۃ" پر تبصرہ	۴۰	ازالۃ الریب عن مسألۃ علم الغیب	۱۹۹
چاند پر پہنچنا شریعت کے خلاف نہیں	۴۱	بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا	۲۱۵
ڈاڑھی کو بُرا سمجھنا کفر ہے	۴۲	سنان القنا علی محل الربا	۲۸۳
ختمِ نبوّت پر دلچسپ بحث	″	مودودی صاحب اور تخریبِ اسلام	۲۹۷
قادیانیوں کے ساتھ تعلقات	۴۶	نیل الفضیلۃ بسؤال الوسیلۃ	۳۳۱
عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت کا عقیدہ	۴۷	**باب ردّ البدعات**	۳۳۶
ماہِ صفر میں شادی کو منحوس سمجھنا	″	دعا بعد نماز جنازہ	″
"لی خمسۃ اطفی بہا الخ" شرک ہے	۴۸	اذان جمعہ کے بعد الصلوٰۃ	″
تحقیق "ما اہلّ بہ لغیر اللہ"	″	سنّتِ رسول اللہ پکارنا	

عنوان	صفحہ
اذان علی القبر	۳۳۷
جنازہ کے ساتھ جہراً کلمہ پڑھنا	〃
دُعا میں جہراً درود شریف اور انّ اللہ وملائکتہ الخ کو ضروری سمجھنا	۳۳۸
سوال مثل بالا	〃
تین دفعہ دعا مانگنے کا التزام	۳۴۳
نوافل کے بعد اجتماعی دعا	۳۴۴
نمازوں کے بعد طویل دُعا	۳۴۶
میلاد مروّج کی تحقیق	۳۴۷
اسقاط مروّج کا حکم	۳۴۸
سوال مثل بالا	۳۴۹
اکٹھے ہوکر جہراً ذکر کرنا اور وجد میں آنا	۳۵۰
میت کے سینہ پر کلمۂ شہادت لکھنا	۳۵۱
دفن کے بعد بالالتزام تین دفعہ دعا مانگنا	〃
دفن کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنا بدعت ہے	۳۵۲
سوال مثلِ بالا	〃
نماز عید کے بعد مصافحہ کرنا	۳۵۳
نماز عید کے بعد مصافحہ و معانقہ	۳۵۴
نمازوں کے بعد مصافحہ	〃
اہلِ میّت کی طرف سے دعوت کی رسم	۳۵۵
طعامِ میّت سے متعلق ایک حدیث کا جواب	۳۵۸
طعامِ میّت سے متعلق بعض عبارات کا جواب	۳۵۹
صفر کے آخری بدھ میں عمدہ کھانا پکانا	۳۶۰
بغرض رقیہ اجتماعی ختم	〃
مروّج قرآن خوانی	۳۶۱
بیماری سے شفا کے بعد قرآن خوانی	〃
افتتاحی تقریب میں قرآن خوانی کی رسم	〃
ایصالِ ثواب کے لئے اجتماع کا اہتمام	۳۶۲
مروّج صلوٰۃ وسلام	〃
سوال مثل بالا	۳۶۴
سوال مثل بالا	〃
کھانے کے بعد ہاتھ اُٹھا کر اجتماعی دعا	۳۶۵
سوال مثلِ بالا	۳۶۶
چیلوں کو گوشت پھینکنا	〃
بیماری سے شفا کے لئے بکرا ذبح کرنا	۳۶۷
کونڈوں کی حقیقت	〃
اذان سے قبل درود شریف پڑھنا	۳۶۸
اذان کے بعد بلند آواز سے صلوٰۃ وسلام	۳۶۹
روزہ کشائی کی رسم	۳۷۰
کیوڑہ چھڑکنا	۳۷۱
رمضان کے آخری جمعہ میں وداعی خطبہ پڑھنا	〃
مبارک راتوں میں مساجد میں اجتماع	〃
دعا کے اختتام پر کلمہ پڑھنا	۳۷۴
قبر پر ہری شاخ یا پھول رکھنا	〃
ایصالِ ثواب پر اُجرت لینا	۳۷۵

عنوان	صفحہ
شدید بارش یا وبا کے وقت اذان دینا	۳۷۵
قبروں پر چادر چڑھانا	۳۷۶
تراویح میں ختم قرآن پر مٹھائی کا التزام	۳۷۷
اذان کے جواب میں کلمۂ توحید کے بعد محمد رسول اللہ کہنا	،،
جنازہ پر پھولوں کی چادر ڈالنا	۳۷۸
اذان میں انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگانا	،،
کفن سے کپڑا بچا کر امام کا مصلّٰی بنانا	۳۷۹
اجتماعی طور پر درود شریف پڑھنا	۳۸۰
تعزیت کے لئے جمع ہو کر بیٹھنا	،،
روزانہ اکٹھے ہو کر قبرستان جانا	۳۸۱
حالتِ خطبہ میں درود شریف پڑھنا	،،
لوگوں کے ڈر سے انّ اللہ وملائکتہ الخ پڑھنا	۳۸۲
گیارھویں کا کھانا	،،
میلاد میں قیام کرنا	۳۸۳
عید مبارک کہنا	،،
سوال مثل بالا	۳۸۴
بوقت وداع خدا حافظ کہنا	۳۸۵
عید شبِ برات	،،
سیاسی فتنہ میں اذانیں دینا	،،
رسالہ	
منکراتِ محرم	۳۸۷
کتاب العلم والعلماء	۳۹۶
کسی عالم یا بزرگ کے ہاتھ چومنا	،،
بیوی اور والدین کی اجازت کے بغیر طلب علم کے لئے سفر کرنا	۳۹۸
جوان بیوی کو چھوڑ کر طلبِ علم کے لئے سفر کرنا	۳۹۹
متقدمین ومتأخرین میں حدِّ فاصل	۴۰۰
لوگوں کو شرمندہ کرنے کی غرض سے علم سیکھنا	۴۰۱
تعلیم چھوڑ کر تبلیغ کے لئے نکلنا	،،
غیر عالم کے لئے طلب دلیل جائز نہیں	۴۰۲
رسائل	
السبک الفرید لسلک التقلید	۴۰۳
الہدایات المفیدۃ لتنزیہ المدارس من العلوم الجدیدۃ	۴۲۳
الکلام البدیع فی احکام التوزیع	۴۲۹
صیانۃ العلماء عن الذّل عند الاغنیاء	۴۳۵
القول المتین فی شرح اطلبوا العلم ولو بالصّین	۴۵۱
کشف الغطاء عن حقیقۃ اختلاف العلماء	۴۷۱
تنبیہ المغفلین فی بیان التفاضل بین المرسلین	۴۷۷
کتاب التفسیر والحدیث	۴۸۳
کھڑے ہو کر کھانے سے ممانعت کی حدیث	،،
سوال مثلِ بالا	۴۸۴
حدیث لاترفع عنہم عصاک ادبا کا حوالہ	،،
تحقیق حدیث لولاک لما خلقت الافلاک	،،
سورۂ فاتحہ در کدام پارہ داخل است	۴۸۶
حدیث نجد کی تحقیق	،،

عنوان	صفحہ
وجہ تسمیہ آیت در کوع وسورہ	۴۸۸
رکوع وپارہ کی تحقیق	۴۹۰
تحقیق حدیث متعلق قضاء بشہادۃ زور	۴۹۲
سبعۃ احرف کی تشریح	۴۹۴
ضربت علیہم الذلۃ کی تحقیق	۴۹۶
سبحان من زین الرجال باللحی کا حوالہ	۴۹۹
مودودی صاحب میں مفسر کی شرائط نہیں	۔۔
تحقیق حدیث لانکاح بین العبدین	۵۰۲
طوفانِ نوح علیہ السلام عام تھا	۵۰۳
سات زمینوں کی تحقیق	۵۰۴
تحقیق حدیث فی کل ارض آدم کآدمکم	۵۰۵
حضرت موسی علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا	۵۰۹
سب سے پہلے کیا چیز پیدا کی گئی ؟	۔۔
تشریح حدیث من ہذا الرجل الخ	۵۱۰
کتب حدیث کی تاریخ تالیف	۵۱۱
تشریح حدیث من رای منکم منکرا الخ	۵۱۲
تشریح حدیث للمسلم علی المسلم ستۃ حقوق	۔۔
امر بالمعروف کی طرح نہی عن المنکر بھی فرض ہے	۔۔
عاشوراء میں توسیع علی العیال کی حدیث	۵۱۳
واللہ یعصمک من الناس بعد الموت کو بھی شامل ہے	۔۔
حدیث الدنیا جیفۃ الخ کا حوالہ	۵۱۵
کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے متعلق حدیث	۔۔
رب اجعلنی مقیم الصلوۃ الخ پر اشکال کا جواب	۵۱۶
تحقیق حدیث عرض اعمال	۔۔

عنوان	صفحہ
رسائل	
دفع الوسواس عن قصۃ القرطاس	۵۲۱
مجال التحریر لخیال الزمہریر	۵۲۹
عمدۃ التفسیر لآیۃ التطہیر	۵۳۷
کتاب السلوک	۵۴۲
رفع تعارض ما بین عبارات مختلفہ در بارہ اصلاح از غیر صالح	۔۔
بیعت مقصود نہیں اصلاح مقصود ہے	۵۴۵
حقیقتِ تصوف	۔۔
حضرت علی سے حضرت حسن بصری کی ملاقات اور حضرت علی سے سلاسل کی ابتداء کی حکمت	۵۴۷
شیخ کامل کی پہچان	۵۴۸
کرامت کی پہچان	۵۴۹
شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت	۔۔
جہادِ اکبر	۵۵۰
صاحبِ نسبت کی تعریف	۔۔
تشریح حال و مقام	۵۵۱
حضرت علی سے حسن بصری کا استفادہ	۔۔
مسألۃ وحدۃ الوجود	۵۵۳
تشریح فناء و بقاء	۵۵۴
رسالہ	
استیناس الآبد بشرح فضل العالم علی العابد	۵۵۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تذکرۃ المؤلف

خاندان :

فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت مفتی **رشید احمد** صاحب دامت برکاتہم کا وطنِ مالوف لدھیانہ ہے جو مشرقی پنجاب میں واقع ہے اور آجکل بھارت میں شامل ہے۔ لدھیانہ علم وفضل کے اعتبار سے ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ بڑے بڑے جبالِ علم واولیاءِ کرام کا مرکز رہا ہے۔

حضرتِ والا علماءِ لدھیانہ کے مشہور خاندان سے ہیں۔ جو اپنے علم، ذہانت، تقویٰ، احوالِ باطنہ، کشف وکرامات، شجاعت، حق گوئی وبیباکی، جسمانی قوّت اور انگریز سے جہاد میں نمایاں کارناموں کی وجہ سے غیر معمولی شہرت رکھتا ہے۔ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد سلیم صاحب مدظلہم جو حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی صحبتوں سے منجھے ہوئے ہیں۔ اور "**بزمِ اشرف**" میں صاحب الرؤیا کے لقب سے معروف ہیں بسلسلۂ زمینداری لدھیانہ سے ضلع فیصل آباد، اور پھر وہاں سے ضلع ملتان تحصیل خانیوال تشریف لائے، وہاں ایک نوآباد گاؤں چک ۱۰۱ ۱۵-ایل میں رہائش اختیار کی اور اشرف الاولیاء کے نام پر اس گاؤں کا نام "کوٹ اشرف" رکھا۔

ولادت ومقامِ ولادت :

اسی مبارک بستی میں "رأس المتقین رشیدِ ثانی" کی ولادت بروز سہ شنبہ ۳ صفر ۱۳۴۱ھ مطابق ۲۶ ستمبر ۱۹۲۲ء میں ہوئی۔ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے نام پر آپ کا نام رکھا گیا۔ آپ کا تاریخی نام سعود اختر (۱۳۴۱ھ) ہے۔ یہ نام آپ نے خود پندرہ سال کی عمر میں تجویز فرمایا تھا۔ آپکی سب سے پہلی تصنیف "تسہیل المیراث" میں اس نام کا ذکر ہے۔

طفولیت اور ابتدائی تعلیم :

بچپن میں والدین کو آپ سے غیر معمولی محبت تھی، اور آپ پر انتہائی شفقت فرماتے تھے، انہی شفقتوں نے آپ کو "رشیدِ ثانی" بنا دیا۔

والدہ محترمہ نے تقریباً پانچ برس کی عمر میں قرآن مجید اور نماز کی تعلیم دینا شروع کی۔ ۱۳۴۸ھ سے ۱۳۵۲ھ ہجری تک سرکاری پرائمری اسکول میں چوتھی جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ خداداد ذہانت کی وجہ سے ہمیشہ اپنی جماعت میں ممتاز رہے۔

فارسی کی ابتدائی تعلیم :

حضرتِ والا کے بڑے بھائی مولانا محمد نعیم صاحب، مولانا محمد خلیل صاحب اور مولانا محمد جمیل صاحب پہلے سے ملتان کے قریب گھوٹہ شریف میں دینی علوم پڑھ رہے تھے، ۱۳۵۳ھ ہجری میں والد صاحب نے آپ کو بھی تحصیلِ علمِ دین کے لئے وہیں بھیج دیا۔ حضرت والد محترم نے آپ کو اور مولانا محمد جمیل صاحب کو میاں چنوں ریلوے اسٹیشن سے ریل پر سوار کرا کر ساتھ میں بیٹھے ہوئے ایک جنٹلمین سے کہا کہ ان بچوں کو احتیاط سے ملتان اُتار دیں۔

حضرت والا نے فرمایا کہ راستے میں ان جنٹلمین نے ہم سے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو؟ ہم نے کہا کہ علمِ دین پڑھنے جا رہے ہیں۔ تو انہوں نے کہا، "مُلّا بن کر بیکار بنوگے" اور علمِ دین نہ پڑھنے کے لئے کافی لمبی چوڑی تقریر کی۔ راقم الحروف نے حضرتِ والا سے پوچھا، پھر ان کو کیا جواب دیا؟ فرمایا، "بچے تو تھے ہی کیا جواب دیتے، لیکن اس حالت میں بھی ان سے نفرت ہو رہی تھی، اور الحمدللہ ان کے کہنے سے دین سے متنفر نہ ہوئے اور یہ بھی اللہ کا کرم ہے ورنہ ہم کون ہیں۔"

اس کے بعد حضرتِ والا نے فرمایا :

> "اگر یہ جنٹلمین صاحب آج مجھے دیکھتے تو پتہ چلتا کہ کون بے کار ہے؟ الحمدللہ، اللہ تعالیٰ نے دُنیا میں آرام و راحت کے سب سامان فراہم فرمائے ہیں اور نوابوں کی سی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ عزت و منصب عطا فرمایا اور سب سے بڑی بات یہ کہ سکونِ قلب کی دولت نصیب ہے جو کسی جنٹلمین کو خواب میں بھی میسر نہیں آسکتی، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں، آمین"

پھر فرمایا:

> "یہ تو مسافر خانہ ہے نہ یہاں کی راحت کا اعتبار نہ تنگی کا اعتبار، اعتبار تو آخرت کا ہے۔ بھئی اس کا فیصلہ نہ وہ کرسکتے ہیں نہ میں کرسکتا ہوں، اس کا فیصلہ کل ہوگا، جب احکم الحاکمین کی بارگاہ میں پیشی ہوگی اس

روز پتہ چلے گا کہ ہم کیا ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق
عطا فرمائیں اور ہمیں آخرت کے لئے با کار بنائیں، آمین اھ"

گھوٹہ شریف پہنچ کر آپ نے اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ قیام کیا اور اپنے بڑے بھائی مولوی محمد خلیل صاحب سے فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔

بشارت :

گھوٹہ شریف میں تعلیم کے دوران علم دین کی خاطر بچپن ہی میں والدین سے جدائی کے شدید ترین مجاہدہ کی بدولت حضرت والا کو ایک رات سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی اور آپ کو دیکھا کہ زبانِ مبارک میں لکنت کا اثر ہے اسی وقت آپ کو خیال ہوا کہ لکنت تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانِ مبارک میں تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا اثر کیسا؟

جب خواب سے بیدار ہوئے تو آپ نے اپنے بڑے بھائیوں سے خواب کا تذکرہ کیا، مگر انھوں نے کسی بزرگ سے اس کی تعبیر دریافت نہ کی۔

تعبیر :

اب سے تقریباً تین سال قبل ۱۳۹۳ھ ہجری میں آپ کو اچانک اپنا وہ پرانا خواب یاد آیا، تو بندہ سے ذکر کرکے فرمایا، "اس کی تعبیر یہ سمجھ میں آتی ہے کہ علم نبوت حاصل ہوگا، زبان کی لکنت ثقلِ وحی کی طرف اشارہ ہے ۔ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ۝ علاوہ ازیں اس میں نسبت موسویہ کے حصول کی طرف بھی اشارہ ہے"

نسبت موسویہ کے مظہر حضرت والا کی زندگی کے متعدد واقعات راقم کے علم میں ہیں جن کی تفصیل حضرت والا کی مفصل سوانح عمری "انوار الرشید" میں لکھی گئی ہے،

یہ خواب اس لحاظ سے اور زیادہ اہمیت کا حامل ہے کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جبکہ ابھی ابھی آپ نے علم دین حاصل کرنا شروع کیا تھا، ایسے وقت میں یہ بشارت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی نعمت ہے،

عربی کی ابتدائی تعلیم :

شوال ۱۳۵۳ھ ہجری میں چاروں بھائی بغرضِ تعلیم جہانگیر آباد تحصیل خانیوال (جو ٹوٹو والا کے نام سے مشہور ہے) مولانا سلطان محمود صاحب[۵] کی خدمت میں پہنچے، مولوی محمد جمیل صاحب

---

[۵] سفر حج کے موقع پر آپ کے ساتھ ایک بڑا دلچسپ واقعہ پیش آیا جس کی تفصیل "انوار الرشید" میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ۱۲ آسیا آبادی

فارسی کی تکمیل کر کے اب عربی شروع کر رہے تھے، حضرتِ والا کو بھی عربی میں ان کے ساتھ ہی شریک کر دیا گیا، فارسی کی تعلیم بھی ساتھ ساتھ ہوتی رہی۔

درسِ نظامی کا دوسرا سال (۵۴-۵۵ھ) آپ نے گکھڑ ضلع گوجرانوالہ اور تیسرا، چوتھا سال (۵۵-۵۷ھ) جھنگ میں گزارا، ان تینوں سالوں کی کتابیں آپ نے اپنے بہنوئی حضرت مولانا محمود احمد صاحب مدظلہم سے پڑھیں، ۱۳۵۷ھ میں آپ کے والد ماجد مدظلہم بسلسلۂ زمینداری خیرپور (سندھ) تشریف لے آئے جس کی وجہ سے صاحبزادگان کی تعلیم کا سلسلہ بھی سندھ کے علاقوں میں شروع ہوا۔ حضرت والا اور آپ کے بھائی مولانا محمد جمیل صاحب اپنے استاذ مولانا محمود احمد صاحب کے ساتھ جامعہ دار الہدیٰ ٹھیڑی میں آگئے۔ یہاں آپ نے مولانا محمود احمد صاحب کے علاوہ مولانا محمد صاحب سے بھی چند کتابیں پڑھیں۔ مولانا محمد صاحب علم و عمر دونوں کے لحاظ سے اکابر علماء میں سے تھے، بہت عمر رسیدہ تھے، جامعہ کے صدر مدرس تھے، تمام علوم میں بہت بلند مقام رکھتے تھے، بڑے قابل اور متقی بزرگ تھے، آپ نے ایک اقلیدس خود تصنیف فرمائی تھی۔

علم ہندسہ، مثلث اور کرویات میں ہمارے حضرت کی مہارت کا دنیا کے چند گنے چنے ماہر ریاضی داں ہی اندازہ کر سکتے ہیں، اس کی چند مثالیں آپ کی مفصل سوانح عمری "انوار الرشید" جلد اوّل میں دیکھی جا سکتی ہیں

اس سال یعنی ۵۷-۵۸ ہجری میں آپ نے مولانا محمود احمد صاحب سے ہدایۂ اوّلین، مختصر المعانی اور مطول پڑھیں اور مولانا محمد صاحب سے حاشیہ عبد الغفور، میر قطبی اور اقلیدس پڑھیں۔

۱۳۵۸ھ میں آپ کے بھائی مولانا محمد خلیل صاحب ڈابھیل سے فارغ ہو کر تشریف لائے تو وہ اور مولانا محمود احمد صاحب دونوں پیر جھنڈو جدید (درگاہ شریف) میں مدرس ہو گئے، حضرت والا بھی ان کے ساتھ تھے۔

اس سال آپ نے اپنے بہنوئی مولانا محمود احمد صاحب اور بھائی مولانا محمد خلیل صاحب سے سلم العلوم، ملا حسن، میبذی، شرح عقائد نسفی، خیالی، سبع معلقہ اور تفسیر بیضاوی پڑھیں۔ علاوہ ازیں مطالعہ مذاہب باطلہ، تمرین مناظرہ اور انشاء عربی کی مشق کی۔

فنون کی تکمیل:

اگلے تعلیمی سال شوال ۵۹ھ میں آپ معقولات کی مشہور درس گاہ انھی (ضلع گجرات پنجاب) تشریف لے گئے جہاں حضرت مولانا ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ فنون کی اونچی کتابیں پڑھاتے تھے۔ اس ایک سال میں آپ نے جتنی کتابیں پڑھیں انھیں آج کل کا طالب علم کم از کم تین سال میں پورا کر سکے گا۔ اس سال مندرجہ ذیل کتب پڑھیں:

ملا جلال مع حاشیہ میر زاہد، رسالہ قطبیہ مع حاشیہ میر زاہد و غلام یحییٰ، قاضی مبارک، حمد اللہ، شرح مواقف مع حاشیہ میر زاہد، شرح عقائد عضدی، شرح اشارات، صدرا، شمس بازغہ، الدوحۃ المیادۃ، تصریح، شرح چغمینی، بست باب، السبع الشداد، ربع مجیّب، ربع مقنطر، اکر ثاؤ ذوسیوس، اکر مناظر، کرہ متحرکہ، توضیح تلویح، مسلم الثبوت، ان کے علاوہ مشکوٰۃ، بیضاوی ہدایہ آخرین، السبع المعلقات اور مقامات کا طلبہ کے ساتھ تکرار کیا۔ (مجموعہ ۳۰ کتب)

دار العُلوم دیوبند میں داخلہ اور تکمیلِ دورۂ حدیث

دیگر علوم و فنون کی تکمیل کے بعد آپ دورۂ حدیث پڑھنے کے لئے مشہورِ عالم دینی درسگاہ دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے۔

حضرتِ والا شوال ۱۳۶۰ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور شعبان ۱۳۶۱ھ میں فارغ ہوئے اس سال مندرجہ ذیل کتب ذیل کے اساتذہ سے پڑھیں:

۱۔ صحیح بخاری
۲۔ سُنن ترمذی

} یہ دونوں کتابیں حضرت مولانا مدنی سے پڑھیں۔ آخر سال میں حکومتِ برطانیہ نے حضرت مدنی کو گرفتار کرکے مراد آباد جیل بھیج دیا تو یہ دونوں کتابیں حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب نے ختم کرائیں۔

۳۔ صحیح مُسلم : حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی

۴۔ سُننِ ابی داؤد
۵۔ شمائل ترمذی

} حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب امروہوی

۶۔ سُنن نسائی : حضرت مولانا عبد الحق صاحب نافع

۷۔ سُنن ابن ماجہ : حضرت مولانا مفتی ریاض الدین صاحب

۸۔ طحاوی : حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

۹۔ موطا امام مالک : حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی

۱۰۔ موطا امام محمد : حضرت مولانا ظہور احمد صاحب

اس سال حضرت والا نے دورۂ حدیث کے ساتھ ساتھ کتب تجوید میں سے فوائد مکیّہ اور جزری قاری عزیز احمد صاحب اور خلاصۃ البیان قاری حفظ الرحمن صاحب صدر القراء سے پڑھیں۔

خمیر میں جوشِ جہاد:

اللہ تعالیٰ نے جوشِ جہاد حضرت اقدس کے خمیر میں بھر دیا ہے۔ یہ دولت آپ کو خاندانی وراثت میں ملی ہے۔ آپ کے خاندان کے اکابر علماء و مشائخ انگریز کے خلاف جہاد میں بہت مشہور رہیں، آپ نے نوعمری ہی سے تحصیل علوم اسلامیہ کے ساتھ فنون جہاد کی مشق کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے غزوات مجالس میں سنا کر سامعین کے قلوب میں جوشِ جہاد کی آگ بھڑکا دیتے، پھر دار العلوم دیوبند میں داخلہ کے بعد حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی صحبتِ مبارکہ اور کتب حدیث میں مغازی اور جہاد کے موضوع نے جلتی پر پیٹرول کا کام کیا۔ چونکہ دار العلوم دیوبند میں تعلیم کے علاوہ تربیت جہاد بھی بنیادی مقاصد میں ہے اس لئے طلبہ کو جہاد اور فنونِ حرب کی تربیت دینے کے لئے اس فن کے ماہرین اساتذہ دار العلوم کی طرف سے تھے، حضرت اقدس نے سب سے اونچے درجہ کے استاذ عبد الرحمٰن اور استاذ عبد الرشید سے بجذبۂ جہاد فنونِ حرب میں مہارت حاصل کی۔

تربیتِ باطن

بشارت قبل از ولادت: حضرت والا کے دادا مولانا محمد عظیم صاحب بڑے صاحب مقام بزرگ اور کشف و کرامات میں مشہور تھے، آپ نے اپنے شیخ سے ایک خواب کی تعبیر دریافت فرمائی، شیخ نے فرمایا" صالح فرزند کی بشارت ہے جو شاید محمد سلیم (حضرت کے والد ماجد) کے کاشانہ کا چراغ ہو" حضرت کے والد صاحب نے یہ خواب کئی بار ذکر فرما کر حضرت والا کے بارے میں فرمایا کہ آپ اس بشارت کے مصداق ہیں۔

حضرت تھانوی قدس سرہٗ: بچپن ہی میں والد ماجد کی زبان سے حضرت تھانوی قدس سرہ کے مواعظ و ملفوظات کان میں پڑتے رہے جب خود پڑھنے کے قابل ہوئے تو حضرت حکیم الامت کے مواعظ و ملفوظات کے مطالعہ کا معمول بنا لیا، شوال سنہ ۱۳۶۱ھ میں تکمیل حدیث کیلئے دار العلوم دیوبند تشریف لے جاتے وقت پہلے تھانہ بھون حاضری دی، اس کے بعد دیوبند سے تھانہ بھون متعدد بار حاضری کا شرف ملا، اس

زمانے میں حضرت تھانوی قدس سرہٗ ضعف کی وجہ سے خود بیعت نہیں فرماتے تھے۔

شیخ الادب حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ: دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الادب میں شانِ اصلاح نمایاں دیکھ کر آپ سے روزانہ پندمنٹ کے لئے صرف حاضری کی اجازت چاہی، حضرت نے اپنے خصوصی مطالعہ و تصنیف کے وقت میں اجازت مرحمت فرمائی، یہ خصوصی عنایت صرف حضرت والا پر رہی تھی، ایک بار بوقت مصافحہ حضرت والا کا ہاتھ تھام کر ایسی توجہ ڈالی جس کا اثر پورے جسم پر برقی رو کی طرح محسوس ہوا،

حضرت مدنی قدس سرہٗ: حضرت شیخ الادب سے استشارہ اور استخارہ کے بعد حضرت مدنی قدس سرہٗ سے بیعت ہوئے، حضرت شیخ الادب نے فرمایا کہ حضرت مدنی کی خدمت میں بغرض بیعت میں خود اپنے ساتھ لے چلوں گا مگر اتفاق ایسا ہوا کہ حضرت والا حضرت مدنی کی زیارت کے لئے دولت کدہ پر حاضر ہوئے تو حضرت مدنی نے آمد کا مقصد دریافت فرمایا، حضرت نے بلا تکلف عرض کر دیا جس پر حضرت مدنی نے ازراہِ شفقت فوراً بیعت فرمالیا،

حضرت مفتی محمد حسن قدس سرہٗ: حضرت مدنی کے انتقال کے بعد حضرت مفتی صاحب سے تعلق رکھا، حضرت مفتی صاحب کی حضرت والا پر خاص نظرِ عنایت تھی، ایک بار دارالعلوم کراچی میں حضرت مفتی صاحب کی اچانک تشریف آوری کی وجہ سے حضرت والا کو حاضرِ خدمت ہونے میں قدرے تاخیر ہو گئی، اس تھوڑے سے وقفہ میں حضرت مفتی صاحب نے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب سے کئی بار حضرت والا کے بارے میں دریافت فرمایا، بعد میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے حضرت والا سے یہ ماجرا بیان فرما کر بہت مسرت سے فرمایا کہ اکابر کی ایسی توجہ بہت بڑی سعادت ہے،

سلطان العارفین حضرت پھولپوری قدس سرہٗ: حضرت والا کو آخر میں حضرت پھولپوری سے شرفِ بیعت و خلافت حاصل ہوا، بیعت سے قبل حضرت والا نے خواب میں دیکھا کہ آپ دارالعلوم دیوبند میں بالائی منزل پر مہمان خانہ میں مقیم ہیں، حضرت شیخ الادب بہت جلدی میں تشریف لائے اور فرمایا "آپ کا الارم آیا ہے سندِ عالی کر لیجئے جلدی چلئے" پھر فرمایا کہ ہماری اصطلاح میں اہم ٹیلیفون کو الارم کہتے ہیں، پھر آپ نے الماری سے ایک کتاب نکالی اور حضرت والا کو ساتھ لے کر ایک باغ میں چلے گئے، اس خواب سے کچھ عرصہ بعد حضرت پھولپوری سے بیعت ہوئے تو آپ کی خدمت میں

یہ خواب پیش کیا، آپ نے فرمایا "اس کی تعبیر ہو گئی"، یعنی باغ میں علو سند دربار پھولپوری میں باریابی ہے،

ایک بار آپ حسب معمول شب جمعہ میں حضرت پھولپوری کے ہاں مقیم تھے، خواب میں حضرت نے فرمایا جلدی چلئے ایک بزرگ سے ملا دوں، باہر نکلے تو سڑک پر جانب مغرب کو ایک بزرگ تشریف لے جا رہے ہیں جن پر جلال کا غلبہ ہے ان سے ملانے کے لئے حضرت پھولپوری آگے اور حضرت والا پیچھے بھاگے جا رہے ہیں، قریب پہنچے تو اس بزرگ نے از خود پیچھے مڑ کر حضرت والا کو سینے سے لگا لیا، صبح کو حضرت پھولپوری کی خدمت میں خواب پیش کیا تو فرمایا کہ وہ بزرگ ہمارے مرشد پاک تھے یعنی حضرت تھانوی قدس سرہ،

اجازت بیعت: ایک مجلس میں حضرت پھولپوری نے اچانک اجازت بیعت عطا فرمائی، حضرت والا بہت پریشان ہوئے، نہ تحملِ امانت گراں بار اور نہ مجالِ انکار، اس پریشانی میں ایک دو روز ہی گزرے تھے کہ مجلس میں ایک صاحب بولے "مولوی ... صاحب بہت با اثر آدمی ہیں آپ ان کو خلافت دیدیں تو خلق خدا کو بہت فائدہ ہو" یہ سن کر حضرت پھولپوری فوراً سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور بڑے جوش سے فرمایا "کیا یہ میرے گھر کی چیز ہے کہ جس کو چاہوں دیدوں، اگر ایسا ہوتا تو میں سب سے پہلے اپنی اولاد کو دیتا یہ میاں کی دین ہے جس کے لئے ہوتی ہے اُسی کو دی جاتی ہے"، یہ قصہ دیکھ کر حضرت والا کی پریشانی جاتی رہی اور سمجھے کہ ؎

لطف عام او نمے جوید سند ؛ آفتابش بر حدثہا مے زند

اس وقت سے اس دعا کا معمول جاری ہے، اللهم اجز وعد ومن اکرہ علیہا انزل اللہ علیہ ملکا یسددہ،

زندگی کا دوسرا دور

تدریس، افتاء، ارشاد

حضرتِ والا اور آپ کے والد بزرگوار کو اس کا شدّت سے احساس تھا کہ علم دین کی تدریس اور نشر و اشاعت پر آپ کی زندگی وقف ہو۔ چنانچہ حضرتِ والا کی تدریس کا سلسلہ ۱۳۶۲ھ ہجری میں مدینۃ العلوم بھینڈو ضلع حیدرآباد سندھ سے شروع ہوا۔ بحیثیت مدرس درجۂ علیا آپ کا تقرر ہوا۔ ۱۳۶۴ھ ہجری میں آپ کو صدر مدرس بنا دیا گیا اور اسی سال سے بخاری شریف اور دیگر کتبِ حدیث کی تدریس بھی شروع کی۔

افتاء کا کام ویسے تو ۱۳۶۲ھ ہی سے شروع ہو چکا تھا لیکن ۱۳۶۶ھ سے دار الافتاء کی مکمل ذمہ داری آپ کے کاندھوں پر ڈال دی گئی، ۱۳۶۶ھ سے ۱۳۶۹ھ تک آپ بیک وقت شیخ الحدیث، صدر مدرس اور صدر مفتی رہے

دارالہدیٰ ٹھیڑھی :

سنہ ہجری میں حضرتِ والا بحیثیت شیخ الحدیث وصدر مفتی جامعہ دارالہدیٰ ٹھیڑھی تشریف لے گئے، صحیح بخاری ودیگر علوم وفنون کے تقریباً آٹھ اسباق پڑھانے کا معمول تھا، اس کے ساتھ ساتھ دارالافتار کی مکمل ذمہ داریاں بھی سنبھالتے تھے۔

دَارالعلوم کراچی :

شوال ٧٦ سنہ ہجری میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم کی فرمائش پر آپ بحیثیت شیخ الحدیث دارالعلوم تشریف لائے اور شعبان ٨٣ سنہ ہجری تک دارالعلوم میں رہے۔

١٣٦٤ سنہ ہجری سے ١٣٨٣ سنہ ہجری تک ہر سال آپ نے صحیح بخاری پڑھائی، اس حساب سے آپ نے بیس ٢٠ مرتبہ درسِ بخاری دیا۔ شروع میں دارالعلوم کی نظامتِ تعلیم کی ذمہ داری بھی آپ کے سپرد ہوئی مگر کچھ عرصہ بعد آپ نے اسے علمی خدمات میں مخل سمجھ کر ترک کر دیا۔

فتویٰ نویسی :

ویسے تو ١٣٦٢ سنہ ہجری سے حضرتِ والا کو فتاوٰی نویسی کے مواقع پیش آتے رہے۔ لیکن ١٣٦٦ سنہ ہجری سے دارالافتار کی مکمل ذمہ داریاں حضرت والا کے سپرد ہوئیں مگر ١٣٧٠ھ تک جو فتاوی صادر ہوئے ان کے جمع وضبط کا کوئی انتظام نہ ہو سکا، سوائے چند گنتی کے فتاوی کے کہ اُن کی نقل محفوظ رکھی گئی، اس قلیل مدت میں آپ کی شانِ تحقیق اور تعمقِ نظر کو اسقدر شہرت حاصل ہوگئی کہ بیرونِ ملک کے علمار بھی مشکل مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرنے لگے، ہر قسم کے فتاوی کے لئے مرجع خواص وعوام بن گئے، علمار میں پیچیدہ مسائل فیصلے کے لئے یہیں آنے لگے آپ نے اس منصب پر فائز ہوکر وہ محنت وجانفشانی کی کہ فتوی نویسی کو بجا طور پر آپ پر فخر ہے۔

١٣٧١ھ سے ٧٦ سنہ ھ تک آپ نے اپنے تحریر کئے ہوئے اہم مسائل کی نقلیں محفوظ رکھیں اگرچہ کثرتِ مشاغل کی وجہ سے اکثر مسائل نقل نہ ہو سکے، اس پانچ سال کے عرصہ میں کُل دو ہزار ٢٠٢٥ پچیس فتاوی تحریر فرمائے، جن میں سے صرف چارسو اکاون ٤٥١ فتاوی نقل ہو سکے جو "احسن الفتاوی" کے نام سے شائع ہوکر عوام وخواص میں اسقدر مقبول ہوئے کہ "عیاں راچہ بیاں"

اس کے بعد دارالعلوم کراچی میں اگرچہ دارالافتار کی مستقل ذمہ داری آپ پر نہ تھی، تاہم زیادہ اہم اور پیچیدہ مسائل کی تحریر آپ ہی کے سپرد کی جاتی تھی۔ فقیہ اور مفتی تو بہت ہوتے ہیں، لیکن فقیہ النفس بہت کم ہوتے ہیں۔ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ کو اللہ تعالیٰ نے فقیہ النفس بنایا

اور ہمارے حضرت دامت حیاتہم کو "رشیدِ ثانی" ــــــ اللہ تعالیٰ نے علم وفقہ کو حضرتِ والا کے رگ و پے میں اس طرح سمو دیا کہ مسائلِ فقہیہ حضرت کا اوڑھنا بچھونا بن گئے۔

دارالعلوم میں ۱۳۸۱ھ سے آپ کے زیرِ تربیت تخصص فی الفقہ کا شعبہ شروع کیا گیا، دو سال بعد حضرتِ والا نے دارالعلوم چھوڑ کر "دارالافتاء والارشاد" کی بنیاد رکھی تو دارالعلوم میں یہ سلسلہ کچھ عرصہ بند رہا، اس کے بعد پھر جاری کر دیا گیا۔

دارالافتاء والارشاد کی بنیاد:

اپنے شیخ حضرت اقدس مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوری قدس سرہٗ کی خواہش اور غیبی اشارے پر حضرتِ اقدس دامت برکاتہم نے رمضان ۱۳۸۳ھ میں اعلیٰ استعداد رکھنے والے فارغ التحصیل علماء کی تمرینِ افتاء کے لئے "دارالافتاء والارشاد" کی بنیاد ڈالی اور اب ۱۳۹۶ ہجری تک یہیں یہ خدمت جاری ہے، اللہ تعالیٰ ان خدمات کو قبول فرمائیں اور آپ کے سایہ کو مسلمانوں پر قائم رکھیں، آمین۔

مدارسِ عربیہ سے فارغ التحصیل علماء کرام آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور تحریرِ افتاء کی تمرین کے ساتھ فیضِ باطن، تقویٰ، استغناء اور تعلق مع اللہ کی دولت بھی لیکر جاتے ہیں۔

مجالسِ رشد و ہدایت:

حضرت اقدس دامت برکاتہم یوں تو ہر آنے والے کے کان میں کچھ نہ کچھ دین کی بات پہنچا کر چھوڑتے ہیں، آپ کی نشست و برخاست کا ہر آن ایک مستقل سبق ہے بلکہ آپ کی زندگی پوری کی پوری شریعتِ مقدسہ کی ایک جیتی جاگتی عملی تصویر ہے لیکن جمعہ اور اتوار کی شام آپ تلقین و ہدایت کے لئے وقت فارغ کر دیتے ہیں جس میں اطراف و جوانب سے کثیر تعداد میں مرد اور خواتین حاضر ہو کر فیضیاب ہوتے ہیں، بالخصوص نوجوان طبقہ کے لئے یہ مجالس اکسیر عجیب التاثیر ہیں چند روز ہی میں اُن کے دلوں کی کایا پلٹ جاتی ہے اور ایسا حیرت انگیز انقلاب آتا ہے کہ زندگی کے طور و طریق ہی بدل جاتے ہیں۔

آپ کے بعض خدّام نے ۱۳۹۱ھ سے ان مجالس میں سے جمعہ کے بیانات کو بالالتزام اور اکثر و بیشتر اتوار کے بیانات کو بھی قلمبند کر لیا ہے، جو محفوظ ہیں انکی طباعت کا انتظام کیا جا رہا ہے۔

خصوصیات:

اس تحریر میں سب مضامین مختصر لکھے گئے ہیں، جو ایک صاحبِ ذوق قاری کے لئے یقیناً ناکافی ہیں، ان کی رعایت کرتے ہوئے حضرت والا کی مفصل سوانح عمری بنام "انوار الرشید" زیرِ ترتیب ہے،

یہاں دوسرے عنوانوں کے ساتھ اس عنوان کا بھی صرف اشاریہ لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں تفصیل کے لئے "انوار الرّشید" ملاحظہ ہو۔ آپ کی بعض خصوصیات یہ ہیں:

① صفائی معاملات:

یہ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرّہٗ کی امتیازی شان ہے، حضرتِ والا بھی صفائی معاملات کا اسقدر اہتمام فرماتے ہیں کہ کیسا ہی اہم کام ہو مگر صفائی معاملات کہ جس کا تعلّق حقوق العباد سے ہے اُسے مقدم رکھتے ہیں، اس پر حضرت والا کے کئی عجیب واقعات ہیں۔

② تقوٰی اور تصلّب فی الدّین:

باوجود خلقی نرمی اور طبعی غلبۂ مروّت کے کسی موقع پر بھی تقوٰی اور تصلّب فی الدّین کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹ سکتا، اس پر بھی کئی سبق آموز واقعات ہیں۔

③ اِستغنار:

استغنار کا یہ عالم ہے کہ حکومت اور بڑے بڑے مالدار کروڑپتی لوگ آپ کے دروازے پر ناک رگڑتے ہیں، آپ کے استغنار کا خلاصہ یہ ہے ؎

نہ لالچ دے سکیں ہرگز تجھے سکّوں کی جھنکاریں
ترے دستِ توکّل میں ہیں استغنار کی تلواریں

④ مواقع شہرت سے اِجتناب:

⑤ مَشایخ وَعلماء کی مخصوص وضعداری اور تکلفات سے آزاد سادہ اور بے تکلّف زندگی:

اِن عنوانات کی تفصیل اور ہمّت واستقلال کے حیرت انگیز واقعات "انوارُ الرّشید" میں ملاحظہ ہوں۔

آپ میں یہ خصوصیات اتنی نمایاں ہیں کہ مُعاند سے مُعاند مخالف بھی ان کے اعتراف پر مجبور ہے۔

تصـــــانیف ؏

- الاجتثاث لموحد الطلقات الثلاث
- اجتماعی ذکر (مجالس ذکر)
- احسن الفتاوی ۱۰ جلدیں
- احسن القضاء فی الذبح باعانۃ الکہرباء
- احکام زکوٰۃ، صدقۃ الفطر، قربانی
- احکام الکلام فی احکام الخروج علی الامام
- احکام معذور
- اخسأ العاویۃ بفضل معاویۃ (رضی اللہ عنہ)
- اداء القرض من الحرام
- الارشاد الی مخرج الضاد
- ارشاد الانام بجواب ازالۃ الاوہام
- ارشاد اولی الابصار الی شرائط حق القرار
- ارشاد السبیل الی انوار التنزیل (مقدمہ تفسیر بیضاوی)
- ارشاد العابد الی تخریج الاوقات وتوجیہ المساجد
- ارشاد القاری الی صحیح البخاری
- ارغام العنید فی میراث الحفید
- ازالۃ الاوہام عن الرق فی الاسلام
- ازالۃ الریب عن مسألۃ علم الغیب
- استیناس الآبد بشرح فضل العالم علی العابد
- اسلام کا عادلانہ نظام معیشت
- اعدل الانظار فی الشفع بعد الایثار
- الافصاح عن خیار فسخ النکاح
- الاکتحال للرجال
- امام الکلام فی تبلیغ صوت الامام
- انصراف الامام الی جہۃ الانام
- الاوامر والنواہی
- ایقاع الطلقات بالقاء الجمرات
- ایمان وکفر کا معیار
- باغوں کے مسائل
- بسط الباع لتحقیق الصاع
- بشارۃ اللظی لآکل الربا
- بعض ضروری احکام میت
- بلاسود بنکاری
- بھیڑ کی صورت میں بھیڑیا (دیندار انجمن)
- پراویڈنٹ فنڈ
- تبلیغی جماعت اور اُنچاس کروڑ کا ثواب
- تحریر الثقات لمحاذاۃ المیقات
- التحریر الفرید فی ترکیب کلمۃ التوحید (غیر مطبوع)
- تحریر المقال فی التعزیر بالمال
- تحقیق شب برات
- تحقیق شب معراج
- تسہیل المیراث
- تعدد الازدواج
- التفریق بین التقیید والتعلیق
- تقسیم وراثت کی اہمیت
- تکفیر شیعہ پر اشکالات کے جوابات

؏ اس فہرست میں سے بیشتر رسائل احسن الفتاوی کی اس جدید تبویب میں شامل کردیئے گئے ہیں۔

○ تنبیہ المغفلین فی بیان التفاضل بین المرسلین
○ تنبیہ الخیر فی التضحیۃ عن الغیر
○ توقیع الاعیان علی حرمۃ ترقیع الانسان
○ ٹی وی کی حرمت
○ جبری خلع
○ جبری نکاح
○ الجوہرۃ الفردۃ فی حکم الذبح فوق العقدۃ
○ جھینگے کی حرمت
○ حج کے ضروری مسائل
○ حرمۃ المقعاص برمیۃ الرصاص
○ حریم قناۃ
○ الحط من المؤجل بشرط ادائہ المعجل
○ حفظ الحیاء بتحریم متعۃ النساء
○ حقیقت شیعہ
○ حکمۃ الازدواج باربع ازواج
○ الحکمۃ الغراء فی عدم توریث الانبیاء
○ الحکم الربانی لرجم الزانی
○ حلال وحرام سے مخلوط مال
○ حیلۂ دخول مکہ بلا احرام
○ ڈاکٹری تعلیم کے لئے انسانی ڈھانچے
○ ذب الجہول عن سبط الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم)
○ الرجوم الشہابیۃ علی الفرقۃ الذکریۃ والاباضیۃ
○ ردّ البدعات
○ رفع الحجاب عن حکم الغراب
○ رفع النقاب عن وجہ الانتخاب
○ رؤیت ہلال میں ریڈیو کی خبر
○ زبدۃ الکلمات فی حکم الدعاء بعد الصلوات
○ زیادۃ البدل لاجل الاجل
○ زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم
○ السبک الفرید لسلک التقلید
○ السراج لاحکام العشر والخراج
○ سنان القنا علی محل الربا
○ سیاستِ اسلامیہ
○ شرح الصدر فی الفرق بین صلاتی الفجر والعصر
○ صبح صادق
○ صیانۃ العلماء عن الذل عند الاغنیاء
○ ضعیف حدیث پر عمل کرنے میں مفاسد
○ ضمیمہ مفید الوارثین
○ طریق السداد لمحل الخضاب بالسواد
○ الطوالع لتنویر المطالع
○ طویل النہار مقامات میں نماز روزہ
○ عمدۃ التفسیر لآیۃ التطہیر
○ عمدۃ الکلام فی عرف الطلاق بالحرام
○ عورت کی دیت
○ عیون الرجال لرؤیۃ الہلال ○ غلبۂ اسلام
○ القتل المشتد لقتل المرتد
○ فتنۂ انکارِ حدیث
○ الفصل الحقانی لقتل الزانی
○ فیصلۂ ہفت مسئلہ کی وضاحت
○ قادیانی مذہب

(بقیہ فہرست صفحہ ۵۶۹ پر)

تجدیدی کارنامے

مسائلِ حاضرہ پر آپکی دُور رس نگاہ اور ان سے متعلق آپ کی جامع اور مدلّل تحریریں، قوّتِ استنباط، اختصارِ الفاظ کے ساتھ ٹھوس دلائل کی وہ بھرمار کہ انکے چند صفحات کی شرح کے لئے کئی دفاتر درکار ہیں، اسلام میں پیدا ہونیوالے فتنوں کی سرکوبی اور براہینِ قاطعہ کی مجانیق سے انکا استیصال، ہر نئے اُبھرنے والے فتنہ کا بروقت محاسبہ، دلائل نقلیہ عقلیہ، فنون قدیمہ جدیدہ اور تجاربِ مشاہدات کی روشنی میں ایسی تحقیقات کہ انکی نظیر نہیں ملتی، مثلاً اختلاف مطالع، مقدار صدقۃ الفطر، حرمین شریفین میں عورتوں کی نماز، اور تحقیق صبح صادق و دیگر تحقیقات، اصلاحِ اُمت کا درد، جو گناہ معاشرے کا جزء بن گئے ہیں اور بلا جھجک علانیہ کئے جا رہے ہیں اور انکے سیلاب میں دیندار گھرانے اور علماء و صلحاء بھی بہے جا رہے ہیں، انکی تباہی سے اُمت کو بچانیکی فکر اور بذریعۂ وعظ و ارشاد بالخصوص نوجوانوں کو اس ہولناک بھنور سے نکالنے کی کوشش اور اسمیں نمایاں کامیابی، آپ کی مجالس وعظ و ارشاد میں شریک ہونیوالے نوجوانوں کی زندگیوں میں حیرت انگیز انقلاب، حفاظتِ وقت اور صفائی معاملات کا بے نظیر اہتمام، طبعی نرمی اور غلبۂ مروت کے باوجود دین میں تصلّب کہ کوئی بڑے سے بڑا تعلق بھی اسمیں بال برابر لچک پیدا نہیں کر سکتا، حکومت اور اہلِ ثروت سے ایسا استغناء کہ اسکی نظیر تلاش کرنے پر بھی نہیں ملتی۔ آپ کے دادا پیر حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی شان میں کہا گیا ؎

نہ لالچ دے سکیں ہرگز تجھے سکّوں کی جھنکاریں ❊ ترے دستِ توکّل میں تھیں استغناء کی تلواریں

ہو بہو آپ پر صادق آتا ہے، ان کمالات کے باوجود گمنامی و خلوت پسندی، مناصب سے انکار اور مجالس و مواقع شہرت سے احتراز۔

مذکورہ مواہبِ لدنیہ و انعامات ربانیہ کی بناء پر اکابر علماء و صلحاءِ دین کی عظیم و اہم ترین خدمات علمیہ و عملیہ و اصلاح امت میں آپ کی جلالت قدر اور امتیازی شان کے قائل ہیں،

اولاد:

(۱) صاحبزادی صفوہ، تعلیم: تجوید القرآن، اُردو دینیات، تمرین قواعد صرف و نحو عربی، ترجمۃ القرآن،

(۲) حافظ قاری مولوی محمد (۳) حافظ قاری مولوی احمد (۴) حافظ قاری مولوی حامد

(۵) صاحبزادی اسماء، تعلیم: حفظِ قرآن مع تجوید، اُردو دینیات، عربی صرف و نحو میں غیر معمولی مہارت، ریاض الصالحین، ترجمۃ القرآن ❊

وصیّت نامہ

حضرتِ والا نے مختلف اوقات میں تین ۳ وصیّت نامے تحریر فرمائے ہیں
پہلے دو ۲ میں اگرچہ خاص اولاد کو خطاب ہے مگر ان کا فائدہ عام ہے
تینوں وصیّت ناموں کا مجموعہ ایک مستقل رسالہ کی صورتمیں شائع
ہوچکا ہے جس کے سرورق پر یہ آیات تحریر ہیں

وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا ۙ وَّيَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَحۡتَسِبُ ؕ

وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ مِنۡ اَمۡرِهٖ يُسۡرًا ۝

وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرۡ عَنۡهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعۡظِمۡ لَهٗۤ اَجۡرًا ۝

حضرتِ والا نے ۱۷ ذی الحجہ ۱۴۰۶ھ کو چوتھا وصیّت نامہ بھی تحریر فرمایا جو انشاء اللہ تعالیٰ "انوار الرشید" میں شائع ہوگا۔

اب تینوں وصیّت نامے بالترتیب تحریر کئے جاتے ہیں ۔

(۱) عزیزہ اسماء سلمہا اللہ تعالیٰ کی تکمیل حفظِ قرآن کے موقع پر یہ وصیتیں کی گئیں

اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ ؕ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝

وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبۡرٰهٖمُ بَنِيۡهِ وَيَعۡقُوۡبُ ؕ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰى لَـكُمُ الدِّيۡنَ فَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ۝ اَمۡ كُنۡتُمۡ شُهَدَآءَ اِذۡ حَضَرَ يَعۡقُوۡبَ الۡمَوۡتُ ۙ اِذۡ قَالَ لِبَنِيۡهِ مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِىۡ ؕ قَالُوۡا نَعۡبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ وَّنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ ۝

پہلی آیت میں اس کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیٰ نبیّنا و علیہما الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اولاد کو مرتے دم تک اسلام پر قائم رہنے کی وصیّت فرمائی تھی ۔

اور دوسری آیت میں اس کا ذکر ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السّلام نے بوقتِ رحلت اپنی اولاد سے یہ عہد اور اقرار لیا تھا کہ میرے بعد صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتے رہو گے اور صرف اسی کے سامنے جھکو گے ۔

یہ خوب سمجھ لیں کہ اسلام یا اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف کلمہ طیّبہ پڑھ لینے یا نماز روزہ وغیرہ چند عبادات ادا کر لینے کا نام نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ پوری زندگی شریعت کے مطابق ہو اور بندہ اپنی سب خواہشات کو اللہ تعالیٰ کی رضا میں فنا کر دے ۔

پس میں بھی تمہیں یہی وصیّت کرتا ہوں کہ دین کی حفاظت کے لئے اُمورِ ذیل کا بہت اہتمام رکھیں ۔

(۱) اپنی اولاد کو اسکول اور کالج کی تعلیم سے اس طرح بچائیں جس طرح شیر یا بھیڑیئے سے بچایا جاتا ہے ۔

اس ماحول میں بچّوں کو بھیجنا ان کو اپنے ہاتھوں سے جہنم میں جھونکنا ہے، وہاں جاکر لاکھوں میں سے کسی ایک کا دین محفوظ رہ جائے تو یہ بطور خرقِ عادت ہوگا جو محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے، جیسے کسی کو خونخوار شیر کے منہ سے یا دہکتی ہوئی آگ سے اگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے بچالیا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عمداً شیر کے منہ میں جانے یا آگ میں کودنے کا کوئی جواز ہے۔ دنیوی تعلیم مضر نہیں، برا ماحول مہلک ہے۔

(۲) اپنی زندگی خدمتِ دین کے لئے وقف کردیں۔ دین کا جو کام بھی اللہ تعالیٰ لے لیں اسے بہت بڑا انعام سمجھیں اگرچہ لوگوں کی نظر میں وہ کام ذلت و حقارت ہی کا کیوں نہ ہو، عزّت و ذلّت صرف وہ معتبر ہے جو مالک کی نظر میں ہو ؎

اگر اک تو نہیں میرا تو کوئی شے نہیں میری
جو تو میرا تو سب میرا فلک میرا زمیں میری

خدمتِ دین کی صلاحیت رکھتے ہوئے اس سے کام نہ لینا نعمتِ الٰہیہ کی بے قدری و ناشکری ہے غرضیکہ دنیوی کام کا مشغلہ نہ بنائیں، اس کی وجہ سے تم خدمتِ دین سے محروم ہو جانے کے علاوہ بہت سے گناہوں میں بھی مبتلا ہو جاؤ گے، خدمتِ دین میں مشغول رہنا گناہوں سے حفاظت کے لئے بہت مضبوط قلعہ ہے۔

(۳) روزانہ بلاناغہ تلاوت کی پابندی رکھیں۔

(۴) مندرجہ ذیل گناہوں سے بچنے کا اہتمام رکھنے کی بتاکید وصیّت کرتا ہوں۔

(ا) کسی ایسی مجلس میں بیٹھنا جہاں کسی جاندار کی تصویر ہو یا تصویر لی جارہی ہو۔

(ب) کسی کا کوئی حق دبانا۔

(ج) بلا اجازت کسی کی کوئی چیز استعمال کرنا

(د) کسی کو تکلیف پہنچانا۔

(ہ) کسی پر بہتان لگانا۔

(و) کسی کی غیبت کرنا۔

(ز) غیبت سُننا۔

(ح) شرعی پردہ کا اہتمام نہ کرنا

(۵) یہ بھی وصیّت کرتا ہوں کہ تم اپنی اولاد کو بھی ان سب اُمور کی وصیّت کرکے مرنا، میں مسجد میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کو گواہ بناکر تمہیں اُمورِ بالا کی وصیت کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی حفاظت

میں دیتا ہوں، اَللّٰھُمَّ بَلَّغْتُ، اَللّٰھُمَّ بَلَّغْتُ، اَللّٰھُمَّ بَلَّغْتُ، اَللّٰھُمَّ وَاقِیَۃٌ کَوَاقِیَۃِ الْوَلِیْدِ ــــ فاطر السّمٰوٰت والارض انت ولیّ فی الدّنیا والاٰخرۃ توفنی مسلمًا والحقنی بالصّٰلحین ۰ واٰخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین والصّلوٰۃ والسّلام علٰی سیّد المرسلین وعلٰی اٰلہٖ وصحبہٖ اجمعین، اٰمین برحمتک یا ارحم الراحمین،

رشید احمد

دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی

۳ جمادی الآخرہ ۱۳۸۷ھ عشیۃ الجمعہ

(۲) بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ایک اہم وصیّت اولاد اور انکی ازواج کے نام

میرے عزیزو! چند روز سے تمہارے مستقبل کے بارے میں ایک اہم فکر میرے دماغ پر مسلّط ہے آج بتاریخ ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ بروز پنجشنبہ فجر کی نماز کے بعد جب میں قبلہ رُو ہوکر اپنے معمولات میں مشغول ہوا تو اللہ تعالیٰ نے قلب میں بڑی قوّت کے ساتھ یہ القاء فرمایا کہ اس بارے میں ایک وصیّت لکھوں، رمضان المبارک میں اشراق سے فارغ ہوکر دو گھنٹے سونے کا معمول ہے خیال تھا کہ اس معمول سے فارغ ہوکر وصیّت لکھوں گا مگر اللہ تعالیٰ نے اس خیال کو اس حد تک مسلّط فرما دیا کہ میں بمشکل آدھا گھنٹہ سو سکا اس کے بعد ہر چند سونے کی کوشش کی مگر نیند نہ آئی اور اُٹھ کر اس تحریر میں مشغول ہوگیا۔

میرے عزیز بیٹو اور بیٹیو! بچپن میں تمہارا آپس میں تعلّق اور محبّت میری نظر میں بڑی حد تک قابلِ اطمینان اور موجبِ مسرّت رہی ہے اور دوسروں کی نظر میں تو بہت ہی باعثِ رشک اور لائقِ ستائش وتحسین اور قابلِ مبارک باد اور عام زبان زد، اب ماشاء اللہ تم سب جوان ہوگئے ہو۔ بعض کی شادی ہوگئی اور بعض کی ہونے والی ہے، اب تمہارے تعلقاتِ محبت پر بہت بڑے ابتلاء وامتحان کا وقت آرہا ہے، بیوی بچّوں اور مال ومنصب کی غلط محبّت میں پھنس کر بڑے بڑے عقلاء اور شہسوار بھی اوندھے گر جاتے ہیں اور گردنیں تڑوا بیٹھتے ہیں، علاوہ ازیں ایک جگہ قیام وطعام اور ان سے متعلق کام کاج بھی بسا اوقات اختلاف کا سبب بن جاتا ہے۔

اس لئے میں تمہیں بتاکید وصیّت کرتا ہوں کہ آپس میں محبت کے نازک رشتے کو کسی قیمت

پر بھی ٹوٹنے نہ دیں۔ اس نازک ترین رشتے اور بہت قیمتی سرمایہ کی حفاظت کے لئے تمام خواہشات اور مال و منصب بھی قربان کرنا پڑے تو اس سے بھی ہرگز دریغ نہ کریں، آپس میں اتفاق اور محبت سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی نعمتوں کے علاوہ دنیا میں بھی راحت، سکون، مسرت، برکت اور عزت و مال میں ترقی ہوتی ہے، اس کے برعکس اختلاف خالق کی ناراضی اور آخرت کی بربادی کے علاوہ دنیا میں بھی پریشانی، ذلّت، فقر و فاقہ اور تباہی کا باعث بنتا ہے۔ اب میں مختصراً اسبابِ اختلاف و اسبابِ محبت بیان کرتا ہوں تاکہ اوّل سے اجتناب اور دوم سے اقتراب کا اہتمام کیا جائے۔

اسبابِ اختلاف

(۱) گناہوں سے نہ بچنا اور گناہ ہوجائے تو فوراً توبہ نہ کرنا۔ اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوجاتے ہیں اور ایسے لوگوں پر اختلاف کا عذاب مسلّط فرما دیتے ہیں۔ (۲) حُبِّ مال (۳) حُبِّ جاہ۔ ان دونوں کی وجہ سے آپس میں اختلاف، فتنہ و فساد، قتل و غارت، تباہی و بربادی کا ہم شب و روز مشاہدہ کررہے ہیں (۴) غیبت، عیب جوئی اور مذاق اُڑانا (۵) روکھا پن، ترشروئی اور زبان درازی (۶) مشترک کام کاج سے جی چُرانا (۷) کھانے پینے، پہننے اور آرام و راحت میں اپنے نفس کو ترجیح دینا۔

اسبابِ محبّت

(۱) تقویٰ، یعنی گناہ سے بچنے کا اہتمام کرنا اور کوئی گناہ ہوجائے تو فوراً توبہ کرلینا، اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے اور ان کی رحمت آپس میں محبت اور پُرکیف زندگی کی صورت میں نمودار ہوتی ہے۔ (۲) حُبِّ مال کا علاج (۳) حُبِّ جاہ کا علاج، ان دونوں خطرناک اور دنیا و آخرت دونوں کے لئے تباہ کن امراض کا علاج اہل اللہ کی صحبت اور یہ میسّر نہ ہو تو ان کے ملفوظات اور مراقبۂ موت سے کیا جائے (۴) ایک دوسرے کے قول و فعل اور اشیاء کی تحسین اور غائبانہ تعریف کی جائے (۵) آپس میں تبکلف محبّت کا اظہار کیا جائے اور بتایا جائے کہ مجھے آپ کے ساتھ محبت ہے۔ یہ محبت بڑھانے کا بہت ہی اکسیر نسخہ ہے (۶) مشترک کام میں سب سے زیادہ حصّہ لینے اور دوسروں کی خدمت کرنے کی کوشش کی جائے (۷) کھانے، پینے، پہننے اور آرام و راحت میں ایثار سے کام لیا جائے، یعنی دوسروں کو اپنے نفس پر ترجیح دی جائے (۸) اگر کسی سے کوئی شکایت ہو تو اسے دل میں نہ رکھیں۔ اس سے نرمی اور محبت سے کہہ دیں (۹) ایک

دوسرے کے لئے دعا کی جائے (۱۰) اللہ تعالیٰ سے آپس میں محبت کی دُعا اور اختلاف کے عذاب سے پناہ مانگتے رہیں۔ فقط واللہ المستعان وعلیہ التکلان

رشید احمد
مقیم دار الافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی
۱۳ ر رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ

(۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما حق امرأ مسلم له شیء یرید ان یوصی فیه یبیت لیلتین الا و وصیته مکتوبة عنده (متفق علیہ)

"کسی مسلمان کو یہ حق نہیں کہ کسی چیز کی وصیت کرنا اس پر ضروری ہو پھر وہ دو راتیں بھی اس طرح گزارے کہ اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی نہ ہو۔"

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مات علیٰ وصیة مات علیٰ سبیل و سنة ومات علیٰ تقیٰ وشهادة ومات مغفوراً له (ابن ماجہ)

"جو شخص وصیت کرکے مرا وہ صراطِ مستقیم اور طریقِ سنّت پر مرا اور تقویٰ و شہادت پر مرا اور مغفرت کی حالت میں مرا۔"

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ اگر کسی کے ذمہ کوئی حق واجب ہے تو اس پر اس کی وصیت لکھنا ضروری ہے اور اگر کوئی حق اسکے ذمہ نہیں تو بھی وصیت کرنا مغفرت اور بڑے اجر و ثواب کا باعث ہے۔ لہٰذا میں اُمورِ ذیل کی وصیت کرتا ہوں۔

(۱) اوصی نفسی وایاکم بتقوی اللہ "میں اپنے نفس کو اور تمہیں بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں" یہ دولت کسی اللہ والے کی صحبت کے سوا حاصل نہیں ہوتی لہٰذا کسی ایسی شخصیت کی صحبت کو لازم پکڑیں جس کے پاس بیٹھنے سے دُنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی فکر پیدا ہو۔ اگر ایسی مجلس میسّر نہ آئے تو اہل اللہ کی کتابوں کے مطالعہ کا روزانہ بلاناغہ معمول بنالیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا استحضار کرکے شکر ادا کرنے کا معمول بنالیں۔ اس عاجز کو جو کچھ حاصل ہوا شکرِ نعمت کی بدولت ہوا۔

(۳) اللہ تعالیٰ کا اس عاجز بندے پر یہ بہت بڑا کرم ہے کہ کسی کا کوئی مالی حق اس بندہ کے ذمہ واجب نہیں، آئندہ کے لئے بھی ربّ کریم سے حفاظت کی اُمید ہے، البتہ جسمانی حقوق ہیں

ابتلاء کے مواقع پیش آتے رہتے ہیں، اپنی اولاد اور طلبہ کو بغرض اصلاح اور بعض غیر متعلق لوگوں کو بھی حمیتِ دینی کے باعث زجر و توبیخ اور بعض مرتبہ جسمانی سزا کی بھی نوبت آئی، چونکہ ان مواقع میں ضرورت سے زیادہ شدّت یا نفس کی آمیزش کا احتمال ہے اس لئے مَیں ان سب حضرات سے نہایت عاجزی اور لجاجت سے درخواست کرتا ہوں کہ للہ مجھے دل سے معاف فرما دیں، اللہ تعالیٰ ان کی خطاؤں اور گناہوں سے درگزر فرمائیں گے، یہ معاف کرنا انشاء اللہ تعالیٰ ان کے لئے بھی مفید اور بڑے اجر و ثواب کا باعث ہوگا۔ درگزر اور معاف کرنے کے بڑے فضائل آئے ہیں اور معذرت کرنے والے کو معاف نہ کرنے پر سخت وعیدیں آئی ہیں۔ محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، "جس شخص سے اس کا بھائی معذرت کرے اور وہ اس کو قبول نہ کرے وہ میرے پاس حوضِ کوثر پر نہ آنے پائیگا۔" (ترغیب و ترھیب)

ایک حدیث میں ہے، "جو شخص اپنے مسلمان بھائی سے معذرت کرے اور وہ اس کو قبول نہ کرے اس پر ایسا گناہ ہوگا جیسا ظلماً محصول وصول کرنے والے پر ہوتا ہے۔" (ابن ماجہ) اور ظلماً محصول لینے والے کے بارے میں یہ وعید ہے، "اللہ تعالیٰ (بروزِ قیامت) اپنی مخلوق سے (بلحاظ رحمت و مغفرت) قریب ہونگے پس زانی اور (ظلماً) محصول لینے والے کے سوا جس کی چاہیں گے مغفرت فرمائیں گے۔" (طبرانی)

دوسری روایت میں ہے، "(ظلماً) محصول وصول کرنیوالا جنت میں داخل نہ ہوگا۔" (ابوداؤد، ابن خزیمہ، حاکم)

میرا کئی سال سے یہ معمول ہے کہ ہر اُس شخص کے لئے جس کو مجھ سے کبھی کسی قسم کی کوئی تکلیف پہنچی ہو، روزانہ بلاناغہ دعاءِ مغفرت کرتا ہوں اور اپنے تمام نیک اعمال کا ثواب بخشتا ہوں اور مزید برآں تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر بھی ایصالِ ثواب کرتا ہوں، مجھ پر ظلم کرنے والوں کے بارے میں بھی میرا یہی معمول ہے۔

(۴) وصیت کے باب میں میرے نزدیک دار الافتاء والارشاد کا معاملہ بہت اہم ہے، میں اب تک یہ فیصلہ نہیں کرسکا کہ دار الافتاء والارشاد کے نظم سے متعلق اپنا وصیّ کسے مقرر کردوں، اگر آئندہ کوئی قابلِ اطمینان صورت ظاہر ہوئی تو اس کے مطابق وصیت کردوں گا ورنہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں وھو حسبی و نعم الوکیل۔

۵) میں اپنے تمام متعلقین کو اور بالخصوص اولاد کو اس کی وصیّت کرتا ہوں کہ کبھی بھی قرض کا لین دین ہرگز نہ کریں، نہ اپنی ذات کے لئے اور نہ ہی کسی دینی کام کے لئے، اپنی تمام تر

حاجات کو صرف اپنے مالک کے سامنے پیش کیا کریں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض سے پناہ مانگی ہے اور استعاذہ (پناہ مانگنے) میں مغرم و ماثم (قرض اور گناہ) کو ایک ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ قرض لینے میں عزت اور دین دونوں کا نقصان ہے۔ قرض دینا اگرچہ بہت بڑا ثواب ہے مگر اس زمانے میں لوگوں کی بدمعاملگی کی وجہ سے آپس میں عداوت اور منافرت کا باعث بنجاتا ہے اسلئے اس سے بھی احتراز لازم ہے بحمد اللہ تعالیٰ میں نے آج تک کبھی بھی کسی سے اپنی ذات کے لئے یا کسی دینی کام کے لئے قرض نہیں لیا، مجھے اپنے رب کریم کی رحمت سے یقین ہے کہ وہ آیندہ بھی حفاظت فرمائیں گے، سفر میں کوئی ساتھ ہوتا ہے تو مصارفِ سفر کا اندازہ کرکے اس سے بھی کافی زیادہ رقم اس کے حوالہ کردیتا ہوں، سفر ختم ہونے پر وہ حساب کرکے بقیہ رقم مجھے واپس کردیتا ہے، میں حساب نہیں کرتا۔ البتہ کئی لوگوں کو قرض دیا انمیں سے کسی نے بھی بطیبِ خاطر واپس نہیں کیا اکثر کو تو معاف ہی کرنا پڑا اور ہمیشہ آپس میں ناگواری کا سبب بنا۔

(۶) کچھ امانت رکھنے کا معاملہ کریں تو اشیاء کی پوری تفصیل اور رقم کی مقدار لکھ کر اسپر مالک دستخط کرے محض حافظہ پر اعتماد کرنا بسا اوقات غلط فہمی اور بدگمانی کا باعث بن جاتا ہے۔

(۷) کوئی رقم کسی خاص مد کی ہو تو جتنی جلدی ہوسکے اس پر یادداشت لکھ دیں، اسی طرح کوئی صاحب آپ کو کوئی چیز یا کچھ رقم بطور امانت دیں اگرچہ تھوڑی دیر ہی کے لئے ہو اسپر بھی جتنی جلدی ممکن ہو مالک کا نام اور رقم کی مقدار لکھ لیں نہ معلوم کب وقت آجائے، موت کے لئے ہر وقت سب معاملات سے فارغ رہنا لازم ہے۔

(۸) میں نے قبل ازیں ایک وصیت نامہ ۳ جمادی الآخرہ ۱۳۸۷ھ میں عزیزہ اسماء کے حفظِ قرآن کی تکمیل کے موقع پر اہتمامِ اعمال سے متعلق لکھا تھا پھر ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ میں آپسمیں محبت اور اسبابِ اختلاف و اسبابِ محبت پر مشتمل دوسرا وصیت نامہ لکھا ان دونوں وصیت ناموں کے مطابق عمل کرنے کی اب پھر وصیت کرتا ہوں۔

(۹) مجھے کسی حال میں بھی ہسپتال میں ہرگز داخل نہ کریں اور اتنا مشورہ تو سب کو دیتا ہوں کہ جب مریض کی حالت مایوس کن ہو تو اسے ہسپتال نہ لے جائیں۔

(۱۰) جس شہر یا گاؤں میں میرا انتقال ہو مجھے وہیں کے عام قبرستان میں دفن کیا جائے کسی دوسرے مقام کی طرف منتقل نہ کیا جائے اور نہ ہی میرے لئے عام قبرستان سے الگ کوئی جگہ منتخب کی جائے۔

(۱۱) میت کو غسل دیتے وقت جو کپڑا ناف سے زانو تک ڈالا جاتا ہے، وہ تر ہونیکے بعد جسم کے ساتھ

چیک جاتا ہے جس سے جسم کی رنگت اور حجم نظر آنے لگتا ہے اس لئے مجھے غسل دیتے وقت ناف سے زانو تک کے حصہ پر کوئی چارپائی وغیرہ رکھ کر اس کے اوپر چادر ڈالدی جائے یا چارپائی کے بجائے چادر کو دونوں طرف سے دو آدمی پکڑ کر جسم سے ذرا اونچی کھینچکر رکھیں۔

(۱۲) میرے جنازے میں شرکت کے لئے کسی قریب سے قریب رشتہ دار یا کسی بڑے سے بڑے بزرگ یا زیادہ لوگوں کے اجتماع کا انتظار نہ کیا جائے بلکہ وقت پر جتنے افراد بھی موجود ہوں وہ نماز جنازہ پڑھ کر جلد از جلد قبرستان پہنچانے کی کوشش کریں، سنت کے مطابق چند افراد کے نماز جنازہ پڑھنے پر اللہ تعالیٰ کی جو رحمت متوجہ ہوتی ہے وہ خلافِ سنت ہزاروں کے مجمع پر بھی نہیں ہوتی۔

(۱۳) منہ دکھائی کی رسم بہت بُری ہے اس میں شرعاً بھی کئی قباحتیں ہیں اسلئے اس رسم سے احتراز کی تاکید کرتا ہوں

(۱۴) مجھے قبر میں سُنت کے مطابق ٹھیک داہنی کروٹ پر قبلہ رُخ لٹایا جائے، میّت کو سیدھا لٹاکر صرف چہرہ قبلہ کیطرف کر دینے کا دستور غلط ہے۔

(۱۵) میرے ایصالِ ثواب کے لئے اجتماع نہ کیا جائے، ہر شخص اپنے اپنے مقام پر حسبِ توفیق ایصالِ ثواب کرتا ہے مالی عبادت کا ثواب پہنچانا چاہے تو حسبِ توفیق رقم کسی کارِ خیر میں لگادے یا کسی مسکین کی مدد کردے اللہ تعالیٰ کے ہاں سُنت کیمطابق تھوڑا سا عمل بھی خلافِ سنت بہت بڑے اعمال سے بدرجہا بہتر ہے۔

(۱۶) میرے لئے ابھی سے روزانہ مغفرت اور رضائے الٰہی کی دُعا اور ایصالِ ثواب کا معمول بنالیں، کم از کم تین بار قل ہو اللہ ہی پڑھ کر بخشدیا کریں، انشاء اللہ تعالیٰ یہ عمل خود پڑھنے والوں کے لئے بھی بہت نافع ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہماری حیات و موت، تجہیز و تکفین، نماز جنازہ، دفن، تعزیت اور ایصالِ ثواب وغیرہ سب معاملات اپنی مرضی کے مطابق اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کیمطابق مقدر فرمائیں، آمین

انی وجھت وجھی للذی فطر السمٰوٰت والارض حنیفا وما انا من المشرکین ○ ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العٰلمین ○ لا شریك له وبذلك امرت وانا من المسلمین ○

رشید احمد

مقیم[1] دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی، ۱۹ رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ

نوٹ: جیساکہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے، ہوسکتا ہے کہ اہلِ ذوق کو بہت سی چیزیں اس مختصر مضمون میں تشنۂ تحریر نظر آئیں جن سے ان کی پیاس کی تڑپ اور فروزاں ہو، —— وہ "انوار الرّشید" کے چھپنے کا انتظار فرمائیں، فقط وَاللہُ الْمُسْتَعَانُ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ، احتشام الحق آسیا آبادی ۲۳-۷-۹۶ھ

---

[1] "مقیم دارالافتاء والارشاد" لکھنے کا معمول اسلئے ہے کہ دنیا میں جہاں بھی رہیں بہر حال قیام عارضی ہی ہے وطن تو آخرت ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کا استحضار اور وطن کا شوق عطا فرمائیں، آمین

تمہید

(طبع جدید)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی جعل العلم نورا یھتدی بہ فی ظلمات الجھل واختلاف الاٰراء واوضح سبیلہ الصراط المستقیم لمن اتقی وان اضطربت فیہ الاھواء وجعل فی کل زمان رجالا علی الحق ادلاء تیسیرًا للاھتداء وجعل منھم ائمۃ ومجددین خاشعین للہ علماء۔ والصلوٰۃ والسلام علی افضل المرسلین وخاتم الانبیاء وعلی اٰلہ وصحبہ الاتقیاء ومن حذا حذوھم من العلماء والاولیاء صلوٰۃً وسلامًا دائمین ما طلع القمران والنجوم فی الغبراء، امّا بعد۔

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو وجود بخشا تو اس میں اشرف المخلوقات حضرت انسان کو بسا کر اسے مزید شرف عطا فرمایا لیکن انسان کو خود اپنی ذات میں اشرف واعلیٰ نہیں بنایا بلکہ ایک خارجی چیز ایمان واسلام کی نعمت سے مالا مال کیا اور یہی نعمت دوسری عام مخلوق پر اس کے شرف ومزیت کا موجب بنی۔

چنانچہ وقتاً فوقتاً اللہ تعالیٰ کی جانب سے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لاتے رہے اور بندگانِ خدا کو ایمان واسلام کی حقیقت سمجھاتے رہے، ہدایت کا یہ سرچشمہ انبیاء اور رسولوں کے وجود مبارک سے پھوٹتا ہوا انسانوں کے ایمان کی کھیتی کو سیراب کرتا رہا، بالآخر یہ منبع ہدایت سرکارِ دوعالم فخرِ موجودات خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ کر اپنی انتہا کو پہنچا جس طرح آپ کی ذات گرامی کو بیچ سے ہٹا کر ہدایت کا حصول ناممکن ہے اسی طرح رشد وہدایت کی انتہا بھی آپ کی لائی ہوئی کتاب وسُنّت پر ہوتی ہے، یہی فیض نبوّت کا وہ چشمہ ہے جس کے بارے میں ارشاد ہے:۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترکتُ فیکم شیئین لن تضلوا بعدھما کتاب اللہ وسُنّتی

(مستدرک حاکم)

میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں ان کے بعد تم گمراہ نہ ہوگے، کتاب اللہ اور اپنی سنت۔

(حاکم)

دوسرے الفاظ میں اس کی تعبیر یوں ہو سکتی ہے کہ محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت کے طالبین کو جو پیغام رحمت دیا وہ صراطِ مستقیم ہے، یہ وہی صراطِ مستقیم ہے جس کو پروردگارِ عالم نے صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یعنی منعم علیہم بندوں کا طریق فرمایا ہے۔ معلوم ہوا کہ کتاب و سنّت کی وہی تعبیر و تشریح صراطِ مستقیم پر لے جانے والی ہے جو منعَم علیہم بندوں، صحابہ و تابعین و سلفِ صالحین اور ائمہ مجتہدین کی بیان کی ہوئی ہو، کتاب و سنّت کی یہی تعبیر و تشریح جس کو صراطِ مستقیم کہا گیا، اسی کا دوسرا نام "فقہ" ہے۔ فقہ ہی وہ علم ہے، جو انسانوں کے لئے منضبط طور پر ایک مکمّل ضابطۂ حیات اور لائحۂ عمل پیش کرتی ہے۔

ان سرچشمہائے ہدایت میں اگرچہ جزئیات سے بھی کافی بحث کی گئی ہے، لیکن کلّیات جو ایک جامع شریعت کی روح ہوتی ہیں، انہیں کتاب و سنّت اور فقہ میں بہت اہمیت دی گئی ہے، لیکن ظاہر ہے ان کلّیات کو جزئیات پر منطبق کرنا ہر زید، عمر و بکر کا کام نہیں، خصوصًا اس دورِ ترقی میں جب کہ انسان زہرہ و قمر پر کمندیں ڈال رہا ہے، ہر آئے دن ایسی ایجادات ہوتی رہتی ہیں، جن کے متعلق سلف کی تحریروں میں کوئی صریح حکم دستیاب نہیں ہوتا، آج کے ہر انسان کو ان ایجادات خصوصًا ڈاکٹری طریقہائے علاج وغیرہ سے تو روزمرہ سابقہ پڑتا ہے اور ایک مسلمان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ شریعتِ مطہرہ کا حکم معلوم کر کے اپنے روزمرہ کے معمولات کو ان کے سانچہ میں ڈھالا جائے، لیکن یہ معلومات کہاں سے حاصل کی جائیں؟

اس لئے ہر دور کے ماہرین علوم دینیہ علماء ربّانیین نے اپنے اپنے دور کے نئے مسائل کی طرف اپنی توجہ مبذول فرما کر امّت کے سامنے ان کا حل پیش فرمایا ہے، لیکن اس کے باوجود آج کل کچھ ایسے عجیب و غریب مسائل پیدا ہو گئے ہیں، جن کو دیکھ کر ایک عام انسان ششدر رہ جاتا ہے کہ ان مشکلات کا حل کہاں ملے گا؟ جن میں سے کچھ تو نئی ایجادات اور ڈاکٹری طریقِ علاج میں ترقی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں اور کچھ عوام کی جہالت اور نئے تعلیم یافتہ طبقہ کی مرعوب ذہنیت اور خود ساختہ پیغمبروں اور مجتہدوں کی پیداوار،

علاوہ ازیں بعض ایسے اہم مسائل بھی ہیں جنہیں حکومتی سطح سے بنکوں اور دوسرے ذرائع سے پروان چڑھایا جا رہا ہے غرضیکہ تقریبًا تیرہویں صدی کے وسط سے لے کر آج تک چاروں طرف ایسے مسائل پیدا ہوتے جا رہے ہیں جن کے سیلاب نے عوام کو بھی اپنی رو میں بہا دیا ہے، بلاشبہہ علماء کرام اور اہلِ فتویٰ حضرات نے ایسے نئے پیدا شدہ مسائل پر سیر حاصل بحثیں کی ہیں اور ان پر گراں قدر تحقیقات کر کے ان کا حل تلاش کیا ہے، لیکن ان فتووں سے صرف وہ لوگ مستفید ہو سکتے ہیں جنہوں نے ان مسائل کا حل زبانی یا لکھ کر دریافت کیا ہے۔ مگر ذرائع نشر و اشاعت کے مسدود یا محدود ہونے کی وجہ سے یہ تحقیقات کاغذوں کے صفحات اور لاتعداد رجسٹروں کے اوراق کی زینت ہیں اور بس،

جن سے ہر کس و ناکس تو کیا استفادہ کرتا جن کی عمریں اس میدانِ تحقیق میں کھپ گئی ہیں، ان کے لئے بھی بر وقت اپنے لکھے ہوئے کسی مسئلہ کو اتنے بڑے ذخیرہ سے تلاش کرنا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے، حالانکہ ان میں سے ایک سے ایک مسئلہ ایسی اہمیت کا حامل ہے کہ جس قدر ہو سکے ان کی اشاعت کر کے ضرورت مندوں تک پہنچا دیا جائے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ خزانۂ علم کے دفاتر زبانِ حال سے اپنے قدر دانوں اور ضرورت مندوں کو دعوتِ عمل دے رہے ہیں فیا اسفًا علی سدّ الذرائع۔

انہی متبحّرین علماء کرام میں جنہوں نے اپنی عمریں علوم اسلامیہ کی خدمت، خصوصًا مسائل و نوازل کی تحقیق و تفتیش میں گذاری ہیں، میرے مربّی و محسن فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی دامت فیوضہم ہیں، آپ نے چونتیس برس فتوی نویسی میں گزارے ہیں، اور ہنوز فتوی نویسی میں محنتِ شاقہ اور غور و فکر روز افزوں کی طرح جاری ہے۔

۱۳۶۲ھ سے آپ کی فتوی نویسی کا آغاز ہوا، آپ کے تعمقِ نظر و قوتِ استدلال کی وجہ سے اکثر علماء کے درمیان نزاعی مسائل فیصلہ کے لئے آپ کے پاس آتے تھے، ۱۳۷۹ھ میں آپ کے ابتدائی دور کے فتاوی کا انتخاب بنام "احسن الفتاوی کامل مبوّب" شائع ہوا، جس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ شاید کسی دینی ادارہ کا دار المطالعہ اس سے خالی نہ ہوگا، اکابر علماء بھی اس سے استفادہ بلکہ استناد کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا منتخب مجموعہ کی اشاعت کے بعد آپ نے جتنے فتاوی جاری فرمائے ہیں، ان سب کی تعداد تو بہت کثیر ہے، اس لئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ حضرت والا کے مختلف رسائل اور زیادہ اہم فتاوی کا انتخاب کر لیا جائے، فرائض کی تخریجات، غیر اہم مسائل اور مکررات کو چھوڑ دیا جائے۔

اس سے قبل احسن الفتاوی مکمل کے نام سے جو کتاب معروف ہے اسے بھی اس مجموعہ میں شامل کر لیا گیا ہے تاریخ تحریر سے قدیم اور جدید فتاوی میں امتیاز کیا جا سکتا ہے، رمضان ۱۳۸۲ھ سے جدید سلسلہ کا آغاز ہوا ہے۔

اس مجموعہ کی خصوصیات

حضرت مفتی صاحب مدظلہم کے مجموعہ فتاوی و رسائل میں سے اس مجموعہ کی ترتیب میں مندرجہ ذیل خصوصیات کو سامنے رکھ کر رسائل و مضامین کا انتخاب کیا گیا ہے کہ:-

(۱) —— اس مجموعہ میں صرف فقہی رسائل و مضامین اور فتاوی شامل کئے گئے ہیں۔

(۲) —— فقہی رسائل و فتاوی کے انتخاب میں ان باتوں کا خیال رکھا گیا ہے:-

(الف) وہ فتاوی و رسائل لئے گئے ہیں جو موجودہ زمانے کی ضرورتوں اور مسائل کی احتیاج کو پورا کریں۔

(ب) ایسے مسائل جو تحقیق طلب تھے مگر عام طور پر ان کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔

(ج) وہ مسائل جو عربی فتاوی میں تو موجود ہیں مگر اردو فتاوی میں ان کا ذکر نہیں کیا گیا، یا اختصارِ مخل کے ساتھ ان کا ذکر آیا ہے۔

(د) ایسے رسائل جو اب تک طبع نہیں ہوئے، یا طبع تو ہوئے ہیں مگر ضخامت کم ہونے کی وجہ سے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔

(۳) ــــ مسائل اکثر تحقیقی اور اصطلاحی زبان میں لکھے گئے ہیں تاکہ علماء و محققین حضرات ان سے کما حقہ استفادہ کر سکیں۔

(۴) ــــ بعض رسائل و فتاوی آسان زبان میں ہیں اور جن میں عربی کتابوں کی عبارتیں زیادہ ہیں ان میں اس مسئلہ کا خلاصہ بحث کے شروع یا آخر میں درج کر دیا گیا ہے تاکہ عوام بھی مسئلہ کی نوعیت سے واقف ہو سکیں۔ البتہ عربی عبارات و دلائل کی عوام کو ضرورت ہی نہیں، اس لئے ان کے ترجمے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، نیز یہ تطویل کا باعث بھی ہے جس سے بچنا ضروری تھا۔

(۵) ــــ احسن الفتاوی کی ترتیب دوسرے فتاوی کی طرح فقہی رکھی گئی ہے۔

(۶) ــــ ان فتاوی میں سے بیشتر حصہ دار الافتاء والارشاد کے شعبۂ تمرینِ افتاء میں کام کرنے والے مختلف علماء کا تحریر کردہ ہے مگر چونکہ ہر مسئلہ حضرت اقدس نے اپنی خاص نگرانی میں اور خصوصی ہدایات کے تحت لکھوا کر اس پر تصدیق فرمائی ہے اس لئے ہر مسئلہ میں تحقیق حضرت اقدس ہی کی ہے، اگرچہ تحریر مختلف حضرات کی ہے۔

(۷) ــــ ان تمام مسائل و رسائل پر حضرت اقدس نے چھپنے سے پہلے نظرِ ثانی فرمائی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مجموعہ کو عوام و خواص کی رہنمائی کا ذریعہ بنائیں وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔

و اٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین

احتشام الحق آسیا آبادی عفا اللہ عنہ

دار الافتاء والارشاد کراچی

۵ ربیع الاول ۱۳۹۶ھ

مطابق ۷ مارچ ۱۹۷۶ء

تقدمہ

(اشاعتِ اوّل)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ویسے تو سنہ ۱۳۶۲ھ ہی سے بندہ کو تحریرِ افتاء کے مواقع پیش آتے رہے، مگر سنہ ۱۳۶۶ھ سے اللہ تعالیٰ نے دارالافتاء کی مکمّل ذمہ داری اور مستقل طور پر خدمتِ افتاء کی نعمت سے نوازا لیکن افسوس کہ سنہ ۱۳۷۰ھ تک محرّرہ فتاوی کے جمع اور ضبط کا کوئی انتظام نہ ہوسکا (اِلّا نادرًا) سنہ ۱۳۷۱ھ سے منعمِ حقیقی نے اس کی بھی توفیق عنایت فرمادی، کثرتِ مشاغل کی وجہ سے ہر فتوی کو خود نقل کرنے کی فرصت نہ تھی کسی دوسرے کی نقل پر اعتماد نہ تھا۔ اس لئے بطورِ یادداشت نمبر تو ہر مسئلہ کا درج کردیا گیا، مگر مضمون کی نقل میں مکرّرات (اِلّا نادرًا لفائدۃ) اور فرائض کی تخریجات (جن میں مناسخہ کی طویل تخریجات کا بہت بڑا حصّہ ہے) کو ترک کردیا۔ سنہ ۱۳۷۶ھ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد دارالعلوم کراچی میں منتقل ہونے پر چونکہ دارالافتاء کی مستقل ذمہ داری نہ رہی اور کثرتِ مشاغل میں مزید اضافہ ہوگیا۔ اس لئے اس اثناء میں جن مسائل کی تحریر کی نوبت آئی ان میں سے بیشتر کے ضبط کی ہمت نہ ہوئی (اِلّا ماشاء اللہ)

پس سنہ ۱۳۷۱ھ سے لے کر سنہ ۱۳۷۶ھ تک پانچ سال کے فتاوی کی کل تعداد تو ۲۰۲۵ تھی۔ مگر ان میں سے محفوظ صرف ۱۴۵۱ تھے جن میں سے بعض مدّتِ مذکورہ سے قبل یا بعد کے بھی ہیں۔ مگر بہت کم بلکہ کالعدم ہیں۔ نامساعد حالات میں اس مجموعہ کی تبویب اور طباعت واشاعت کی قادرِ مطلق نے توفیق عنایت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ اس محنت کو شرفِ قبول بخشیں اور اس عاجز کے لئے ذریعۂ نجات بنائیں، اور سراپا ظلوم وجہول ومجسّمۂ سیّات ومعاصی کے عیوب ظاہرہ وباطنہ کو جیسے دنیا میں محض اپنی کرم نوازی سے اہلِ دنیا کی آنکھوں سے مستور کر رکھا ہے، ایسے ہی آخرت میں بھی ستر رحمت سے مغفور فرمائیں اللّٰھمّ اجعل سریرتی خیرا من علانیتی واٰخرتی خیرا من دنیای آمین برحمتک یا ارحم الرّاحمین وبحق سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

وانا العبد

رشید احمد

۲۳۔ جمادی الآخرہ سنہ ۱۳۷۹ھ، یوم الخمیس

۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الایمان والعقائد!

کسی شخص کا یہ کہنا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرض نماز معاف کردی ہے

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین وشرع متین ایسے شخص کے متعلق جس کا عقیدہ اور بیانات، حسب مندرجہ ذیل ہوں:

عرض ہے کہ ڈاکٹر عسکری صاحب جو کہ اپنے آپ کو ڈاکٹر اور سید بھی بتلاتے ہیں، مقام نودیرو ضلع لاڑکانہ میں آباد ہوئے ہیں۔ ان کے متعلق ایڈیٹر اخبار رہبر سندھ نے بہت کچھ لکھا۔ بعدہٗ عسکری صاحب نے معافی مانگ کر ان سے چھٹکارا حاصل کیا۔ ڈاکٹر عسکری صاحب کا عقیدہ اور بیانات حسب ذیل ہیں:

ڈاکٹر عسکری صاحب مذکور نے مسمیان صوفی عبدالستار صاحب و محمد حسن صاحب و احتشام الدین صاحب سابق اسٹیشن ماسٹر نودیرو، و تیغ علی خاں و سید رشید الدین احمد صاحب پوسٹ ماسٹر نودیرو ضلع لاڑکانہ سندھ کے روبرو بیشتر مرتبہ حسب ذیل بیان کیا کہ:

① ــــ پیغمبر اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے فرمایا ہے کہ نماز پڑھنے سے آزاد ہے۔

② ــــ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت خواجہ غریب نواز صاحب اور حضرت خواجہ قطب الدین صاحب اور حضرت خواجہ فرید الدین شکر گنج صاحب اور حضرت خواجہ نظام الدین صاحب میرے مکان نودیرو میں تشریف لائے اور میرے عالم بیداری میں مجھ سے بات چیت ہوئی۔ بزرگان موصوفین نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ہم سب تمہارے یہاں تین یوم قیام کریں گے۔ چنانچہ تین یوم تک مذکورہ بالا لوگوں میں سے بجز صوفی عبدالستار صاحب بقیہ مذکورہ چار اشخاص کو تین روز دعوتیں کھلائیں۔

③ ــــ ایک روز بیان کیا کہ آج جنابہ سیدہ حضرت فاطمۃ الزہراء میرے گھر تشریف لائیں اور میں جاگ اٹھا۔ مگر کمر سے نیچے میرا جسم بالکل مفلوج ہوگیا تھا، اٹھ نہیں سکتا تھا۔ میں بیدار تھا اور دیکھ رہا تھا۔ لمّاں لمّاں

کہہ رہا تھا۔

④ —— ایک دن بیان کیا کہ آج شب میں حضرت سیدہ سکینہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے مکان پر تشریف لائیں اور مجھے عالمِ بیداری میں زیارت ہوئی۔

⑤ —— ایک دفعہ بیان کیا کہ آج شب میں حضرت خواجہ غریب نواز تشریف لائے ہیں اور مجھ سے مُسلّم بکرا پکوانے کی فرمائش کی اور پکانے کی خاص ترکیب بھی بتلائی ہے۔ چنانچہ ایک دن کا بچہ بکری کا پکوا کر کھلایا۔ اس کھانے کے بعد بعض کو قے بھی ہوئی۔

⑥ —— بیان کیا کہ میں ایک روز دھلی میں پیدل تیز رفتار جا رہا تھا۔ راستہ میں ایک بزرگ صاحب کا مزار تھا۔ جب کہ میں کچھ مزار سے دور بڑھ گیا تو صاحبِ مزار نے آواز دے کر فرمایا کہ اب نہیں آتے ہو میں لوٹ پڑا اور مزار پر حاضر ہوا۔ دیکھا کہ صاحبِ مزار مسکرا رہے ہیں۔ مجھ سے بات چیت ہوئی اور پھر میں چلا آیا۔ یہ بھی دعویٰ کیا کہ میں نے اہلِ قبور سے باتیں کی ہیں۔ جب اس قسم کے روزانہ قصے بیان کرنے لگے تو اشخاص مندرجہ بالا میں سے کچھ نے عسکری صاحب مذکور سے کہا کہ اس قسم کے قصے بیان کرنا بند کر دیجئے۔ یہ قوت اللہ پاک نے نبیوں کو عطا فرمائی ہے۔ آپ کے بیانات سے توہین بزرگانِ دین اور حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر حملہ اور بہتان ہے۔ اس سے ہماری دل آزاری ہوتی ہے۔ جواب میں فرمایا کہ میری اپنی قبر اور میری اپنی صلیب میں نے روپیہ خرچ کر کے یہ حاصل کیا ہے۔ مجھ کو کسی سے کچھ نہیں لینا ہے۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

مندرجہ سوال عقائد رکھنے والا شخص زندیق ہے، نماز وغیرہ ظاہری احکام کا انکار کفر ہے۔ ایسے شخص کا معتقد ہونا ہرگز جائز نہیں۔ ہر شخص پر اس کی تکذیب اور انکار واجب ہے۔ جو شخص اس کی تصدیق کرے وہ بھی زندیق ہے۔ علامہ محمد برکلی رومی رحمہ اللہ تعالیٰ طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں مایدعیہ بعض المتصوفۃ فی زماننا اذا انکر علیھم بعض امورھم المخالف للشرع ان حرمۃ ذلک فی العلم الظاھر وانا من اصحاب العلم الباطن وانہ حلال فیہ وانکم تأخذون عن الکتاب وانا نأخذ من صاحبہ یعنی محمدا صلی اللہ علیہ وسلم، کلہ الحاد واضلال اذ فیہ ازدراء بالشریعۃ المحمدیۃ فالواجب علی کل من سمع ھذا المقال الانکار علی قائلہ والجزم ببطلان قولہ بلا شک ولا تردد ولا توقف والا فھو من جملتھم ویحکم بالزندقۃ علیھم، الخ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲، شوال سنہ ۱۳۷۱ھ

اولیاء اللہ کو متصرف اور عالم الغیب سمجھنا:

سوال: اولیاء کرام کی ارواح کو متصرف فی الامور اور عالم الغیب سمجھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اس عقیدہ کا کفر ہونا قرآن، حدیث اور فقہ میں مصرح ہے، کقولہ تعالیٰ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (۷-۱۸۸) قُلْ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا (۷۲-۲۱) من قال ان ارواح المشائخ حاضرۃ تعلم یکفر (بزازیہ) ذکر الحنفیۃ تصریحا بالتکفیر باعتقاد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب لمعارضۃ قولہ تعالیٰ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (شرح فقہ اکبر) ومنہا ان ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون اللہ تعالیٰ واعتقادہ ذلک کفر (البحر الرائق[مـ] ج ۲) قاضی خان وغیرہ کتب فقہ میں ایسے شخص کی تکفیر کی ہے جو نکاح میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنائے اس لئے کہ اس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب سمجھا۔ اس باب میں آیات، احادیث اور عبارات فقہ اس کثرت سے ہیں کہ انہیں تحریر میں لانا مشکل ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۱ ذی الحجہ سنہ ۱۷ھ

قبر کو بوسہ دینا:

سوال: قبر کو بوسہ دینا شرعاً جائز ہے یا کہ حرام؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

قبر کو بوسہ دینا بنیتِ عبادت وتعظیم کفر ہے اور بلا نیتِ عبادت بوسہ دینا گناہ کبیرہ ہے،

وکذا ما یفعلونہ من تقبیل الارض بین یدی العلماء والعظماء فحرام والفاعل والراضی بہ آثمان لانہ یشبہ عبادۃ الوثن وھل یکفران علی وجہ العبادۃ والتعظیم کفر وان علی وجہ التحیۃ لا وصارا آثمًا مرتکبًا للکبیرۃ وفی الملتقط التواضع لغیر اللہ حرام (شرح التنویر) (قولہ ان علی وجہ العبادۃ والتعظیم کفر الخ) تلفیق لقولین، قال الزیلعی وذکر الصدر الشہید انہ لا یکفر بہذا السجود لانہ یرید بہ التحیۃ. وقال شمس الائمۃ السرخسی ان کان لغیر اللہ تعالیٰ علی وجہ التعظیم کفر اھ قال القہستانی وفی الظہیریۃ یکفر بالسجدۃ مطلقًا. وفی الزاہدی الایماء فی السلام الی قریب الرکوع کالسجود وفی المحیط انہ یکرہ الانحناء للسلطان وغیرہ اھ وظاہر کلامہم اطلاق السجود علی ھذا التقبیل. (رد المحتار کتاب الحظر والاباحۃ) مزید دلائل محدثین وفقہاء کی تصریحات عزیز الفتاویٰ جلد ۱ میں ملاحظہ ہوں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۷ ارشوال سنہ ۱۷ھ

[مـ] قبیل باب الاعتکاف ۱۲ منہ

تارکِ صوم کافر نہیں :

سوال : ایک شخص روزہ نہیں رکھتا، مگر خود کو بدبخت اور گنہگار سمجھتا ہے۔ یہاں بعض علماء اسے کافر کہتے ہیں۔ آنجناب بادلائل اس پر روشنی ڈالیں کیونکہ اس میں اختلاف ہو گیا ہے بیّنوا بالدّلیل توجروا بالاجر الجزیل۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

تارکِ صوم بلا استحلال باتفاق جمیع اہل السنۃ مسلمان ہے لان الکفر ھو انکار ما ثبت من الدین ضرورۃ۔ گناہ کبیرہ کی وجہ سے خروج عن الایمان معتزلہ اور خوارج کا مذہب ہے ومن ادعی الارتداد فلیطلع لنا قرنه ولیعرض فی مضمار البیان مهرہ فان من قال انا، وقع فی العنا۔

اہل سنت کے ہاں بعض اعمال مثل شدّ زنّار والقاء القرآن وغیرہ اس لئے موجبِ کفر ہیں کہ یہ انکار اور تکذیب پر دال ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۵ ذیقعدہ سنہ ۷۲ھ

رمضان میں علانیۃً کھانے والے کا حکم :

سوال : شامیہ کتاب الصوم میں ہے کہ رمضان میں علانیۃً کھانے والا کافر ہے۔ پس ایک شخص رمضان میں کھلم کھلا کھاتا ہے، مگر ساتھ ہی خود کو قصوروار اور گنہگار بھی کہتا ہے۔ آنحضور کا اس کے متعلق کیا خیال ہے؟ فی شرح التنویر ولو اکل عمدًا شهرۃ بلا عذر یقتل وتمامه فی شرح الوهبانیۃ۔ وفی الشامیۃ (قوله وتمامه فی شرح الوهبانیۃ)، قال فی الوهبانیۃ ؎

ولو اکل الانسان عمدًا وشهرۃ ولا عذر فیه قیل بالقتل یؤمر

قال الشرنبلالی صورتها تعمد من لا عذر له الاکل جهارا یقتل لانه مستهزئ بالدین، او منکر لما ثبت منه بالضرورۃ ولا خلاف فی حلّ قتله والامر به فتعبیر المؤلف بقیل لیس بلازم الضعف۔ اھ (شامیہ ج ۲)، بیّنوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

شامیہ کی عبارت مذکورہ فی السؤال واقعی موجبِ تکفیر ہے، مگر اوّلاً یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ شامیہ میں علتِ تکفیر استہزاء بالدّین ذکر کی ہے، اور ظاہر ہے کہ جو شخص اپنے کو گنہگار اور قصوروار سمجھتا ہے اور اس کا اقرار بھی کرتا ہے وہ مستہزئ بالدین نہیں بلکہ تکاسلاً ترکِ صوم کرتا ہے، اور تکاسلاً تارکِ صوم کے متعلق خود شامیہ میں لکھا ہے کہ اسے قید وضرب کی شدید سزا دی جائے، قتل نہ کیا جائے گا، اور باتفاق حنفیہ

شافعیہ، مالکیہ تارکِ صلوٰۃ کافر نہیں تو تارکِ صوم بطریقِ اولیٰ کافر نہ ہوگا، اور ثانیاً حکمِ قتل موجبِ تکفیر نہیں کحکم القتل حداً أو قصاصاً، اور ثالثاً قابلِ توجہ امر یہ ہے کہ تکفیرِ مسلم میں از حد احتیاط کی ضرورت ہے، وقد ذکران المسألۃ المتعلقۃ بالکفر اذا کان لہا تسع وتسعون احتمالا للکفر واحتمال واحد فی نفیہ فالاولی للمفتی والقاضی ان یعمل بالاحتمال النافی لان الخطأ فی ابقاء الف کافر اھون من الخطأ فی افناء مسلم واحد، (شرح فقہ اکبر لملا علی القاری ص ۱۹۹)

شامیہ باب المرتدین (قولہ قال فی البحر وقد الزمت نفسی الخ) کے تحت نہایت بسط اور تفصیل سے احتیاط فی التکفیر کی از حد تاکید ہے، اور بہت سی کتب کی عبارات نقل کی ہیں، اور اس مقام سے کچھ آگے چل کر خود درمختار میں اس کی سخت تاکید کی گئی ہے، لہٰذا ایسے شخص پر کفر کا فتویٰ لگانا خلافِ احتیاط ہے، البتہ اس کو تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح کا حکم دینا بہتر ہے، کما فی شرح التنویر معزیاً الیٰ شرح الوھبانیۃ للشرنبلالی ما یکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح واولادہ اولاد زنا وما فیہ خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبۃ وتجدید النکاح، وفی الشامیۃ (قولہ والتوبۃ) ای تجدید الاسلام (قولہ وتجدید النکاح) ای احتیاطا (الیٰ قولہ) وظاھرہ انہ لا یحکم القاضی بالفرقۃ بینھما وتقدم ان المراد بالاختلاف ولو روایۃ ضعیفۃ ولو فی غیر المذھب (شامیۃ ج ۳)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۷ر محرم سنہ ۷۴ھ

علم اور اہلِ علم کی اہانت کفر ہے:

سوال: ایک شخص اہلِ علم اور صلحاء وعلماءِ حق کو گالیاں دیتا ہے اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

علمِ دین کی اہانت اور علماءِ حق کو اس لئے گالیاں دینا کہ وہ حاملینِ علمِ دین ہیں کفر ہے، لہٰذا ایسے شخص کو دوبارہ مسلمان کرکے تجدیدِ نکاح کرنا ضروری ہے، اور اسے جلا وطن کرنا چاہیئے اگر دوبارہ مسلمان نہ ہو تو شرعاً اسے قتل

کرنے کا حکم ہے، قال فی البریقۃ المحمودیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ قال فی الاشباہ الاستہزاء بالعلم والعلماء کفر وعن منیۃ المفتی تخفیف العلم والعلماء کفر وعن الخزانۃ من اذل العلم ینفی من البلد بعد تجدید الایمان وعن مجموع النوازل اہانۃ علماء الدین کفر وعن المحیط ان شتم عالما فقد کفر فتطلق امرأتہ الخ (بریقۃ محمودیۃ ج ۳) ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۰ ذی الحجہ ۷۳ھ

پردہ کو برا سمجھنا کفر ہے:

سوال: ایک شخص نے اپنی عورت کو پردۂ شرعی کا حکم دیا۔ عورت نے جواب میں کہا کہ میں آخر عمر تک لعنت قبول نہ کروں گی۔ اس عورت کے لئے شرعاً کیا حکم ہے۔ بینوا بالبرہان توجروا عند الرحمٰن

الجواب ومنہ الصدق والصواب

لفظ مذکور فی السوال کلمۂ کفر ہے۔ اس میں نص صریح سے ثابت شدہ حکم حجاب کا انکار بلکہ اہانت ہے۔ قال فی شرح التنویر والکفر لغۃ الستر وشرعاً تکذیبہ صلی اللہ علیہ وسلم فی شیء مما جاء بہ من الدین ضرورۃ۔ وقال قبیل ھذا من ھزل بلفظ کفر ارتد وان لم یعتقدہ للاستخفاف الخ، وفی الشامیۃ المراد بالتکذیب عدم التصدیق الذی مر ای عدم الاذعان والقبول لما علم مجیئہ بہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرورۃ (الی قولہ) ولیس المراد التصریح بانہ کاذب فی کذا لان مجرد نسبۃ الکذب الیہ صلی اللہ علیہ وسلم کفر الخ (رد المحتار۔ کتاب المرتد ج ۳)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱ ذی الحجہ ۷۳ھ

گناہوں پر فخر کرنا کفر ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرعِ متین ایسے شخص کے بارے میں جو علانیہ گناہوں میں مبتلا ہے اور ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ مجھے اپنے گناہوں پر فخر ہے، شریعت میں اس کی کیا سزا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

احکامِ شریعت کی مخالفت اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر فخر کرنا بلاشبہہ کفر ہے، لہٰذا ایسا شخص دائرۂ اسلام سے خارج اور مرتد ہے، اس پر تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح ضروری ہے، حاکمِ وقت پر فرض ہے کہ اسے توبہ اور تجدیدِ ایمان کی تلقین کرے، اگر خدانخواستہ توبہ نہ کرے تو اس کے قتل کا حکم دے، قال فی شرح التنویر من ھزل بلفظ کفر ارتد وان لم

یعتقدہ للاستخفاف (رد المحتار ج ۳) وفیہ ایضا تعمد من لاعذر لہ الاکل (فی رمضان) جہارا یقتل لانہ مستھزئ بالدین او منکر لما ثبت منہ بالضرورۃ (رد المحتار ج ۳)

مزاحاً کلمہ کفر کہنے والے اور علانیہ گناہ کرنے والے کو مرتد اور واجب القتل قرار دیا گیا ہے تو گناہوں پر فخر کرنے والے کے کفر میں کیا شبہہ ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ ۲۳ ربیع الآخر ۹۶ھ

تبصرہ بر رسالہ "التلقین والھدایۃ لمن انکر الکرامۃ"

میں نے مولانا محمد خلیل اللہ صاحب کی تحریر اور مولانا عبد الکریم صاحب اور مولانا دوست محمد کے جوابات کا بغور مطالعہ کیا۔ میرے خیال میں جواب لکھنے والے ہر دو حضرات نے مولانا خلیل اللہ صاحب کا مقصد پوری طرح نہیں سمجھا۔ جس کی وجہ سے مولانا محمد خلیل اللہ صاحب کی تحریر کا جواب مکمل نہیں۔ جواب میں دو امر مذکور ہیں۔

(۱) وقوع کرامت بدرجہ قدر مشترک نصوص قطعیہ سے ثابت ہے حالانکہ مولانا محمد خلیل اللہ صاحب بھی اس کے منکر نہیں۔

(۲) ہر واقعہ اور جزئی کرامت کے ثبوت کے لئے نص قرآنی یا احادیث متواترہ کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ مولانا خلیل اللہ صاحب بھی اس کے قائل نہیں۔

میرے خیال میں مولانا خلیل اللہ صاحب کا مقصد یہ ہے (واللہ تعالیٰ اعلم بمراد عبادہ) کہ مثلاً احراقِ نار مشاہدہ ہونے کی وجہ سے قطعی ہے۔ اب اگر کسی ولی کے متعلق سننے میں آئے کہ اسے کرامت کے طور پر آگ نہیں جلاتی تو اس واقعہ کی تصدیق کے لئے اس کا علم قطعی ضروری ہے۔ یعنی روبرو جا کر بالمشافہہ دیکھا جائے یا اس کی خبر حدِّ تواتر تک پہنچے۔ غرضیکہ قطعی سے مراد علم قطعی ہے قرآن یا حدیث کی نص قطعی مراد نہیں چنانچہ مولانا خلیل اللہ صاحب کی تحریر کا پہلا جملہ "واقعاتِ عادیہ قطعی ہیں" اس پر بیّن دلیل ہے کہ قطعی سے ان کی مراد قطعی الوجود بالمعاینۃ وغیرہا ہے۔ ثابت بنصّ القرآن یا بالحدیث القطعی مراد نہیں۔ مولانا خلیل اللہ صاحب کی تحریر کا مقصد واضح ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ رسالہ میں مندرجہ جوابات مولانا کے استدلال کی تردید کے لئے کافی نہیں، لہٰذا مولانا کے استدلال کے بالاختصار دو جواب تحریر کئے جاتے ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔

(۱) **الزامی جواب**۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے اکثر معجزات اخبار آحاد ہی سے ثابت ہیں۔ آپ کے استدلال کے مطابق ان جملہ معجزات کا انکار کرنا پڑے گا۔ یہ جواب مولانا عبد الکریم صاحب کی تحریر میں بھی موجود

ہے۔ مگر مندرجہ ذیل تحقیقی جواب کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی۔

(۲) تحقیقی جواب۔ امور عادیہ کے خلاف بعض واقعات جب مسلّم اور قطعی ہیں تو امورِ عادیہ قطعی نہ رہے بلکہ عام مخصوص منہ البعض ہونے کی وجہ سے ظنی ہوگئے۔ لہٰذا ان کے مقابلہ میں خبر واحد عادل کافی ہے جو کہ موجب ظن غالب ہے۔ بغرضیکہ اگر کوئی کرامت خبر واحد عادل سے منقول ہو تو اس کی تصدیق لازم ہے۔

فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ ربیع الاول ۱۳۷۴ھ

چاند پر پہنچنا شریعت کے خلاف نہیں

عنایت فرماکر اس سوال کا تسلی بخش جواب تحریر فرمائیں۔ قرآن شریف میں "تَبَارَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرَاجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا" سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب آسمانوں میں ہیں اسی طرح چند تفاسیر میں بھی تحریر ہے کہ سب آسمان میں ہیں اور آج کل لوگ چاند پر اتر رہے ہیں اور اسی طرح زہرہ پر اتر رہے ہیں اور وہاں اسٹیشن قائم کر رہے ہیں اور یہ لوگ آسمانوں کے قائل نہیں ہیں اور دلیل یہی دے رہے ہیں کہ اگر آسمان ہوتے تو نہیں رکاوٹ ہوتی، عنایت فرماکر جواب تحریر فرمائیں، والسلام

الجواب باسم ملہم الصواب

سماء کے لغوی معنی بلندی کے ہیں لہٰذا آیۂ مذکورہ میں اگر اس کے لغوی معنی مراد لئے جائیں جو کثرت سے آتے ہیں، کما قالوا فی قولہ تعالیٰ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً تو کوئی اشکال باقی نہیں رہتا جیسے کہ "كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ" میں فلک کے لغوی معنی یعنی مدور مراد لینے سے اعتراض رفع ہو جاتا ہے۔ نیز دونوں جگہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حرف "فی" ظاہر رؤیت کے اعتبار سے لایا گیا ہے۔ یعنی بظاہر یہ سیارات آسمان کے اندر نظر آرہے ہیں اگرچہ حقیقۃً نیچے ہیں۔ چنانچہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ میں نے آسمان پر یا آسمان میں فلاں چیز دیکھی یا آسمان پر بادل ہیں حالانکہ یہ اشیاء آسمان سے بہت نیچے ہیں۔

نیز آیات مذکورہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سیارات ثخن سماء میں مرکوز ہیں۔ کیونکہ اشیاء مجاورہ کے لئے بھی "فی" استعمال ہوتا ہے کما فی قولہ تعالیٰ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ۔ پس قرب الی السماء یا بالطبع مائل الی المحیط ہونے کی وجہ سے "فِي السَّمَآءِ" کا اطلاق صحیح ہے بلکہ "یسبحون" سے یہی متبادر ہے فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ ربیع الاول ۸۹ھ

ڈاڑھی کو برا سمجھنا کفر ہے

سوال ۔ سنتِ نبویہ خصوصاً ڈاڑھی کا مذاق اڑانا کیسا ہے ؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب ۔ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ سنت کو برا سمجھنا یا اس کا مذاق اڑانا درحقیقت اسلام اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استہزاء ہے جس کے کفر ہونے میں کچھ شبہ نہیں ۔ جب سنت سے استہزاء کفر ہے تو ڈاڑھی تو واجب ہے ، اور شعار اسلام ہے ، ایک مشت سے کم کرنا بالاجماع حرام ہے ۔ اس کا مذاق اڑانا بطریق اولیٰ کفر ہے ۔ قال فی العلائیۃ واما الاخذ منہا وھی دون ذلک کما یفعلہ بعض المغاربۃ و مخنثۃ الرجال فلم یبحہ احد (شامیۃ ص۱۲۳ ج۲) اسے دوبارہ مسلمان کرکے نکاح بھی دوبارہ کیا جائے اگر دوبارہ اسلام قبول نہ کرے تو حاکم پر فرض ہے کہ اس کے قتل کا حکم دے ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۔ یوم عید الاضحیٰ ۸۶ھ ۔

مسئلہ ختم نبوت پر ایک دلچسپ مناظرہ

جمع وترتیب

احتشام الحق آسیا آبادی

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی ۔ اما بعد

میرے مربی روحانی حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی ابتدائی تدریس کے زمانے میں ایک قادیانی مناظر سے اتفاقاً ملاقات ہوگئی ، قادیانی کے ساتھ ان کا ایک شاگرد بھی تھا ، ملتے ہی قادیانی مناظر نے اپنی تعریف اور مہارت پر کافی تقریر کی اور کہا کہ میں نے بوعلی سینا کی کتابیں پڑھی ہیں ، عیسائیوں اور آریوں سے بہت سے مناظرے کئے ہیں ، خوب اپنی قابلیت اور مہارت جتاتا رہا اور حضرت والا خاموشی سے سنتے رہے ، اس کے بعد مسئلہ جریانِ نبوت پر بات شروع کردی ۔ ذیل میں اس مختصر مگر دلچسپ مناظرے کی روئیداد پیش کی جارہی ہے جس میں خاص طور سے حضرات علماء کرام کے لئے بڑی کارآمد اور مفید باتیں آگئی ہیں ۔

اختصار کی خاطر حضرت والا کو مفتی صاحب اور قادیانی کو قادیانی مناظر کے عنوان سے ذکر کیا جائے گا ۔

(آسیا آبادی)

حضرت مفتی صاحب :- آپ کا اصل دعویٰ تو اثبات نبوتِ مرزا ہے ، مسئلہ جریانِ نبوت آپ کے دعوائے نبوت پر دلیل کے لئے صغریٰ کا کام دیتا ہے یا کبریٰ کا ؟

قادیانی مناظر :- یہ ہماری دلیل نہیں ہے ، بلکہ اس مسئلہ کو ہم اس لئے بیان کرتے ہیں

کہ مرزا صاحب کی نبوت پر بحث کرتے ہوئے اکثر علماء یہ بحث از خود چھیڑ دیتے ہیں کہ نبوّت ختم ہو چکی ہے۔ اس لئے ہمیں یہ بحث کرنا پڑتی ہے۔

مفتی صاحب:- یہ بحث آپ اس عالم سے کریں جو اسے چھیڑے، مجھ سے براہِ راست اپنے دعوی نبوتِ مرزا پر بحث کریں، اس لئے کہ میں تو اس کا قائل ہوں کہ بفرضِ محال اگر نبوت جاری ہو تو بھی مرزا صاحب نبی نہیں ہو سکتے۔

حضرت والا کے اس اصرار کے باوجود قادیانی مناظر جریانِ نبوّت ہی پر بحث کرنے پر مصر رہے، اصل وجہ یہ ہے کہ قادیانی مناظر اس مسئلہ میں اصل مدعا کی طرف آتے ہوئے گھبراتے ہیں، انہیں یہ معلوم ہے کہ مرزا صاحب کی نبوت کو ثابت کرنے کے آگے کانٹوں کا انبار ہے۔ اس لئے حضرت والا ارخاءِ عنان کے لئے جریانِ نبوّت ہی پر بحث کرنے پر رضا مند ہو گئے کہ کہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ کسی کمزوری کی بناء پر اس بحث سے پہلو تہی کر رہے ہیں، چنانچہ اب بحث شروع ہوتی ہے۔

حضرت مفتی صاحب:- یہ بحث ہے تو بالکل فضول مگر جب آپ اپنے اصل مدعا کی طرف نہیں آنا چاہتے اور اسی پر مصر ہیں کہ جریانِ نبوت ہی پر بحث ہو تو چلئے اس پر فرمایئے۔

قادیانی مناظر:- حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک بالاتفاق نبوت جاری رہی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کا یہ دعوی ہے کہ نبوت ختم ہو گئی، جو شخص متفق علیہ حقیقت کے خلاف کا قائل ہوتا ہے وہ مدعی کہلاتا ہے اور مدعی کے ذمہ دلیل بیان کرنا ہوتا ہے، آپ مدعی ہیں، لہذا ختم نبوت پر دلیل بیان کریں۔

حضرت مفتی صاحب:- آپ میرا مدعی ہونا تسلیم کرتے ہیں؟

قادیانی مناظر:- (ذرا ہچکچا کر) ہاں! اس حیثیت سے کہ آپ متفق علیہ حقیقت کے خلاف کے قائل ہیں۔

حضرت مفتی صاحب:- آپ حیثیت وغیرہ چھوڑیں اور صاف اس کا اقرار کریں کہ آپ مجھے مدعی مانتے ہیں،

قادیانی مناظر:- (دبی ہوئی زبان میں) ہاں آپ مدعی ہیں۔

قادیانی مناظر کو حضرت مفتی صاحب مدظلہم کے مدعی تسلیم کرنے میں تردد اس لئے ہو رہا تھا کہ

مناظرہ میں ہر شخص مدعی بننے سے بچنے کی کوشش کرتا ہے، مگر یہاں خود حضرت مفتی صاحب اپنے مدعی ہونے کا ان سے اقرار لے رہے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب:۔ یہ بتائیے کہ آپ کے ہاں نبوت بشرط لاشی، جاری ہے یا لابشرط شی؟

قادیانی مناظر:۔ آپ علمی اصطلاحات استعمال نہ کریں، عام فہم زبان میں بات کرنا چاہئے۔

حضرت مفتی صاحب:۔ یہاں عوام کا کوئی ایسا مجمع نہیں اس لئے علمی اصطلاحات کے استعمال میں کوئی حرج تو نہیں، معہذا آپ کی خواہش کی رعایت کرتا ہوں، میرا مطلب یہ ہے کہ آپ کے ہاں مطلق نبوت جاری ہے یا النبوۃ المطلقہ؟

قادیانی مناظر:۔ دونوں میں کیا فرق ہے؟

حضرت مفتی صاحب:۔ میں نے خیال کیا کہ آپ بوعلی سینا کی کتابیں دیکھے ہوئے ہیں اس لئے سمجھ جائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کے ہاں نبوت کی دو قسمیں ہیں، تشریعی اور ظلی، یہ دونوں قسمیں جاری ہیں یا ایک؟

قادیانی مناظر:۔ ایک قسم جاری ہے یعنی ظلی، تشریعی نبوت ختم ہوگئی۔

حضرت مفتی صاحب:۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک نبوت تشریعی جاری تھی آپ اس کے ختم ہو جانے کے قائل ہیں، متفق علیہ حقیقت کے خلاف کہہ رہے ہیں، اس لئے آپ مدعی ٹھہرے۔ آپ اس پر دلیل بیان کریں۔

قادیانی مناظر:۔ میں مدعی نہیں ہوں۔

حضرت مفتی صاحب:۔ بعینہ جس طریقے سے آپ نے مجھے مدعی ٹھہرایا، اسی طریقے سے آپ مدعی بن رہے ہیں۔

قادیانی مناظر:۔ میں کسی طرح مدعی نہیں ہوں۔

حضرت مفتی صاحب:۔ جس طریقے سے مجھے مدعی بنایا تھا بعینہ اسی طریقے سے آپ مدعی بن گئے اب اگر آپ مدعی نہیں تو میں بھی مدعی نہیں، قصہ ہی ختم ہوگیا۔

قادیانی مناظر:۔ (مجبور ہو کر اپنے مدعی ہونے کا بادل ناخواستہ اقرار کرتے ہوئے دلیل پیش کرتے ہیں) نبوتِ تشریعیہ کے لئے کچھ شرائط ہیں (ان شرائط کی تفصیل بیان کرنے سے بچنے کے لئے کہا کہ) یہ شرائط آپ کو معلوم ہی ہیں۔

حضرت مفتی صاحب:۔ مجھے ان شرائط کا علم نہیں آپ ہی بیان کریں، نیز یہ بھی بتائیے

کہ ان شرائط کا وجود ممکن ہی نہیں یا ممکن تو ہے واقع نہیں ؟

قادیانی مناظر:۔ ممکن ہے مگر واقع نہیں۔

حضرت مفتی صاحب:۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت تشریعی ممکن تو ہے مگر واقع نہیں!

قادیانی مناظر:۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت تشریعی ممکن ہی نہیں،

حضرت مفتی صاحب:۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ شرط ممکن ہو اور مشروط ممتنع ؟

قادیانی مناظر کافی دیر تک اس بحث میں الجھتے رہے کہ شرائط ممکن ہیں اور نبوت تشریعی ممکن نہیں، مگر بالآخر اس کا اعتراف کرنا پڑا کہ نبوت تشریعی کے شرائط بھی ممکن نہیں۔ ———

حضرت مفتی صاحب:۔ اب دو دعووں کا اثبات آپ کے ذمہ ہو گیا، ایک تو یہ کہ جو چیز آپ بیان کریں اس کی شرطیت دلیل سے ثابت کریں۔ دوسرا یہ کہ اس شرط کا ممتنع ہونا بھی ثابت کریں،

قادیانی مناظر:۔ (ایک آیت پڑھ کر) اس سے یہ ثابت ہوا کہ تشریعی رسول تب آتا ہے جب کہ اس سے پہلی کتاب میں تحریف ہونے لگے۔ چونکہ قرآن کریم میں کوئی تحریف نہیں ہو سکتی اس لئے تشریعی رسول بھی نہیں آسکتا۔

حضرت مفتی صاحب:۔ اس آیت سے تو سببیت ثابت ہوئی نہ کہ شرطیت، تحریف ماقبل نئی رسالت کا سبب ہے، شرط نہیں، یعنی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بغیر تحریف ماقبل کے کوئی نیا رسول نہیں آسکتا، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام تشریعی نبی تھے، مگر آپ سے قبل کسی دین کی تحریف نہیں ہوئی کیا نیا رسول آنے کی یہ وجہ نہیں ہو سکتی کہ دین ماقبل میں کوئی تحریف نہ بھی ہو مکمل طور پر صحیح طریقے پر موجود ہو، اس کے باوجود اس کے احکام طبائع کے مناسب نہ رہے ہوں، اس لئے اللہ تعالیٰ نئے رسول کے ذریعہ اس زمانہ کے طبائع کے مطابق احکام میں ترمیم فرمائیں۔ بہرحال شرطیت ثابت نہیں ہوتی۔

قادیانی مناظر:۔ (شرمندگی کی ہنسی طاری کر کے فرمانے لگے کہ) شرطیت ہو یا سببیت بات یوں ہی ہے۔

یہ کہہ کر اپنی چھیڑی ہوئی بحث کو خود ہی ختم کر دیا اور حضرت مفتی صاحب مدظلہم کے بار بار اصرار کے باوجود اصل مدعا یعنی اثبات نبوت مرزا پر آمادہ کرنے کو نیار ہوئے اور نہ ہی مسئلہ جریان نبوت پر مزید کلام کیا، بالکل ہی خاموش ہو گئے۔ حضرت مفتی صاحب مدظلہم نے فرمایا کہ "ہم نے کبھی کسی مناظر کو اس طرح خاموش ہوتے ہوئے نہ دیکھا نہ سنا۔ یہ صاحب اپنی خاموشی میں منفرد ہیں۔

۳ ربیع الاول ۱۳۹۶ھ

ے یاد نہیں رہا کونسی آیت تھی، شاید یہ ہو۔ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ قَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمْ کَثِیْرًا مِّمَّا کُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْکِتٰبِ الخ ۱۲ منہ

قادیانیوں سے تعلقات رکھنے کا حکم:

سوال - ایک شخص صحیح العقیدہ ہے۔ صوم، صلوٰۃ وزکوٰۃ کا پابند ہے، لیکن اس کے دنیوی تعلقات قادیانی جماعت کے ساتھ ہیں۔ کیا ایسے شخص سے مسجد کے لئے چندہ لینا اور ایسے شخص سے تعلقات رکھنا جائز ہے، اور ایسے شخص کو خنزیر سے بدتر کہنا اور سمجھنا کیسا ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

ایسا شخص جو صوم وصلوٰۃ کا پابند ہے لیکن اس کے تعلقات قادیانی جماعت کے ساتھ ہیں اگر وہ دل سے بھی ان کو اچھا سمجھتا ہو تو وہ مرتد ہے اور بلاشبہ خنزیر سے بدتر ہے، اس سے تعلقات رکھنا ناجائز ہے، اگر وہ مسجد کے لئے چندہ دیتا ہے تو اسے وصول کرنا جائز نہیں۔ اور اگر وہ قادیانیوں کے عقائد سے متفق نہیں اور نہ ہی ان کو اچھا سمجھتا ہے، بلکہ صرف تجارت وغیرہ، دنیوی معاملات کی حد تک ان سے تعلق رکھتا ہے تو یہ شخص مرتد نہیں، البتہ بہت سخت مجرم اور فاسق ہے۔ قادیانی زندیق ہیں جن کا حکم عام مرتد سے بھی زیادہ سخت ہے، مرتد اور اس کا بیٹا اپنے مال کے مالک نہیں، لہٰذا ان کی بیع وشراء، اجارہ واستجارہ، ہبہ کا لین دین وغیرہ کوئی تصرف بھی صحیح نہیں، البتہ پوتے نے جو مال خود کمایا ہو وہ اس میں تصرف کر سکتا ہے، مگر زندیق کا پوتا بھی اپنے کمائے ہوئے مال کا مالک نہیں اور اس کے تصرفات نافذ نہیں، اس لئے قادیانی سے کسی ذریعہ سے بھی کوئی مال لیا تو وہ حلال نہیں۔

تجارت وغیرہ معاملات کے علاوہ بھی قادیانیوں کے ساتھ کسی قسم کا کوئی میل جول رکھنا جائز نہیں۔ اس میں یہ مفاسد ہیں:

1. اس میں قادیانیوں کے ساتھ تعاون ہے،
2. اس قسم کے معاملات میں عوام قادیانیوں کو مسلمانوں کا ایک فرقہ سمجھنے لگتے ہیں،
3. اس طرح قادیانیوں کو اپنا جال پھیلانے کے مواقع ملتے ہیں،

اس لئے قادیانیوں سے لین دین اور دیگر ہر قسم کے معاملات میں قطع تعلق ضروری ہے، ان سے تعلقات رکھنے والا آدمی اگرچہ اُن کو بُرا سمجھتا ہو قابلِ ملامت ہے، ایسے شخص کو سمجھانا دوسرے مسلمانوں پر فرض ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۱ رمحرم سنہ ۹۶ھ

قادیانیوں سے متعلق مزید مسائل جلد ۶ "باب المرتد والبغاۃ" میں ہیں۔ اور زیادہ تفصیل کتاب الحظر والاباحۃ میں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت کا عقیدہ رکھنا کفر ہے

سوال: مرزائیوں نے کتابیں چھپوا کر بستی میں تقسیم کی ہیں جس میں انھوں نے قرآن کی آیات سے ثابت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے شہید کیا ہے۔ کچھ مسلمان اس عقیدے کی طرف رجوع بھی ہوگئے تو ان مسلمانوں کو مرتد خارج از اسلام اور کافر سمجھا جائے یا ضعیف الایمان مسلمان؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت کا عقیدہ رکھنے والے خارج از اسلام اور بلاشبہ کافر ہیں اس لئے کہ نصِّ قرآن سے ثابت ہے کہ کوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شہید نہیں کرسکا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان پر اٹھالیا۔ قال اللہ تعالیٰ وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبّہ لہم وانّ الذین اختلفوا فیہ لفی شکّ منہ مالہم بہ من علمٍ الا اتّباع الظنّ وما قتلوہ یقیناً بل رفعہ اللہ الیہ وکان اللہ عزیزاً حکیماً ہ جب تک یہ لوگ توبہ و استغفار کرکے تجدید ایمان نہ کریں ان کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے جیسا کہ قادیانی و دیگر مرتدین کے ساتھ کیا جاتا ہے اسکی تفصیل یہ ہے کہ انکے ساتھ ہر قسم کا تعلق و کاروبار وغیرہ ناجائز ہے۔ علاوہ ازیں مرتد کا حالتِ ارتداد میں کمایا ہوا مال اس کے وارثوں کو نہیں مل سکتا بلکہ مسلمانوں کا حق ہے اسلئے بیت المال کے مصارف میں خرچ کیا جائے گا۔ نیز مرتد کے تصرفات نکاح، شرکتِ مفاوضہ، ولایۃ علی الولد الصغیر، ہبہ، اجارہ، قبض دین وغیرہ نافذ نہیں ہوتے اور احد الزوجین کے ارتداد سے نکاح باطل ہوجاتا ہے۔ قال فی التنویر ویبطل منہ النّکاح والذبیحۃ والصّید والشہادۃ والارث ویتوقف منہ المفاوضۃ والتصرف علی ولدہ الصغیر والمبایعۃ والعتق والتدبیر والکتابۃ والھبۃ والاجارۃ والوصیۃ ان اسلم نفذ وان ھلک اولحق بدار الحرب وحکم بطل۔

(ردالمحتار ص ۳۱۱ ج ۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴ / محرم سنہ ۹۶ ھ

ماہِ صفر میں شادی کو منحوس سمجھنا

سوال: لوگ صفر کے مہینے میں شادی کرنے کو بُرا سمجھتے ہیں۔ ایک مولوی صاحب نے کہا کہ "لوگوں کا نحوست کا گمان غلط ہے لیکن میرے بھائی کی شادی اس مہینے میں ہوئی تو نتیجہ اچھا نہیں ہوا" اس

مولوی صاحب کا یہ کہنا کیسا ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مولوی صاحب کے قول "نتیجہ اچھا نہیں ہوا" سے غلط عقیدہ کی تائید ہوتی ہے اس لئے ان پر توبہ لازم ہے نیز جن لوگوں کے سامنے ایسا کہا ہے انکے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف اور توبہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ ربیع الاول ۹۵ھ

"لی خمسة اطفی بها الخ" شرک ہے

سوال: لی خمسة اطفی بها حرّ الوباء الحاطمه ، المصطفیٰ والمرتضیٰ وابناهما والفاطمه ، یہ تعویذ لگانا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ناجائز اور شرک ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ ربیع الاول ۸۷ھ

تحقیق مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ

ایک فتوی ارسالِ خدمت ہے اس کے جواب سے نوازیں۔

سوال: ایصالِ ثواب بر روحِ بزرگان اور ان کی طرف چوپائے منسوب کرنا اور پھر انکو زیارتگاہ پر جاکر ذبح کرنا (بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر) اور غرباء میں تقسیم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

ایصال ثواب للغیر جائز ہے۔ زیلعی (شرح کنز) درمختار، فتاوی عالمگیری اور شامی وغیرہ میں یہ مذکور ہے اور کسی چیز کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرنا ہرگز حرام نہیں بلکہ احادیث سے ثابت ہے۔ مشکوۃ شریف باب فضل الصدقہ میں حضرت سعد بن عبادۃ کا واقعہ مذکور ہے کہ ان کی والدہ کی جب وفات ہوئی تو انھوں نے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری والدہ کی وفات ہوگئی ہے ان کے لئے کونسا صدقہ افضل ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پانی۔ چنانچہ انھوں نے اپنی والدہ کے نام ایک کنواں کھدوایا (مشکوٰۃ)

اس سے معلوم ہوا کہ خیرات وغیرہ کو اولیاء امت کی طرف منسوب کرنا جائز ہے۔ اگر کوئی انکا کرے تو وہ منکرِ حدیث ہے۔ اور منکرین نے اس آیۃ کریمہ سے استدلال کیا ہے، وما اُهلّ

بہ لغیر اللہ ، حالانکہ باجماع مسلمین یہ اُس جانور کے بارے میں ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے ، ولاخلاف بین المسلمین ان المراد بہ الذبیحۃ اذا اھلّ بہ لغیر اللہ عند الذّبح (احکام القرآن للجصاص ص۱۴۰ ج ۱)

ومن ھٰھنا علم ان البقرۃ المنذورۃ للاولیاء کما ھو الرسم فی زماننا حلال طیب لانہ لم یذکر اسم غیر اللہ علیھا وقت ذبح وان کانوا ینذرونھا لہ (تفسیرات احمدیہ ص۲۹) بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصّواب

ایصالِ ثواب بروح بزرگان و اولیاء کرام ثابت و موجب اجر و ثواب ہے اس میں کوئی کلام نہیں۔ لیکن اس کے ساتھ کسی قسم کی تقیید و تخصیص احداث فی الدّین و بدعت ہے۔ اولیاء کرام کے نام پر جانور متعین کرنا اور پھر مزاروں پر لیجاکر ذبح کرنا ما اھلّ بہ لغیر اللہ میں داخل ہونے کی وجہ سے شرک ہے اور اس کا کھانا حرام ہے گو اس پر ہزار بار بسم اللہ اللہ اکبر پڑھی گئی ہو۔ مجیب نے جواز پر جو دلائل پیش کئے ہیں ان میں سے کوئی ایک دلیل بھی مفید مدعا نہیں۔ ملاحظہ ہو (قولہ) علماء کرام متفق ہیں کہ ہر کار خیر الخ (اقول) اس تقریر سے اتنا ثابت ہوا کہ ایصالِ ثواب الی الغیر مطلقاً جائز ہے۔ اور اسمیں ہمیں بھی کوئی کلام نہیں البتہ اس کے لئے کوئی وقت متعیّن کرنا اور قیود لگانا بدعت ہے جسکا کوئی ثبوت نہیں۔

(قولہ) منکرین نے وما اھلّ بہ لغیر اللہ سے استدلال کیا ہے الخ (اقول) مجیب نے اس ساری تقریر سے نذر لغیر اللہ کے اثبات کی کوشش کی ہے اور احکام القرآن للجصاص کا حوالہ دیا ہے۔ انّ المراد بہ الذّبیحۃ اذا اھلّ بھا لغیر اللہ عند الذبح، لیکن اس سے آگے نظر نہیں فرمائی جہاں مصرح ہے وظاھر قولہ تعالیٰ وما اھل بہ لغیر اللہ یوجب تحریمھا اذا سمی علیھا بسم غیر اللہ لان الاھلال بہ لغیر اللہ ھو اظھار غیر اسم اللہ ولم یفرق الآیۃ بین تسمیۃ المسیح وتسمیۃ غیرہ بعد ان یکون الاھلال بہ لغیر اللہ اھ (احکام القرآن ص۱۲۵ ج۱) بالفرض ما اھل بہ لغیر اللہ کی تخصیص ذبح بسم غیر اللہ کے ساتھ تسلیم بھی کرلی جائے تو منذور لغیر اللہ کی حرمت "وما ذبح علی النصب" میں مصرح ہے۔

دوسرا حوالہ تفسیرات احمدیہ کا دیا ہے ان البقرۃ المنذورۃ للاولیاء اھ اس کا مطلب یہ ہے کہ نذر تو اللہ تعالیٰ کے لئے مانی جائے اور ثواب اولیاء اللہ کے لئے ہو۔ یہ وضاحت خود مصنّف نے منھیہ میں فرما دی ہے (بیان القرآن) اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں۔ اگر ۴

اولیاء اللہ کو متصرف فی الامور اور نفع و نقصان کا مالک سمجھ کر ان کی رضا کے لئے جانور ذبح کرتا ہے تو یہ بلاشبہہ ما اھل بہ لغیر اللہ میں داخل ہے اور آجکل عوام کا عقیدہ یہی ہوتا ہے قال العلماء لو ان مسلما ذبح ذبیحۃ وقصد بذبحھا التقرب الی غیر اللہ تعالیٰ صار مرتدا وذبیحتہ ذبیحۃ مرتد (تفسیر نیشاپوری) امام رازی نے اپنی تفسیر میں صراحۃً اسکی حرمت بیان فرمائی ہے اور تمام فقہاء کرام بھی اس کی حرمت پر متفق ہیں۔ درمختار میں ہے ذبح لقدوم الامیر ونحوہ لواحد من العظماء یحرم لانہ اھل بہ لغیر اللہ ولو ذکر اسم اللہ ولو ذبح للضیف لایحرم لانہ سنۃ الخلیل علیہ السلام واکرام الضیف اکرام اللہ تعالیٰ والفارق بینھما ان قدمھا لیأکل منھا کان الذبح للہ تعالیٰ والمنفعۃ للضیف اوللولیمۃ وان لم یقدمھا لیأکل منھا بل یدفعھا لغیرہ کان لتعظیم غیر اللہ فتحرم وھل یکفر قولان انتھیٰ الاشباہ والنظائر۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ محرم سنہ ۱۳۹۵ھ

سائبہ کی تحقیق

سوال: حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان القرآن میں سائبہ کی حرمت ثابت فرمائی ہے اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے معارف القرآن میں حلال لکھا ہے اور وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ سائبہ کو حرام کہنے سے مشرکین کے عقیدہ کی تائید ہوتی ہے، آپ کی تحقیق کیا ہے؟ سائبہ ما اھل بہ لغیر اللہ میں داخل ہے یا نہیں؟ نیز جانوروں کے علاوہ مٹھائی وغیرہ جو غیر اللہ کی نذر کے طور پر تقسیم کی جاتی ہے وہ حلال ہے یا حرام؟ اور ما اھل بہ لغیر اللہ اس کو شامل ہے یا نہیں؟ بینوا بیانا شافیا، توجروا اجرا وافیا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم نے امداد المفتین ص۴۴۳ ج ۲ میں سائبہ کی حلت کی طرف حضرت تھانوی قدس سرہٗ کا رجوع نقل فرمایا ہے۔ حضرت مفتی صاحب کی طرف سے سوال اور حضرت تھانوی قدس سرہٗ کا جواب امداد المفتین سے نقل کیا جاتا ہے۔

سوال: ایک فتوی ریاست قرولی کا دربارہ (حلت) سائبہ وبحیرہ وغیرہ یہاں آیا ہوا ہے جس پر حضرت والا کی بھی تصدیق ہے۔ غالباً تصدیق کی نقل میں تو غلطی نہیں ہے کیونکہ بیان القرآن

جدید کے حاشیہ میں بھی حضرت نے اسی صورت کو ترجیح دی ہے اور کچھ یاد ہے زبانی بھی حضرت سے چند جملے احقر نے سُنے تھے مگر اسمیں ایک کھٹک اسی وقت سے چلی آتی ہے وہ یہ کہ صورتِ ثالثہ جس میں اراقۂ دم لغیر اللہ مقصود نہیں مگر نذر لغیر اللہ کی حد میں تو داخل ہے اور منذور لغیر اللہ کی حرمت پر صاحب بحر نے عبارت ؏ ذیل میں اجماع مسلمین نقل کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے جانور کی حلّت کے لئے صرف اذن مالک کافی نہیں بلکہ مالک کا اپنی نذر سے رجوع کرنا بھی ضروری ہے۔ ہاں اگر سائبہ وغیرہ جانوروں اور منذور لغیر اللہ میں کوئی فرق ہو تو بیشک یہ شبہہ رفع ہو سکتا ہے مگر مجھے ان دونوں میں کوئی فارق معلوم نہیں ہوا کہ اصل علّت تقرب الیٰ غیر اللہ ہے وہ دونوں میں یکساں ہے، صرف بحیرہ سائبہ میں صیغہ نذر کا نہیں ہے اگر ہو سکے تو اس پر نظر فرما کر اس کا حل فرما دیا جاوے تاکہ اشکال رفع ہو اور اس کا جواب بھی روانہ کر دیا جائے۔

جواب

اس مسئلہ کے متعلق میری رائے پر تین دَور گزرے ہیں۔ ایک زید کی موافقت (حرمت) کا اور مَیں نے تفسیر میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ دوسرا تردّد کا، تفسیر کی جلد ثالث کے منہیہ میں اس تردّد کو ظاہر کیا ہے۔ تیسرا بکر کی موافقت میں (حلت) اور امداد الفتاوی کے فتوی منقولہ سوال میں اسی کا حکم کیا ہے جو کہ تفسیر سے زماناً متاخر ہے، پس اخیر رائے یہی ہے اور پہلی دونوں رائیں مرجوع عنہ ہیں جسکا خلاصہ یہ ہے کہ سوائب ما اہل بہ لغیر اللہ میں داخل نہیں کیونکہ ناذر کا مقصد ان کا ذبح نہیں، پس ان کی حرمت کسی دوسرے عارض (عدم اذن المالک) سے ہوگی جس کے ارتفاع سے حرمت اکل بعد الذبح مرتفع ہو جائے گی۔ چنانچہ بکثرت مفسرین نے آیت یا ایھا الناس کلوا مما فی الارض حلالا طیبا کا سبب نزول اسی تحریم سوائب کو لکھا ہے اور آیت سے حلت کا اثبات اور اس حرمت کی نفی کی ہے اور بعض نے جو دوسرا سبب نزول لکھا ہے انہوں نے بھی اس حلت کی نفی اور حرمت کا اثبات نہیں کیا تو مسئلہ متفق علیہا ہو گیا البتہ میری تحقیق میں ما اھل بہ لغیر اللہ میں ایک دوسرا عموم ہے یعنی منذور بہ لغیر اللہ غیر حیوان کو بھی حکم حرمت کا شامل ہے مگر اس تفصیل سے کہ حیوان کی حرمت مدلول نص بلا واسطہ ہے لان الآیات وردت قطعاً فی الحیوانات اور غیر حیوان کی حرمت مدلول بواسطہ قیاس ہے۔ لاشتراک العلۃ

؏ واما النذر الذی ینذرہ اکثر العوام الخ (البحر الرائق قبیل باب الاعتکاف ص۲۹۸ ج۲) رشید احمد

وهی نیۃ التقرب الی المخلوق، بحر کا فتوی اسی قیاس پر مبنی ہے۔ باقی آپ نے جو خلجان لکھا ہے اس کا جواب قواعد سے یہ ہے کہ منذور بہ لغیر اللہ میں وہ تصرف جس میں تقریر ہے ناذر کی غرض باطل کی حرام ہے لان اعانۃ الحرام حرام اور جس تصرف میں ابطال ہے غرض ناذر کا وہ جائز ہے پس ما اھل بہ لغیر اللہ کے ذبح و تناول میں تو تقریر ہے اس کی غرض اراقۂ دم کی اسلئے حرام ہے اور سوائب کے ذبح و تناول میں ابطال ہے اس کی غرض کا اس لئے حرام نہیں، اور بحر کی جزئیات میں مجاورین کا انتفاع یا ایقاد قنادیل وغیرہ یہ سب تقریر ہے غرض ناذر کی اسلئے حرام ہے۔ اس سے فرق نکل آیا سوائب کے تناول میں اور منذور للقبور کے تناول میں۔ واللہ اعلم

کتبہ اشرف علی

۳ ربیع الثانی سنہ ۵۴ھ

سوائب اور منذور للقبور میں ایک اور فرق بھی معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ منذور للقبور کی حرمت تقرب الی غیر اللہ کی وجہ سے ہے اور تقرب بواسطۂ قربت ہوتا ہے، اور تصدق و اراقۂ دم شرعاً قربت ہے مگر محض تسییب کو شریعت نے قربت نہیں قرار دیا اگرچہ مسیّب اسے قربت سمجھتا ہے لہٰذا سوائب میں تقرب الی غیر اللہ نہیں پایا گیا جو علت تحریم ہے۔

غرضیکہ سائبہ فی نفسہٖ حلال ہے مگر عدم اذن مالک کی وجہ سے حرام ہے۔ اگر مالک کی طرف سے صراحۃً یا اباحتِ عامہ کے تحت اذن پایا جائے تو سائبہ حلال ہے "ما اھل بہ لغیر اللہ" کے عموم میں مٹھائی وغیرہ بھی داخل ہے، اور "وما ذبح علی النصب" کا بالاستقلال ذکر اس پر قرینہ ہے کہ "ما اھل بہ لغیر اللہ" حیوان و غیر حیوان دونوں کو شامل ہے اور اگر اسے حیوان کے ساتھ خاص رکھا جائے تو غیر حیوان کی حرمت ثابت بالقیاس ہوگی بعلۃ التقرب الی غیر اللہ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۶ھ

نجومی کو ہاتھ دکھانا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک مولوی صاحب یہ کہتے ہیں کہ نجومی کو ہاتھ دکھا کر حالات معلوم کرنا جائز ہے، علم غیب تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، نجومی اسباب پر نظر کر کے نتیجہ کی پیشگوئی کرتا ہے جیسے کہ محکمۂ موسمیات اور دوسرے مختلف محکمے اور ماہرینِ فن اسباب

کے پیشِ نظر پیشگوئیاں کرتے رہتے ہیں۔ نیز بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ علم اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو دیا تھا اور نجومی جو وقوع حوادث کی خبر دیتا ہے وہ امر تقدیری بقواعد نجوم بتاتا ہے یہ علم غیب میں شمار نہیں۔ کیا مسلمانوں کے لئے یہ عقائد رکھنا شرعاً جائز ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اسباب سے متعلق عام قاعدہ یہی ہے کہ اگر ان کو مؤثر نہ سمجھا جائے بلکہ درجہ سببیت میں رکھتے ہوئے مسبب پر استدلال کیا جائے تو یہ جائز ہے مگر شریعت نے اس قاعدہ سے علم نجوم کو مستثنیٰ قرار دیا ہے یعنی نجوم سے درجۂ سبب میں بھی واقعات پر استدلال سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ اس استثنار کی حکمت کا سمجھ میں آنا ضروری نہیں، معہذا بظاہر یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ اس میں اتنا غلو ہوگیا ہے کہ اس کی طرف متوجہ ہونے والے بالعموم نجوم کی تأثیر کے قائل ہوجاتے ہیں، محض سببیت پر توقف نہیں کرسکتے، نیز اس علم میں کوئی فائدہ نہیں بلکہ بسا اوقات بہت سی پریشانیوں کا باعث بنتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ شریعت نجوم کی سببیت ہی کا انکار کرتی ہے یعنی نجومی جن اُمور کی نسبت نجوم کی طرف کرتے ہیں شریعت نے ان کی تغلیط کی ہے ویسے مطلقاً سببیت بالخصوص شمس وقمر میں مشاہد ہے، یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ علم نجوم وعلم فراست دراصل صحیح ہیں مگر ان کے قواعد کسی دلیل سے ثابت نہیں اسلئے ان میں عموماً غلطی واقع ہوتی ہے جو بسا اوقات بدگمانی کا باعث بنتی ہے اور بدگمانی سے فتنہ، منافرت اور دیگر کئی مفاسد پیدا ہوتے ہیں چنانچہ چور کی شناخت کا عمل اسی وجہ سے ممنوع ہے۔

افلاطون سے اگر کوئی ملاقات کرنا چاہتا تو پہلے اس کی تصویر منگوا کر بذریعہ فراست اس کے اخلاق معلوم کرتے ملاقات کے قابل ہوتا تو اجازت دیتے۔ ایک شخص کی تصویر دیکھ کر ملاقات سے انکار کر دیا تو اس نے کہا کہ افلاطون کی فراست صحیح ہے واقعی میرے اندر یہ رذائل تھے مگر اب میں نے ان کی اصلاح کرلی ہے، جب افلاطون جیسے مشہور صاحب تصرف اشراقی سے غلطی ہوسکتی ہے اور وہ بدگمانی پیدا کرسکتی ہے تو کوئی دوسرا کیسے محفوظ رہ سکتا ہے۔ غرضیکہ شریعت نے اس سے منع فرمایا ہے اور اس پر شدید وعیدیں آئی ہیں۔

(۱) من اتی عرافا فسأله عن شیء لم تقبل له صلاة اربعین لیلة (صحیح مسلم، مسند احمد بن حنبل)

(۲) من اتی عرافا او کاهنا فصدقه بما یقول فقد کفر بما انزل علی محمد (مسند احمد، مستدرک حاکم)

(۳) من اتی کاهنا فصدقه بما یقول او اتی امرأة حائضا او اتی امرأة فی دبرها

فقد بریٔ مما انزل علی محمد (سنن اربعہ، مسند احمد)

(۴) من اتی کاھنا فسألہ عن شیء حجبت عنہ التوبۃ اربعین لیلۃ فان صدقہ بما قال کفر (طبرانی)

قال فی رد المحتار تحت (قولہ التنجیم) وافاد ان تعلم الزائد علی ھذا المقدار (ای مقدار ما یعرف بہ مواقیت الصلوٰۃ والقبلۃ) فیہ بأس بل صرح فی الفصول بحرمتہ وھو ما مشی علیہ الشارح والظاھر ان المراد بہ القسم الثانی دون الاول ولذا قال فی الاحیاء ان علم النجوم فی نفسہ غیر مذموم لذاتہ اذ ھو قسمان الخ ثم قال) ولکن مذموم فی الشرع وقال عمر تعلموا من النجوم ما تھتدوا بہ فی البر والبحر ثم امسکوا وانما زجر عنہ من ثلاثۃ اوجہ احدھا انہ مضر باکثر الخلق فانہ اذا القی الیھم ان ھذہ الآثار تحدث عقیب سیر الکواکب وقع فی نفوسھم انھا المؤثرۃ وثانیھا ان احکام النجوم تخمین محض ولقد کان معجزۃ لادریس علیہ السلام فیما یحکی وقد اندرس وثالثھا انہ لا فائدۃ فیہ فان ما قدر کائن والاحتراز عنہ غیر ممکن اھ ملخصا (رد المحتار ص۳۰ ج۱)

یہ جو کہا گیا ہے کہ علم نجوم حضرت ادریس علیہ السلام کو بذریعہ وحی بتلایا گیا تھا، اولاً تو یہ بات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی، ثانیاً قواعد نجوم سند سے ثابت نہیں کہ ان پر اعتماد کر لیا جائے، اور یہ کہا جائے کہ یہ وہی علم ہے جو حضرت ادریس علیہ السلام کو دیا گیا تھا۔ ثالثاً خود منجمین اور ان سے پوچھنے والے عام طور پر کواکب کو متصرف و فاعل سمجھتے ہیں جو شرکِ جلی ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

۶ر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ

خالہ زاد سے پردہ کو معیوب سمجھنا کفر ہے

سوال: خالہ، ماموں، پھوپھی اور چچا کے لڑکوں سے پردہ کو بُرا سمجھنے والے کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

خالہ زاد وغیرہ سے پردہ فرض ہے اور شریعت کے کسی حکم کو بُرا سمجھنا کفر ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳ر ذی قعدہ سنہ ۸۷ ہجری

جی ایم سید کفر میں جید

سوال ۔ کتاب "جئین ذنومون" تصنیف جی ایم سید طابع وناشر نور محمد پلیجی برائے ملاحظہ ارسال خدمت ہے، تحریر فرمائیں کہ اس کے مصنف اور طابع وناشر کے بارہ میں شریعت کا حکم کیا ہے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

میں نے اس کتاب کو متعدد مقامات سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ صریح اور ناقابلِ تاویل کفریات کا مجموعہ ہے۔ اس میں مذہب اور خدا پرستی کو وہم پرستی ثابت کرنے کی بار بار کوشش کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات سمع، بصر، رزق، رضا، غضب وغیرہا اور اسلام کے بنیادی عقائد خلقِ انسان، حیات بعد الموت برزخ، قیامت، پل صراط، میزان، جنت اور دوزخ، حج، طواف، رمی، سعی، قربانی، صدقات، ختنہ، جانوروں کی حلت وحرمت، عبادات، اوراد، وظائف اور روزہ وغیرہا احکام کو قدیم وہم پرستی قرار دیا ہے (ص۱۰۲) یہ نمونہ کے طور پر ذکر کیا گیا ورنہ اس دو سو صفحات کی کتاب میں شاید ہی کوئی صفحہ الحاد وکفر سے خالی ہو۔ انتہائی حیرت اور تعجب کا مقام ہے کہ مسلم حکومت اور مسلم ملت میں ایسی صریح اسلام دشمنی اور عقائد واصول اسلام کا علانیہ مذاق اڑانے اور صریح کفر والحاد کی نشر واشاعت کی جرأت کیسے ہوئی؟ پھر مسلمانوں نے اور مسلم حکومت نے اسے برداشت کیسے کیا؟ حکومت پر فرض ہے کہ اس کتاب کے ضبط کا فوری حکم دے اور ایسے مردود دشمنانِ اسلام کو برسرِعام قتل کی عبرتناک سزا دے اور عامۃ المسلمین، خصوصاً علماء کرام کا فرض ہے کہ اس کھلی ہوئی توہینِ اسلام اور کفر والحاد کی نشر واشاعت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں اور اس کی روک تھام کے لئے حکومت سے پُرزور مطالبہ کریں۔ مسلمانوں کے لئے اس کتاب کے مصنف وطابع وناشر کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق رکھنا جائز نہیں۔ ان مرتدین کا نکاح بھی باقی نہیں رہا۔ ان کی بیویوں پر فرض ہے کہ فوراً ان سے الگ ہوجائیں، ان کے ساتھ بیوی جیسا تعلق رکھنا زنا شمار ہوگا اور اس سے پیدا ہونے والی اولاد ولد الزنا ہوگی، واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

۱۳ جمادی الاولیٰ سنہ ھ

نور وبشریت

سوال ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نور سمجھنا کیسا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

نور کے معنی ہیں روشنی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے چاند کو نور فرمایا ہے ھوالذی جعل الشمس ضیاءً والقمر نورًا۔ روشنی چونکہ خود بھی ظاہر ہوتی ہے اور دوسری اشیاء کو بھی روشن اور ظاہر کردیتی ہے اسلئے نور کے التزامی معنی ہیں "الظاھر المظھر" اسی مناسبت سے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی نور کہا جاتا ہے اسلئے کہ وہ خود بھی ہدایت پر ہیں اور دوسروں کے لئے بھی وصول الی اللہ کے راستوں کو ظاہر کرنے والے اور صراطِ مستقیم کی ہدایت کرنے والے، بلکہ اس معنی سے ہر دینی مقتدا نور ہے۔ حدیث میں "اللّٰھم اجعلنی نورًا" کی دُعا سے بھی یہی مراد ہے۔ نور الدین، نور الاسلام، نور اللہ وغیرہ نام رکھنے کا عام دستور ہے، اس سے بھی یہی مقصد ہے۔ یعنی دین اور اسلام کی ہدایت کرنے والا۔ نور اور بشریت میں کوئی منافات نہیں ورنہ بشر کا نام نور الدین وغیرہ رکھنا جائز نہ ہوتا۔ اسی طرح بشر کے لئے "اللّٰھم اجعلنی نورًا" کی دُعا جائز نہ ہوتی۔ کیونکہ اس کے معنی یہ ہوتے کہ "یا اللہ اسے بشریت اور انسانیت سے نکالدے"۔ قرآن کریم میں بھی دینی ہدایت کو نور اور گمراہی کو ظلمت فرمایا گیا ہے او من کان میتًا فاحییناہ وجعلنا لہ نورًا یمشی بہ فی الناس کمن مثلہ فی الظلمات لیس بخارج منھا۔ یہی نور ہدایت بروز حشر روشنی بن کر چمکے گا۔ یسعی نورھم بین ایدیھم وبایمانھم۔ اللہ تعالیٰ خود اپنی ذات کے بارے میں فرماتے ہیں اللہ نور السمٰوٰت والارض۔ حضرات مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی نور بمعنی ہدایت تحریر فرمایا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کی تمام مخلوق کو ہدایت دینے والے ہیں۔ بندہ کے خیال میں اس کا زیادہ واضح اور زیادہ جامع مطلب یہ ہے کہ جس طرح روشنی سے استفاضہ کیا جاتا ہے اسی طرح زمین و آسمان اور ان میں جو کچھ بھی ہے ان سب کا وجود اور صفات محض ربّ کریم کا فیض ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نور بمعنی ہدایت ہی اصل کمال ہے اور یہ ظاہری روشنی سے بدرجہا زیادہ افضل ہے، چنانچہ سورج، چاند اور ستارے ظاہری نور ہونے کے باوجود بشر کے خادم ہیں۔ وسخّر لکم الشمس والقمر دائبین۔ چونکہ بشر اشرف المخلوقات ہے اسلئے اللہ تعالیٰ نے نور ہدایت کے لئے بشر ہی کو منتخب فرمایا۔ ارشاد ہے انّا عرضنا الامانۃ علی السمٰوٰت والارض والجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منھا وحملھا الانسان، منکرین بشریت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی و اُمّی کو اشرف المخلوقات کی جنس اور بشریّت کے اعلیٰ ترین مقام سے گرا کر کس مخلوق میں داخل کرنا چاہتے ہیں؟ اگر ان کا مطلب یہ ہے کہ ملائکہ کی طرح آپ بھی مجردات میں

سے ہیں تو یہ مدعیانِ محبت نادان دوست کی طرح محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو حضرت آدم علیہ السلام سے بھی افضل ہیں۔ بشریت و رسالت میں تضاد کفار کا عقیدہ تھا، وہ کہتے تھے کہ رسول صرف فرشتہ ہی ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے انکے اس غلط عقیدہ پر قرآن کریم میں جا بجا تردید فرمائی ہے۔

الغرض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نور بھی ہیں اور بشر بھی، آپ کی بشریت کا انکار نصوصِ قرآنیہ کے خلاف اور آپ کی توہین کو مستلزم ہونیکی وجہ سے کفر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ر شوال سنہ ۹۱ھ

تکفیرِ مُسلم کفر ہے

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ امیر بادشاہ ایک دینی جماعت کے ایک حلقہ کے ناظم تھے اور کمال الدین صاحب اس جماعت کے مرکزی ناظم۔ امیر بادشاہ نے جماعت میں یہ مسئلہ اٹھایا کہ امام مسلم کو مشرک قرار دو۔ یہ مسئلہ اس جماعت کی شوریٰ کے زیر غور تھا امیر بادشاہ نے اتنی شدت اختیار کی کہ جو کتابیں چھپی ہوئی ہیں ان پر جو رحمہ اللہ لکھا ہے اسے کاٹ دو شوریٰ نے فیصلہ دیا کہ جب تک مسئلہ کا آخری فیصلہ شوریٰ نہ کر دے جب تک رحمہ اللہ نہیں کاٹا جا سکتا، اس پر امیر بادشاہ نے کہا میں ایسی جماعت کا کوئی کام نہیں کروں گا اور جماعت کے کام میں بالکل حصہ نہیں لوں گا یعنی جماعت سے علیحدہ ہو جاؤں گا، اور عملی طور پر الگ ہو گئے۔ کمال الدین صاحب مرکزی ناظم کا ارکان کی میٹنگ میں سارا زور اس بات پر تھا کہ امام مسلم رحمہ اللہ مشرک ہرگز نہیں تھے بلکہ پکے مومن تھے، اتفاق سے ایک اور مسئلہ پر کمال الدین صاحب مرکزی ناظم اور جماعت کے امیر اور شوریٰ کے تمام ارکان میں اختلاف ہو گیا، امیر جماعت اور پوری شوریٰ ایک طرف، کمال الدین صاحب مرکزی ناظم دوسری طرف اکیلے تھے تو امیر بادشاہ اپنے مسئلہ پر قائم رہتے ہوئے اپنی پوری طاقت کے ساتھ کمال الدین صاحب کے ساتھ ہو گئے۔ برائے کرم قرآن و حدیث کی روشنی میں ہمیں تحریر کریں کہ ہم ان کے ساتھ کیا رویہ اختیار کریں، اب سنا ہے، جو صحیح بھی ہے کہ کمال الدین صاحب اس جماعت کے امیر بن گئے ہیں اور امیر بادشاہ مرکزی ناظم بن گئے ہیں۔

بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

حضرت امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقام تو بہت بلند ہے، کسی ادنیٰ مسلمان کو بھی کافر یا مشرک کہنے والا خود کافر ہوجاتا ہے، لہذا امیر بادشاہ جب تک توبہ اور تجدید ایمان کا اعلان نہ کرے اس وقت تک اس کے ساتھ کسی قسم کا تعلق رکھنا جائز نہیں. اگر امیر بادشاہ شادی شدہ ہے تو اس کا نکاح بھی دوبارہ پڑھا جائے، تجدید ایمان کے بعد تجدید نکاح بھی لازم ہے، کمال الدین. اگرچہ تکفیر مؤمن جیسے کفر کا مرتکب نہیں ہوا مگر امیر بادشاہ کے ساتھ تعلق وتعاون کی وجہ سے فاسق ہے جب تک اس سے قطع تعلق کا اعلان نہ کرے اس وقت تک اس کے ساتھ بھی کسی قسم کا تعلق رکھنا جائز نہیں۔ حکومت پر فرض ہے کہ ان دونوں کو عبرتناک سزا دے. عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایّما رجل قال لاخیہ کافر فقد باء بہا احدھما (متفق علیہ) وعن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یرمی رجل رجلاً بالفسوق ولا یرمیہ بالکفر الا ارتدت علیہ ان لم یکن صاحبہ کذلک (رواہ البخاری) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰ رجمادی الآخرہ ۹۵ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لا یؤمن احدکم حتی یکون هواه تبعا لما جئت به (شرح السنۃ)

ایمان وکفر کا معیار

○ گاندھی کو مسلمان سمجھنا کفر ہے

○ مسلمان کی تعریف

سوال: گاندھی نے جلسۂ عام میں تقریر کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے۔ "مجھے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کلمہ کیوں نہ پڑھوں؟ کیوں میں اللہ کی تعریف نہ کروں؟ کیوں میں محمد کو اپنا پیغمبر نہ سمجھوں مجھے سب مذاہب اور دھرموں کے مہاتماؤں اور پیغمبروں میں وشواش ہے۔" مذکورہ الفاظ کہنے سے گاندھی کو مسلمان کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟ جواب جلد عنایت فرمائیں کیونکہ مجھے ایک تبلیغی رسالے کے لئے ضرورت ہے۔

بینوا بالبرهان اجرکم الرحمٰن

الجواب ومنه الصدق والصواب

ایمان کی تعریف یہ ہے هو التصديق بما علم مجيء الرسول صلى الله عليه وسلم به اجمالا فيما علم اجمالا وتفصيلا فيما علم تفصيلا اس تعریف میں تصدیق سے مراد تصدیق منطقی یعنی معرفت وادراک نسبت نہیں اور نہ ہی تصدیق لغوی (ای نسبة الصدق الی القائل) مراد ہے بلکہ مقصود تصدیق شرعی ہے جو کہ امور ثلاثہ کا مجموعہ ہے (۱) معرفت (۲) تصدیق لغوی (۳) انقیاد و استسلام۔ یا یوں کہا جائے کہ ایمان کی حقیقت صرف تصدیق لغوی ہے مگر ایمان کے تحقق کے لئے معرفت اور انقیاد شرط ہیں۔ عند الجهمية ایمان صرف معرفت ہے وهو مردود لانها غير اختيارية والايمان اختياري لكونه مكلفا به والتكليف وارد على الافعال الاختيارية. وايضا قوله تعالى فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ اى اكتسبه يدل على كون الايمان كسبيا والمعرفة ليست بكسبية وايضا المعرفة كيف والتصديق فعل وبينهما تضاد۔

قرآن مجید کی نصوص بھی جہمیہ کی تردید کر رہی ہیں، قال الله تعالى وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا۔ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ۔ وَلَمَّا جَاءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ۔ وقال الله تعالى حكاية عن موسى عليه السلام مخاطبا لفرعون لَقَدْ عَلِمْتَ مَا أَنزَلَ هَٰؤُلَاءِ إِلَّا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ بَصَائِرَ وَإِنِّي لَأَظُنُّكَ يَا فِرْعَوْنُ مَثْبُورًا ۝

غرضیکہ ایمان کے لئے صرف معرفت کافی نہیں۔ بلکہ تصدیق اور انقیاد بھی لازمی ہیں۔ قال امام الحرمين في الارشاد التصديق على التحقيق كلام النفس ولكن لا يثبت الا مع العلم الخ قال ابن الهمام وظاهر عبارة الاشعري في هذا السياق ان التصديق كلام للنفس مشروط بالمعرفة يلزم من عدمها عدمه ويحتمل ان الايمان هو المجموع من المعرفة والكلام النفسي فيكون كل منها ركنا من الايمان فلا بد في تحقيق الايمان على كلا الاحتمالين من المعرفة اعني ادراك مطابقة دعوى النبي صلى الله عليه وسلم للواقع ومن امر آخر هو الاستسلام الباطن والانقياد لقبول الاوامر والنواهي المستلزم للاجلال وعدم الاستخفاف (مع التبري من الكفر الذي كان فيه) وهذا الاستسلام الباطن هو المراد بكلام النفس وبه عبر المصنف (اى الغزالي) في كلامه على الايمان والاسلام وانما قلنا انه لا بد مع المعرفة من الامر الآخر وهو الاستسلام الباطن لما تقدم من ثبوت مجرد تلك المعرفة مع قيام الكفر الخ. قال العلامة الزبيدي في شرح الاحياء الاظهر ان التصديق قول للنفس غير المعرفة لان المفهوم من التصديق لغة هو نسبة الصدق الى القائل وهو فعل والمعرفة ليست فعلا انما هي من قبيل الكيف المقابل لمقولة الفعل فلزم خروج كل من الانقياد الذي هو الاستسلام ومن المعرفة عن مفهوم التصديق لغة مع ثبوت اعتبارها شرعا

فی الایمان و ثبوت اعتبارھا بھذا الوجه علی انھما جزءان لمفھومه شرعًا اوشرطان لاعتبارہ لاجراء احکامه شرعًا والثانی ھو الاوجه اذ فی الاول یلزم نقل الایمان من المعنی اللغوی الی معنی اخرشرعی وھو بلا دلیل یقتضی ووقوعه منتف لانه خلاف الاصل فلا یصار الیه الا بدلیل ولا دلیل بل قد کثر فی الکتاب والسنّة طلبه من العرب واجاب من اجاب الیه دون استفسار عن معناہ وان وقع استفسار منھم فانما ھو عن متعلق الایمان وعدم تحقق الایمان بدون المعرفة والاستسلام لایستلزم جزئیتھما لمفھومه شرعًا لجواز ان یکونا شرطین للایمان شرعًا وحقیقته التصدیق بالامور الخاصة بالمعنی اللغوی واذا تقرر ذٰلك ظھر ثبوت التصدیق لغةً بدونھما مع الکفر الذی ھو ضد الایمان اھ . و ناقش فی بعضه العلامة الآلوسی فقال بعد کلام وحاصل ذٰلك منع حصول التصدیق للمعاند فانه ضد الانکار وانما الحاصل له المعرفة التی ھی ضدّ النکارة والجھالة وقد اتفقوا علی ان تلك المعرفة خارجة عن التصدیق اللغوی وھو المعتبر فی الایمان .(فتح الملھم ج ۱)

غرضیکہ تصدیق لغوی معرفت اور انقیاد سے جدا ہوسکے یا نہ ہوسکے بہرکیف ایمان کے تحقق کے لئے انقیاد ضروری ہے انقیاد کے سوا تبانی اقرار بھی معتبر نہیں۔ اظہارِ حق میں ہرقل کے الفاظ کتنی اہمیت رکھتے ہیں مگر پھر بھی فقدانِ انقیاد کی وجہ سے اسے مومن نہیں کہا جاسکتا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے شئون بیان کرنے کے بعد ہرقل کہتا ہے " فان کان ما تقول حقا فسیملك موضع قدمیّ ھاتین وقد کنت اعلم انه خارج ولم اکن اظن انه منکم فلو انی اعلم انی اخلص الیه لتجشّمتُ لقاءہ ولو کنت عندہ لغسلتُ عن قدمیه " قال ھرقل ھٰذا ملك ھٰذہ الامة قد ظھر " اتاہ کتاب من صاحبه یوافق رأی ھرقل علی خروج النبی صلی اللہ علیه وسلّم وانه نبی " فقال یا معشر الروم ھل لکم فی الفلاح والرشد وان یثبت ملککم فتتابعوا ھٰذا النبیّ (بخاری)

وفی الفتح عن الطبرانی " فقال قیصر اعرف انه کذٰلك " وفی مرسل ابن اسحٰق " ان ھرقل قال ویحك واللہ انی اعلم انه نبیّ مرسل " وفی مسند احمد انه کتب من تبوك الی النبی صلی اللہ علیه وسلم انی مسلم فقال النبیّ صلی اللہ علیه وسلم کذب بل ھو علی نصرانیته وفی کتاب الاموال لابی عبید بسندٍ صحیح من مرسل بکر بن عبد اللہ المزنی نحوہ ولفظه فقال کذب عدو اللہ لیس بمسلم فعلی ھٰذا اطلاق صاحب الاستیعاب انه اٰمن ای اظھر التصدیق لکنه لم یستمر علیه ولم یعمل بمقتضاہ بل شحّ بملکه وآثر الفانیة علی الباقیة واللہ الموفق (فتح الباری جلد ۱)

قال النووی لاعذر فیما قال لو انی اعلم لتجشّمتُ لانه قد عرف صدق النبی صلی اللہ علیه وسلم

وانہ شحّ بالملک ورغب فی الریاسۃ فآثرھما علی الاسلام وقد جاء ذلک مصرحاً بہ فی صحیح البخاری الخ

(عمدۃ القاری ج ۱)

ہرقل نے زبان سے بھی اقرار کیا اور لکھ کر بھی بھیجا کہ میں مسلم ہوں۔ معہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تکذیب فرمائی۔ اس لئے کہ انقیاد نہ تھا۔ حضرت ورقہ بن نوفل پر بھی صرف ان کے اقرار اور الفاظ کی وجہ سے مسلم ہونے کا حکم نہیں لگایا جاتا۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیا سے آپ کا ایمان ثابت ہوا۔ ابو طالب نے کس قدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت کا اظہار کیا۔ اشاعتِ اسلام میں کس قدر تکالیفِ شاقہ برداشت کیں۔ قول وعمل ہر طرح سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرتے رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

قد عوتنی وعلمت انک صادق	ولقد صدقت وکنت قبل امینا
واللہ لن یصلوا الیک بجمعھم	حتی اوسّد فی التراب دفینا
فاصدع بامرک لا نسبک عضاضۃ	وابشر بذاک و قرّ منک عیونا
ولقد علمت بان دین محمد	من خیر ادیان البریۃ دینا
لولا الملامۃ اوحذاری سبّۃ	لوجدتنی سمحاً بذاک مبینا

اس کے باوجود انقیاد نہ ہونے کی وجہ سے ابو طالب کو مومن نہیں کہا جا سکتا۔

نقل فی فتح الملہم قول الحافظ ابن تیمیۃ بل ابو طالب وغیرہ کانوا مع محبتھم للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ومحبتھم لعلو کلمتہ من عدم حسدھم لہ وعلمھم بصدقہ واقرارھم بہ حملھم الفھم لدین قومھم وکراھتھم لفراقہ وذم قریش لھم علی عدم اتباعہ علی دینہ القویم وھدیہ المستقیم فلم یترکوا الایمان لعدم العلم بل لھوی الانفس فکیف یقال معہذا ان کل کافر انما کفر لعدم علمہ باللہ اھ

وعلی ھذا فالکفر انواع کفر انکار وکفر جحود وکفر عناد وکفر نفاق یعنی ان کان التکذیب ای عدم التسلیم بالقلب وباللسان جمیعاً فھو الاول وان کان باللسان فقط مع حصول المعرفۃ والاستیقان بالقلب فھو الثانی وان کان مع حصول المعرفۃ والاقرار باللسان لمحض العناد فھو الثالث (ہرقل، ابو طالب اور گاندھی اسی قسم میں داخل ہیں) وان کان بالقلب فقط مع التسلیم والانقیاد باللسان فھو الرابع (فتح الملہم ج ۱)

مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ ایمان کے تحقق کے لئے انقیاد لازم ہے پھر وجود تحقق انقیاد کے لئے اصل یہ ہے کہ اسے ہر شخص یوں سمجھنے لگے کہ یہ اپنا اصل دین چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو گیا ہے۔ اس

؎ الظاھر واللہ اعلم انہ وقع ھھنا فی عبارۃ فتح الملہم سقط وھو "ان لا یقبلوا" او نحوہ ۱۲ منہ

ایمان وکفر کا معیار ــــــ ۴

قانون کی تفصیل شرح التنویر میں باب الفاظ مسطور ہے۔ الکفار اصناف خمسة من ینکر الصانع کالدھریة ومن ینکر الوحدانیة کالثنویة ومن یقرّ بھما لکن ینکر بعثة الرسل کالفلاسفة ومن ینکر الکل کالوثنیة ومن یقر بالکل لکن ینکر عموم رسالة المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کالعیسویة فیکتفی فی الاولین بقول لآ اِلٰہَ اِلاَّ اللہ وفی الثالث بقول محمد رسول اللہ وفی الرابع باحدھما وفی الخامس بھما مع التبری عن کل دین یخالف دین الاسلام (الی قولہ) والذی افتی بہ صحتہ بالشھادتین بلا تبر لان التلفظ بھا صار علامة علی الاسلام فیقتل ان رجع مالم یعد، وفی الشامیة تحت (قولہ فیکتفی فی الاولین الخ) لان ھؤلاء یمتنعون عن الشھادة اصلا فاذا اقرّوا بھا فذلک دلیل ایمانھم. وتحت قولہ (وفی الثالث الخ) فلو قال لآ اِلٰہَ اِلاَّ اللہ لا یحکم باسلامہ لانہ منکر الرسالة ولا یمتنع عن ھذہ المقالة ولو قال اشھد ان محمد رسول اللہ یحکم باسلامہ لانہ یمتنع عن الشھادة فکان الاقرار بھا دلیل الایمان وتحت قولہ فی الرابع الخ) عللہ فی البدائع لانہ منکر الامرین جمیعًا فبایھما شھد دخل فی الاسلام (الی قولہ) وزاد انہ لو قال انا مسلم فھو مسلم لانّ عبدة الاوثان لا یدعون ھذا الوصف لانفسھم بل یبرء ون علی قصد المغایظة للمسلمین وکذا لو قال انا علی دین محمد او علی الحنفیة او علی دین الاسلام وتحت (قولہ وفی الخامس الخ) والظاھر انہ لو اتی بالشھادتین وصرح بتعمیم الرسالة الی بنی اسرائیل وغیرھم او قال اشھد ان محمدا رسول اللہ الی کافة الخلق الانس والجن یکفی عن التبری ایضًا کما صرّح بہ الشافعیة وتحت عنوان (تنبیہ) قلت وانما اکتفی علیہ الصلوٰة والسلام بالشھادتین لان اھل زمانہ کانوا منکرین لرسالتہ اصلا کما یأتی ثم اعلم انہ یؤخذ من مسئلة العیسوی ان من کان کفرہ بانکار امر ضروری کحرمة الخمر مثلا انہ لابد من تبرئہ مما کان یعتقدہ لانہ کان یقرّ بالشھادتین معہ فلابدّ من تبرئہ منہ کما صرّح بہ الشافعیة وھو ظاھر وتحت (قولہ بل عمم فی البدائع الخ) اما الیھود والنصاریٰ فکان اسلامھم فی زمنہ صلی اللہ علیہ وسلم بالشھادتین لانھم کانوا ینکرونَ رسالتہ صلی اللہ علیہ وسلم واما الیوم ببلاد العراق فلا یحکم باسلامہ بھما مالم یقل تبرّأتُ عن دینی ودخلتُ فی دین الاسلام لانھم یقولون انہ رسول الی العرب والعجم لا الی بنی اسرائیل کذا صرّح بہ محمد وفی شرح السِّیر للسرخسی واما الیھود والنصاریٰ الیوم بین ظھرانی المسلمین اذا اتی واحد منھم بالشھادتین لا یکون مسلما لانھم جمیعًا یقولون ھٰذا لیس من نصرانی ولا یھودی عند نسألہ الا قال ھٰذہ الکلمة فاذا استفسرتہ قال رسول اللہ الیکم

لا الی بنی اسرائیل، ثم قال ولو قال انا مسلم لم یکن مسلما بھذا لان کل فریق یدعی ذلك لنفسہ ،
فالمسلم هو المستسلم للحق وکل ذی دین یدعی انہ منقاد للحق وکان شیخنا الامام یقول الا المجوس
فی دیارنا فان من یقول منهم أنا مسلم یصیر مسلما لانهم یأبون هذه الصفة ویسبون به اولادهم
ویقولون یا مسلمان اھ (الی قولہ) فعلی هذا یقال کذلك فی الیهود والنصاری فی بلادنا
فانهم یمتنعون عن قول مسلم حتی ان احدهم اذا اراد منع نفسہ عن امر یقول ان فعلتہ اکون مسلما
فاذا قال انا مسلم طائعا فهو دلیل اسلامه وان لم یسمع منه النطق بالشهادتین کما صرح به فی شرح
السیر فیمن صلی بجماعة فانه یحکم باسلامه وبانه یحکم بالاسلام بمجرد سیما المسلمین فی حق الصلوة
علیه اذا مات وکذا یمتنعون من النطق بالشهادتین اشد الامتناع فاذا اتی بهما طائعا یجب الحکم
باسلامه لانه فوق السیما اذ لاشك ان محمدًا انما اشترط التبری بناء علی ما کان فی زمنه من
اقرارهم بالرسالة علی خلاف ما کان فی زمن النبی صلی الله علیه وسلم من انکارها فاذا انکروها
فی زماننا وامتنعوا من النطق بالشهادتین یجب ان یرجع الامر الی ما کان فی زمنه صلی الله علیه وسلم
اذ لم یبق وجه للعدول عنه علی ان محمدًا انما حکم علی ما کان فی بلاد العراق لامطلقا کما یوهمه
ما فی الدر وعن هذا ذکر العلامة قاسم انه سئل عن شامی (الی قولہ) فانهم ذکروا ان
بعض الیهود یخصص رسالة نبینا صلی الله علیه وسلم بالعرب وهذا یکفیه مجرد الشهادتین بخلاف من
ینکر الرسالة اصلاً وبعض من اعمی الله قلبه جعلهم فرقة واحدة فی جمیع البلاد حتی حکم
فی نصرانی منکر للرسالة تلفظ بالشهادتین ببقائه علی النصرانیة لانه لم یتبرأ . والحاصل
ان الذی یجب التعویل علیه انه ان جهل حاله یستفسر عنه وان علم کما فی زماننا فالامر
ظاهر وقال تحت (قولہ لان التلفظ بها صار علامة علی الاسلام الخ) افاد بقوله صار الی
ان ما کان فی زمن الامام محمد تغیر لانهم فی زمنه ما کانوا یمتنعون عن النطق بها فلم تکن علامة
الاسلام فلذا اشترط معها التبری اما فی زمن قاری الهدایة فقد صارت علامة الاسلام
لانه لا یأتی بها الا المسلم کما فی زماننا هذا (الی قولہ) وهذا یجب المصیر الیه فی دیار المصر
بالقاهرة لانه لا یسمع من اهل الکتاب فیها الشهادتان ولذا قیده محمد بالعراق
(الی قولہ) احمد بن کمال باشا (الی قولہ) وهو المعمول به فلیحفظ . وقال تحت عنوان (تتمة)
اعلم ان الاسلام یکون بالفعل ایضا کالصلوة بجماعة او الاقرار بها او الاذان فی بعض المساجد

عہ ہرقل نے بھی اسی لیے "انا مسلم" لکھا تھا۔ ۱۲ منہ

او الحج وشهود المناسك لا الصلوٰة وحده ومجرد الاحرام بحج وقدم الشارح ذلك نظماً فی اول کتاب الصلوٰة وقدمنا الکلام علیه مستوفیً وذکرنا ھناك انه لا فرق فی الاسلام بالفعل بین العیسوی وغیرہ والمراد انه دلیل الاسلام فیحکم علی فاعل ذلك به الخ (ردّ المحتار، کتاب الجهاد باب المرتد ج ۳)

درمختار اور ردّالمحتار کی مفصل عبارات سے ظاہر ہوا کہ تحقق انقیاد کا مدار عرف پر ہے. موجودہ عرف میں گاندھی جیسے الفاظ کہنے والے کو مسلم متصور نہیں کیا جاتا، نہ ہی غیر مذاہب کے لوگ ایسے الفاظ سے احتراز وامتناع کرتے ہیں۔ گاندھی سے بھی زیادہ اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف مختلف اہل مذاہب سے نثر ونظم میں ثابت ہے۔ ایسے الفاظ کے تکلم کے بعد بھی عوام ہندو مسلم اور خود متکلم بھی خود کو ہندو ہی سمجھتا ہے. کسی کو اس کے مسلمان ہوجانے کا وہم بھی نہیں گزرتا. اسی وجہ سے گاندھی کے مرنے کے بعد مسلم علماء میں سے جو گاندھی کی سوانح سے بخوبی واقف تھے . بلکہ سیاست میں اس کے رفیق راہ تھے انہوں نے گاندھی پر نماز جنازہ اور تجہیز وتکفین کا مطالبہ نہ کیا اور نہ ہی ہندو قوم نے اسے مسلمان سمجھ کر اس کی تجہیز سے بیزاری ظاہر کی. غرضیکہ گاندھی کے ان الفاظ کی وجہ سے نہ ہی مسلمانوں نے اسے مسلمان سمجھا اور نہ ہندوؤں نے. اور نہ خود گاندھی کو یہ علم یا خیال ہوا کہ ان الفاظ سے وہ مسلمان ہوگیا ہے ۔اس لئے آئندہ مسلمانوں کی روش اختیار کرے. یا کم از کم مرتے وقت نماز جنازہ کی وصیت کر جاتے ایسے الفاظ بلکہ اس سے بھی زیادہ ہمیشہ غیر مذاہب میں سے فہمیدہ اشخاص کہتے رہتے ہیں مگر کوئی شخص بھی ان کو مسلمان نہیں سمجھتا۔ موجودہ عرف میں مسلمان جب سمجھا جاتا ہے کہ صاف کہے کہ میں مسلمان ہوں یا بلا استہزاء شہادتین پڑھے اور آئندہ مسلمانوں کی روش اختیار کرے نیز گاندھی کا یہ جملہ " مجھے سب مذاہب اور دھرموں کے مہاتماؤں اور پیغمبروں میں وشواش ہے" یہ عقیدہ اسلام کے خلاف ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ گاندھی موجودہ جملہ مذاہب اسلام، عیسائیت، یہودیت اور ہندو، سکھ وغیرہ کو حق سمجھتا تھا اس آخری جملہ سے گاندھی کا عقیدہ اور اس کا اسلام میں داخل نہ ہونا صاف ظاہر ہے

حقیقت یہ ہے کہ گاندھی اس قسم کے اعلان صرف مسلمانوں کو فریب دینے کے لئے کرتا تھا جیسے شکاری شکار کو پھانسنے کے لئے اس کی بولی بولتا ہے اگر گاندھی واقعۃً اسلام کو حق سمجھتا تھا تو اسکے لئے قبول اسلام سے مانع کیا تھا؟ اس جیسے مکار اور قطعی کافر کو مسلمان سمجھنا کفر ہے۔ فقط واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

۲۲ ربیع الآخر سنہ ۹۴ ہجری

۵

ایمان وکفر کا معیار ـــــ ۷

مُسلمانَ کی تعریف

سوال: ایک رسالہ "مُسلمان کی تعریف" ارسالِ خدمت ہے۔ اسکی تلبیسات کی قدرے تفصیل سے وضاحت فرماکر اُمتِ مسلمہ کی رہنمائی فرمائیں۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مضمون نگار کا یہ کہنا کہ "عمر بھر درس و تدریس اور فتوی دینے والے علما اُس سوال سے بہت چکرائے مشکل سے جواب دے سکے اور متضاد جوابات دیکر خود ایک دوسرے کی تکذیب کر بیٹھے" خلافِ حقیقت ہونے کے علاوہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے سخت اور خطرناک حد تک مضر بھی ہے۔ درحقیقت یہ بے دین حکومت اور رسوائے زمانہ منیر کمیشن کی تلبیس اور غلط پروپیگنڈہ ہے۔

مضمون نگار کو یہ خیال نہ آیا کہ جب قرآن، حدیث اور فقہ کی خدمت میں عمریں صرف کر دینے والے اور قوانینِ اسلام کے ماہرین بھی آج تک اسلام اور مسلمان کا صحیح مفہوم نہ بیان کر سکے تو اسلام کو دُنیا میں باقی رہنے کا کیا حق ہے؟ یہ تحریر قصرِ اسلام میں شگاف ڈالنے، اس کی بُنیادوں کو متزلزل کرنے اور اعداءِ اسلام کو منجنیق مہیّا کرنے کے مترادف ہے۔ مضمون نگار نے اسے دانستہ یا نادانستہ اس انداز سے لکھا ہے کہ اس سے قرآن، حدیث اور فقہ کے تمام تر ماہرین پر مضمون نگار کی فوقیت کا دعوی مترشح ہوتا ہے انھوں نے اس تحریر کی مضرت کی طرف توجّہ نہ کی اور یہ نہ سوچا کہ اس سے انھوں نے کیا پایا اور کیا گنوایا؟ ؎

اَے چشمِ اشکبار ذرا دیکھ تو سہی — یہ گھر جو بہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہو

مسلمان کی تعریف میں علماءِ دین کی عبارات کے اختلاف کو تضاد سے تعبیر کرنا جہالت یا تلبیس کے سوا کچھ نہیں۔ اگر اختلافِ عبارت اختلافِ حقیقت کو مستلزم ہے تو خود مضمون نگار نے مُسلمان کی تعبیر میں ایسی آیات اور احادیث کیوں پیش کی ہیں جن کی عبارتیں مختلف ہیں، اس پر یہ شبہہ کیوں نہ ہوا کہ آیات اور احادیث متضاد ہیں اور یہ نتیجہ کیوں نہ نکالا گیا کہ معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی "مُسلمان" کی صحیح تعریف بیان نہ کرسکے۔

مضمون نگار کا مسلمان کی تعریف کے اس طریقے کو غلط قرار دینا بالکل بجا ہے کہ جس فرقہ کو اسلام سے خارج کرنا یا اسے کافر قرار دینا ہو اسے پہلے ذہن میں محفوظ رکھیں پھر "مسلمان" کی کوئی ایسی تعریف نکالیں جس میں صرف وہی فرقے داخل ہوسکیں جن کو تعریف کرنے والے داخل کرنا چاہیں

صحیح طریقہ یہی ہے کہ بالکل خالی الذہن ہوکر کتاب و سُنت سے مسلمان کی تعریف اخذ کی جائے اور اسکی مطلقاً پرواہ نہ کی جائے کہ اس کی رُو سے کون مسلمان اور کون کافر قرار پاتا ہے، جو فرقہ بھی اس تعریف میں آجائے وہ مسلمان اور جو اس سے نکل جائے وہ کافر ہوگا۔

بطریقِ مذکور قرآن و حدیث میں غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کی تعریف بہت جامع، مختصر اور بہت سہل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو صحیح ماننا اسلام ہے علماء نے اسکی تعبیر یوں کی ہے اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ کَمَا ھُوَ بِاَسْمَآئِہٖ وَصِفَاتِہٖ وَقَبِلْتُ جَمِیْعَ اَحْکَامِہٖ، قرآن و حدیث کی نصوص میں جہاں کہیں ایمان باللہ کے ساتھ دوسری اشیاء مذکور ہیں مثلاً ملائکہ، کتب، رسل، یومِ آخرت وغیرہ یہ مستقلاً مراد نہیں اور نہ ہی ان میں حصر مقصود ہے بلکہ یہ سب ایمان باللہ ہی کے چند اہم شعبے ہیں۔ انکی اہمیت ظاہر کرنے کی خاطر ان کو مستقلاً ذکر کردیا گیا ہے استیعاب مقصود نہیں یہ امر ظاہر اور مسلّم ہونے کے علاوہ اسلئے بھی اِنکار کی گنجائش نہیں رکھتا کہ اگر ان جملہ اُمور کی مستقل حیثیت تسلیم کرلی جائے، تو قرآن و حدیث میں اسلام کی تعریف میں ہر مقام پر ان تمام امور کا ذکر لازم تھا حالانکہ ایسا نہیں بلکہ مختلف مقامات پر یہ امور کمی بیشی کے ساتھ مذکور ہیں حتیٰ کہ بہت سے مواضع میں تو صرف ایمان باللہ ہی پر اکتفاء کیا گیا ہے اسی طرح ایمان بالرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صرف رسالت کی تصدیق کافی نہیں بلکہ آپ کے ہر حکم کی تصدیق لازم ہے علیٰ ہذا القیاس ملائکہ اور یوم آخرت کے صرف وجود اور وقوع کو ماننا کافی نہیں بلکہ ان سے متعلق اللہ تعالیٰ کی ہر ہدایت کی تصدیق ضروری ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ علم کیسے ہو کہ فلاں حکم اللہ تعالیٰ کا حکم ہے تاکہ اس کے مُنکر کو کافر قرار دیا جائے تو اس کے دو طریقے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ بالمشافہہ کوئی حکم معلوم ہو۔

(۲) تواتر سے یقینی اور بدیہی طور پر یہ ثابت ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا ان دونوں طریقوں سے حاصل ہونے والے علم کو علم بدیہی و ضروری کہا جاتا ہے اور ایسے احکام کو "ضروریاتِ دین" کا نام دیا جاتا ہے جن میں سے ایک کا انکار بھی کفر ہے، مثلاً کسی نے حضور کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے روبرو بلا واسطہ یہ حکم سُنا کہ "میں خاتم النّبیّین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا" اس سُننے والے کو اگر اس حکم کے صدق میں ذرا بھی تردّد ہو تو وہ بلا شبہہ کافر ہوگا بعینہٖ اسی طرح جب یہ حکم ہم تک بطریقِ تواتر پہنچا اور بداہۃً و ضرورۃً اس کا حکمِ الٰہی ہونا ثابت ہوگیا تو اس کے منکر کے کفر میں کسی شبہہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

مضمون نگار نے اپنے مجموعۂ عجائب میں ایک اعجوبہ یہ بھی لکھا ہے کہ "ضروریاتِ دین کی فہرست کوئی عالم پیش نہ کرسکا" ضروریاتِ دین کوئی پانچ دس نہیں کہ ان کی فہرست تیار کی جاسکے، احکامِ ضروریہ اسقدر کثیر ہیں کہ ان کی فہرست لکھنے کی اگر کوئی حماقت کرے بھی تو استیعاب نہیں کرسکے گا اور استیعاب کی ضرورت بھی نہیں اتنا ضروری ہے کہ احکام شرعیہ سے جو مسئلہ بھی سامنے آئے ہم اسکے بارے میں بلاتردّد یہ بتاسکیں کہ یہ ضروریاتِ دین میں داخل ہے یا نہیں۔ سو الحمد للہ علماءِ دین کو اس فیصلے میں کبھی کوئی اشکال پیش نہیں آسکتا۔

مضمون نگار نے مسلمان کی تعریف کے لئے قرآنِ کریم کی چھ آیتیں تحریر کی ہیں۔

(۱) انما المؤمنون الّذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم واذا تلیت علیھم اٰیٰتہٗ زادتھم ایمانا وعلیٰ ربّھم یتوکّلون۝ الّذین یقیمون الصّلوٰۃ وممّا رزقنٰھم ینفقون۝ اولٰئک ھم المؤمنون حقا (۸۔۴)

(۲) فان لّم یستجیبوا لکم فاعلموا انّما انزل بعلم اللہ وان لّا الٰہ الّا ھو فھل انتم مّسلمون۝ (۱۱۔۱۴)

(۳) واذ اوحیت الی الحواریّین ان اٰمنوا بی وبرسولی قالوا اٰمنّا واشھد باننا مسلمون (۵۔۱۱۱)

(۴) قل انّما یوحیٰ الیّ انّما الٰھکم الٰہ واحد فھل انتم مّسلمون ۝ (۲۱۔۱۰۸)

(۵) فان تابوا واقاموا الصّلوٰۃ واٰتوا الزّکوٰۃ فاخوانکم فی الدّین (۹۔۱۱)

(۶) فاٰمنوا باللہ ورسولہ النبیّ الاُمّی الّذی یؤمن باللہ وکلمٰتہٖ واتبعوہ لعلکم تھتدون۝ (۷۔۱۵۸)

ان میں ایمان باللہ کی تفسیر میں "خدا کی توحید" لکھا ہے حالانکہ ایمان باللہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام پر ایمان لائے توحید بھی صرف وہی معتبر ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہوگی ورنہ یہود و نصاریٰ حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دینے اور عقیدۂ تثلیث کے باوجود مدعی توحید تھے، بلکہ مشرکین بھی ہزاروں معبودوں کی پرستش کرنے کے باوجود اپنے کو موحّد ہی سمجھتے تھے اور برملا کہتے تھے (الا شریکا ھو لک تملکہ وما ملک) مگر ان کی توحید اس لئے معتبر نہیں کہ حکمِ الٰہی کے مطابق نہیں، ہم اوپر تحریر کرچکے ہیں کہ اسلام سے متعلق آیات و احادیث میں مقصود صرف ایمان باللہ ہے اور بقیہ امور اسی ایمان باللہ کے اہم شعبے ہیں۔ پیش نظر چھ آیتوں میں تو بعض ایسے امور مثلاً نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا وغیرہ بھی مذکور ہیں کہ غالباً مضمون نگار بھی انکے تارک کو کافر نہ کہے گا۔

اس کے بعد مضمون نگار نے مسلمان کی تعریف کے لئے چند حدیثیں پیش کی ہیں۔

(۱) حدیثِ جبریل علیہ السلام۔

(۲) بنی الاسلام علی خمس الخ

ان دو حدیثوں کا مضمون وہی ہے جو آیاتِ قرآنیہ میں ہے۔ ان کی تشریح اوپر گزر چکی ہے

(۳) جس شخص نے ہماری نماز پڑھی اور ہمارے قبلہ کو مانا اور ہمارا ذبیحہ کھایا تو وہ مسلمان ہے (مشکوٰۃ)

اس حدیث میں مسلمان کی تعریف نہیں بلکہ علامات بتائی گئی ہیں۔ اگر اسے مسلمان کی تعریف قرار دیا جائے تو توحید و رسالت کا منکر بھی کافر نہ ہوگا لہٰذا لازماً کہنا پڑے گا کہ یہ اُمور مسلمان کی علامات میں سے ہیں اور محض علامات سے حقیقت ثابت نہیں ہوا کرتی۔ مثلاً جھوٹ بولنے کو حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کی علامت بتایا ہے مگر پوری اُمت کا اتفاق ہے کہ کوئی مسلمان محض جھوٹ بولنے سے منافق نہیں ہو جاتا، نیز زمانے کے اختلاف سے علامات بدلتی رہتی ہیں۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کوئی مسلمان ضروریاتِ دین کا منکر نہ تھا اس لئے اُمور بالا مسلمان کی حتمی علامت شمار ہوتے تھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کسی میں کفر کی کوئی وجہ ظاہر ہو جانے کے بعد بھی محض علاماتِ مذکورہ کی بنا پر اسے مسلمان سمجھا جائے گا، اگر یہ مسلمان کی تعریف ہے تو آخر منافقین بھی تو یہ کام کیا کرتے تھے ان کو مسلمان کیوں نہیں شمار کیا گیا؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم مانعین زکوٰۃ کے ساتھ جہاد کیا حالانکہ وہ مذکورہ افعال کے پابند تھے مسیلمہ کذاب بھی نماز پڑھتا تھا اذان دلاتا تھا اور اس کی اذان میں اشهد ان محمداً رسول الله کا اعلان بھی ہوتا تھا (تاریخ طبری ص۲۴۴ ج ۳) پھر اسے کیوں مسلمانوں کی فہرست سے نکالا گیا؟

(۴) بخاری میں ہے کہ ایک صاحب کو ایک مسلمان غلام آزاد کرنا تھا وہ احمق سی کوئی حبشیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے اور دریافت کیا کہ کیا یہ مسلمان ہے؟ آپ نے اس سے پوچھا کہ خدا کہاں ہے؟ اس نے آسمان کی طرف انگلی اُٹھادی، آپ نے ان صاحب سے فرمایا لیجاؤ یہ مسلمان ہے۔

یہ حدیث بخاری میں نہیں، البتہ صحیح مسلم، ابو داود اور نسائی میں اس قسم کی روایت ہے مگر اس کے آخر میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ میں کون ہوں؟ اس نے کہا کہ آپ رسول اللہ ہیں۔ جب اس لونڈی نے آپ کی رسالت کے اقرار کے ضمن میں آپ کے ہر حکم کی تصدیق کر دی تو اس کے اسلام میں کیا شبہ رہ سکتا ہے؟

مضمون نگار نے حدیث کا جتنا حصہ نقل کیا ہے حدیث کی کسی کتاب میں اس پر اکتفار نہیں کیا گیا، اگر اسے معیارِ اسلام قرار دیدیا جائے تو مسلم اور کافر میں کوئی فرق اور امتیاز باقی نہ رہیگا

منکرینِ توحید، منکرینِ رسالت، یہود، نصاریٰ اور مشرکین سب کے سب مسلمان کی تعریف میں داخل ہو گئے۔" ماشاء اللہ" یہ ہے آجکل کی وسعتِ نظر۔

اس کے بعد بلا حوالہ لکھتے ہیں" التاویل نوع القبول (تاویل قبول وتسلیم ہی کی ایک شکل ہے)" مشہور ہے کہ مؤول کافر نہیں، مگر خوب سمجھ لیں کہ یہ اتنا عام نہیں جتنا بظاہر اس سے مفہوم ہوتا ہے بلکہ اس سے ایسی تاویل مراد ہے جو انکارِ تواتر کو مستلزم نہو، چونکہ الفاظِ قرآن سب متواتر ہیں اور مفہوم اکثر متواتر نہیں اس لئے کہدیا جاتا ہے کہ اگر کوئی لفظ قرآن کا انکار نہ کرے صرف مفہوم میں تاویل کرے تو وہ کافر نہیں کیونکہ امر متواتر کا انکار نہیں پایا گیا مگر قرآن کے بہت سے مفہوم بھی متواتر ہیں لہٰذا اس مفہوم متواتر میں تاویل کرنے والا کافر ہوجائے گا چنانچہ جس طرح لفظ" خاتم النبیین" متواتر ہے، اسی طرح اس کا مفہوم بھی تواتر سے ثابت ہے لہٰذا اس کے مفہوم میں تاویل کرنا انکارِ متواتر ہونے کی وجہ سے بلاشبہہ کفر ہے۔

تاریخ الخلفاء میں ہے کہ خوارج میں سے ایک شخص مامون الرشید کے پاس آیا، مامون نے اس سے عامۃ المسلمین سے مخالفت کی وجہ دریافت کی، اس نے کہا کہ کتاب اللہ میں ہے" ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئك هم الكٰفرون" (اور حضرت علی و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما نے ایک انسان کو حَکَم تسلیم کرلیا) مامون نے کہا کہ تمہارے پاس اسکے قرآن ہونے کی کیا دلیل ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اجماعِ اُمت، مامون نے کہا کہ جس طرح تم نے اس کے قرآن ہونے کے لئے اجماع کو دلیل قرار دیا ہے، اسی طرح اسکے مفہوم کی تعیین میں بھی اسی طرح اجماع کو حجت تسلیم کرو، اس نے کہا کہ آپ نے درست فرمایا، (تاریخ الخلفاء مجتبائی ص۲۲۲)

غرضیکہ اسلام وکفر کا اصل معیار تواتر سے ثابت ہونے والی ضروریاتِ دین کی تصدیق یا تکذیب ہے، لہٰذا بدیہی اور متواتر مفہوم کا انکار اور اسمیں تاویل کفر ہے البتہ غیر متواتر مفہوم کا مؤول کافر نہیں۔

آخر میں امام غزالی رحمہ اللہ کا قول ذکر کیا" جہاں تک ہوسکے اہلِ قبلہ کی تکفیر سے اپنی زبان کو روکو، جب تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قائل رہیں اور اس کے خلاف نہ کریں۔ اور خلاف یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی عذر سے یا بغیر عذر کے کاذب قرار دیں۔"

بعینہ یہی مفہوم ضروریاتِ دین کے انکار کا ہے، اگر کوئی شخص ایسے مسئلہ کا انکار کرتا ہے کہ اسکا حکمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونا اسقدر بدیہی اور یقینی ہو کہ گویا اس نے بالمشافہہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے اور پھر اسکا انکار کرتا ہے تو کیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب نہیں کر رہا؟

اس میں کلام ہے کہ ہر امر متواتر کا انکار کفر ہے یا کہ صرف ایسے متواتر کے انکار کو کفر کہا جائے گا جسکا دین میں ہونا اسقدر مشہور ہو کہ عوام بھی اسے جانتے ہوں۔ اس بارے میں قول فیصل یہ ہے کہ ایسا امر متواتر جسے صرف خواص جانتے ہوں عوام تک اسکی شہرت نہ ہوئی ہو اسکا انکار عوام کے لئے تو موجبِ کفر نہیں اس لئے کہ یہ حکم ان کے حق میں قطعی نہیں، البتہ وہ خواص جو اس کے تواتر وقطعیّت کا علم رکھتے ہوں ان کے لئے اسکا انکار موجبِ تکفیر ہے۔

قال ابن الهمام رحمه الله تعالى واما ما ثبت قطعًا ولم يبلغ حد الضرورة كاستحقاق بنت الابن السدس مع البنت الصلبية بإجماع المسلمين فظاهر كلام الحنفية الإكفار بجحده بانهم لم يشترطوا في الإكفار سوى القطع في الثبوت (الى قوله) ويجب حمله على ما اذا علم المنكر ثبوته قطعًا (مسامره ص ۱۴۹)

تکفیر اہلِ قبلہ

کتب عقائد میں ہے کہ "اہلِ قبلہ کی تکفیر جائز نہیں" اس سے ملحدین یہ فریب دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ جب تک کوئی شخص بیت اللہ کو اپنا قبلہ تسلیم کرتا رہے اسکی تکفیر جائز نہیں، یہ محض تلبیس ابلیس ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ متکلمین کی اصطلاح میں اہلِ اسلام کو اہلِ قبلہ کہا جاتا ہے اور یہ دونوں لقب مترادف ہیں اور اسکا مطلب یہ ہے کہ جب تک کوئی مسلمان ضروریاتِ دین میں سے کسی کا انکار نہ کرے اسوقت تک اس کی تکفیر جائز نہیں۔

چنانچہ شرح العقائد النسفیہ کی شرح نبراس میں ہے۔

اهل القبلة في اصطلاح المتكلمين من يصدق بضروريات الدين (الى قوله) فمن انكر شيئًا من الضروريات (الى قوله) لم يكن من اهل القبلة ولو كان مجاهدًا بالطاعات وكذلك من باشر شيئًا من امارات التكذيب كسجود الصنم والاهانة بامر شرعي والاستهزاء عليه فليس من اهل القبلة (نبراس ص ۵۷۲)

وقال الملا على القاري رحمه الله تعالى اعلم ان المراد باهل القبلة الذين اتفقوا على ما هو من ضروريات الدين كحدوث العالم وحشر الاجساد وعلم الله تعالى بالكليات والجزئيات وما اشبه ذلك من المسائل المهمات فمن واظب طول عمره على الطاعات والعبادات مع اعتقاد قدم العالم ونفي الحشر او نفي علمه سبحانه وتعالى بالجزئيات لا يكون من اهل القبلة وان المراد بعدم تكفير احد من اهل القبلة عند اهل السنة انه لا يكفر احد ما لم يوجد شيء من امارات الكفر وعلاماته ولم يصدر منه شيء من موجباته (شرح الفقه الاكبر)

وفي شرح المقاصد فلا نزاع في كفر اهل القبلة المواظب طول العمر على الطاعات باعتقاد قدم العالم ونفي الحشر ونفي العلم بالجزئيات ونحو ذلك وكذلك بصدور شيء من موجبات الكفر عنه (شرح المقاصد المبحث السابع)

وقال العلماء رحمہ اللہ تعالیٰ کل من کان من قبلتنا (الیٰ قولہ) وان انکر بعض ما علم من الدین ضرورۃ کفر، وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ، لاخلاف فی کفر المخالف فی ضروریات الاسلام من حدوث العالم وحشر الاجساد ونفی العلم بالجزئیات وان کان من اھل القبلۃ المواظب طول عمرہ علی الطاعات کما فی شرح التحریر (ردالمحتار ص۵۲۴ ج۱)

متکلمین کے ہاں یہ مسئلہ اس طرح پیدا ہوا کہ معتزلہ وخوارج مرتکب کبیرہ کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں۔ ان کی تردید میں حضرات متکلمین فرماتے ہیں کہ اہلِ قبلہ یعنی اہلِ اسلام کی تکفیر ارتکابِ کبیرہ کی وجہ سے جائز نہیں جب تک وہ ضروریاتِ دین سے انکار نہ کریں۔

نقل فی شرح التحریر عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ لانکفر اھل القبلۃ بذنب (شرح التحریر ص۳۱۸)

وقال فی النبراس ومعنی عدم تکفیر اھل القبلۃ ان لایکفر بارتکاب المعاصی ولا بانکار الامور الخفیۃ غیر المشھورۃ ھذا ما حققہ المحققون (نبراس ص۵۷۲)

وقال ابن تیمیۃ فی کتاب الایمان ونحن اذا قلنا اھل السنۃ متفقون علی ان لایکفر بالذنب فانما نرید بہ المعاصی کالزنا والشرب اھ واوضحہ القونوی فی شرح العقیدۃ الطحاویۃ۔

متکلمین کے اس قول کا مأخذ یہ حدیث ہے۔

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثۃ من اصل الایمان الکف عمن قال لا الٰہ الا اللہ ولا تکفرہ بذنب ولا تخرجہ من الاسلام بعمل الحدیث (ابوداود ص۳۵۲ ج۱)

چونکہ متکلمین وفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں اہل القبلہ بمعنی اہل الاسلام کی اصطلاح اور عدم تکفیر اہل القبلہ کا یہ مطلب کہ "ارتکاب کبیرہ موجب کفر نہیں" بہت مشہور اور عام معروف ہے اس لئے بعض دفعہ صرف اتنا لکھدیتے ہیں کہ "اہلِ قبلہ کی تکفیر جائز نہیں" اور اعتماداً علی فہم المخاطب اسکی تشریح کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

خلاصۂ بحث

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے تمامتر احکام کی تصدیق کرنیوالا مسلمان ہے اور کسی ایک حکم کا انکار کرنیوالا کافر ہے اسکی معروف تعبیر یہ ہے کہ جمیع ضروریاتِ دین کی تصدیق کا نام اسلام ہے اور انمیں سےکسی ایک کا انکار کفر ہے۔ فقط واللہ الهادی الی سبیل الرشاد

رشید احمد

۱۲ جمادی الاولی ۱۳۹۳ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ اَبْغَضَهُمْ

حقیقتِ شیعہ

- کیا شیعہ مسلمان ہیں ؟
- کتب شیعہ میں شیخین و دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعریف ۔
- شیعہ کو ایک اہم مشورہ

حقیقتِ شیعہ

اشاریہ :-

○ کیا شیعہ مسلمان ہیں ؟ ____________

○ عقیدۂ تحریفِ قرآن ____________

○ تقیہ ____________

○ مسئلۂ بدار ____________

○ شیعہ کی تکفیر خود ان کی کتب سے ____________

○ اہلِ تشیع کا آپس میں لعن طعن ____________

○ اہلِ بیت سے دشمنی ____________

○ کیا شیعہ اہلِ کتاب ہیں ؟ ____________

○ کتبِ شیعہ میں شیخین و دیگر صحابہ کی تعریف ____________

○ نکتہ ____________

○ فضائلِ متعہ ____________

○ اہلِ تشیع خالص شیعہ بن جائیں تو سارے جھگڑے ختم ____________

○ تقیہ کی حقیقت ____________

○ اہلِ تشیع کا امتحان ____________

○ دل کا راز معلوم کرنے کا عجیب گر ____________

○ شیعہ مجتہد کا مناظرہ سے فرار ____________

○ اہلِ اسلام اور اہلِ تشیع میں مصالحت کے بہترین طریقے ____________

کیا شیعہ مسلمان ہیں؟

سوال: شیعانِ علی مسلمان ہیں یا کافر؟ اگر کافر ہیں تو اہلِ کتاب کے حکم میں ہونگے یا نہیں؟ اگر اہلِ کتاب ہیں تو ان کی عورتوں سے نکاح اور ان کے ساتھ تعلقات رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا الحقّ المبین واوضحوا بالبرھان المتین، اجرکم اللّٰہ یوم الدّین -

الجواب ومنہ الصّدق والصّواب

اگر کوئی شخص حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو باقی سب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے افضل سمجھتا ہے تو صرف اتنے اعتقاد سے وہ کافر نہیں ہوتا، مگر آجکل کے شیعہ کا صرف یہ اعتقاد نہیں ان کے معتقدات کے کفر میں کوئی شبہہ نہیں، چنانچہ تحریفِ قرآن کا مسئلہ ان کے ہاں مسلمات اور متواترات میں سے ہے، ان کی تصریحات ملاحظہ ہوں

عقیدۂ تحریفِ قرآن

(۱) المستفاد من مجموع ھذہ الاخبار وغیرھا من الرّوایات من طریق اھل البیت علیھم السّلام انّ القراٰن الّذی بین اظھرنا لیس بتمامہ کما انزل علیٰ محمّد صلی اللّٰہ علیہ وسلم بل منہ ما ھو خلاف ما انزل اللّٰہ ومنہ ما ھو مغیر ومحرف وانّہ قد حذف منہ اشیاء کثیرۃ منھا اسم علی فی کثیر من المواضع ومنھا غیر ذٰلك (دیباچہ تفسیر صافی)

اہلِ بیت کے واسطہ سے پہنچی ہوئی روایات سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ جو قرآن ہمارے پاس ہے وہ پورے کا پورا اس طرح نہیں ہے جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا، بلکہ اسمیں کچھ حصّہ ایسا ہے جو اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے قرآن کے خلاف ہے اور کچھ حصّے میں تغیر اور تحریف واقع ہوئی ہے اور اسمیں سے بہت سی چیزیں نکالدی گئی ہیں ان میں سے مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام ہے جو قرآن میں کئی مقامات سے نکالدیا گیا ہے، انکے علاوہ بھی کئی ایسے مواضع ہیں۔

(۲) لو شرحت لك کل ما اسقط وحرّف وبدّل ممّا یجری ھٰذا المجری لطال وظھر ما تحظر التقیّۃ اظھارہ (احتجاج طبرسی ص ۱۲۸ طبع ایران)

قرآن میں سے جو کچھ نکالا گیا ہے یا اسمیں تحریف اور ردّ وبدل وغیرہ کیا گیا ہے اگر میں ان سب کو بیان کروں تو بات بہت لمبی ہو جائے اور وہ چیز ظاہر ہو جائے جس کے اظہار کی تقیّہ اجازت نہیں دیتا۔

(۳) قال السیّد المحدّث الجزائری مامعناہ ان الاصحاب قد اطبقوا علیٰ صحۃ الاخبار المستفیضۃ المتواترۃ الدالۃ بصریحھا علیٰ وقوع التحریف فی القرآن

(فصل الخطاب علامہ نوری ص۳)

محدّث جزائری کہتے ہیں کہ صراحۃً تحریفِ قرآن پر دلالت کرنے والی متواتر روایتوں کی صحت پر (ہمارے) سب اصحاب کا اتفاق ہے۔

(فصل الخطاب از علامہ نوری ص۳)

(۴) ان الاخبار الدالۃ علیٰ ذٰلک تزید علیٰ الفی حدیث وادعی استفاضتھا جماعۃ کالمفید والمحقق الداماد والعلامۃ المجلسی

(فصل الخطاب علامہ نوری ص۳)

تحریفِ قرآن پر دلالت کرنے والی روایات دو ہزار سے زیادہ ہیں، ایک جماعت نے انکے متواتر ہونیکا دعویٰ کیا ہے جیسے مفید، محقق داماد، اور علامہ مجلسی وغیرہ۔

(۵) عن علی بن سوید السائی قال کتب الیّ ابوالحسن الاول وھو فی السجن واما ما ذکرت یا علی ممن تاخذ معالم دینك لاتاخذن معالم دینك عن غیر شیعتنا فانك ان تعدیتھم اخذت دینك عن الخائنین الذین خانوا اللہ ورسولہ وخانوا اماناتھم انھم أؤتمنوا علیٰ کتاب اللہ جل وعلیٰ فحرفوہ وبدلوہ فعلیھم لعنۃ اللہ ولعنۃ ملائکتہ ولعنۃ اٰبائی الکرام البررۃ ولعنتی ولعنۃ شیعتی الیٰ یوم القیٰمۃ

(رجال کشی طبع بمبئی ۱۳۱۷ھ تالیف ابوعمرو محمد بن عمر عبدالعزیز الکشی ص۳ سطر ۳)

علی بن سوید کہتے ہیں ابوالحسن اوّل نے مجھے جیل سے لکھا، "اے علی! یہ جو تم نے لکھا ہے کہ دین کی بنیادی باتیں کس سے سیکھوں؟ اپنے دین کی باتیں سوائے ہمارے شیعہ کے اور کسی سے حاصل نہ کرو اس لئے کہ اگر تم ان کے علاوہ دوسرے کے پاس گئے تو گویا تم نے ایسے خیانت کرنے والوں سے علم حاصل کیا جنہوں نے اللہ و رسُول سے خیانت کی، اور جو امانت انکے پاس رکھی گئی تھی اسمیں خیانت کی ان کے پاس کتاب اللہ امانت تھی انہوں نے اسمیں تحریف کر ڈالی اور اس میں تبدیلیاں کیں، ان پر اللہ، ملائکہ، میرے نیک آباء و اجداد، میری اور میرے تمام شیعہ کی قیامت تک پھٹکار ہو"۔

(۶) مراد بقرآن قرآن محفوظ نزد ائمہ علیہم السلام ست کہ ہفدہ ہزار آیت ست (صافی شرح کافی ج ۲، کتاب فضل القرآن جز ششم طبع نولکشور ص۶۵)

قرآن سے مراد وہ قرآن ہے جو ائمہ کے پاس محفوظ ہے جس کی سترہ ہزار آیتیں ہیں (صافی شرح کافی ج ۲ کتاب فضل القرآن جز ششم ص۶۵ طبع نولکشور)

موجودہ قرآن میں ۶۲۳۶ آیتیں ہیں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ دو تہائی قرآن غائب ہے اور ایک

حقیقتِ شیعہ ——— ص۴

تہائی موجود ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ موجود قرآن سے تین گنا زیادہ قرآن پورے کا پورا غائب ہے جسمیں موجود قرآن کا ایک حرف بھی نہیں، چنانچہ آئندہ روایت میں اس کی صراحت آرہی ہے، اس سے ثابت ہوا کہ شیعہ مذہب کے مطابق موجود قرآن میں ایک حرف بھی صحیح نہیں، اس روایت میں اگر حرف بمعنی لفظ کی تاویل بھی کرلی جائے تو بھی ثابت ہوا کہ شیعہ کے قرآن میں ایمان، کفر، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، حشر و نشر، حساب وکتاب، جنت و دوزخ، حتیٰ کہ اللہ، رسول اور ملائکہ میں سے کوئی ایک لفظ بھی نہیں۔

(۷) عن ابی عبد اللہ علیہ السلام وان عندنا مصحف فاطمۃ وما یدریھم ما مصحف فاطمۃ قال مصحف فیہ مثل قرآنکم ثلاث مرات واللہ ما فیہ من قرآنکم حرف واحد (اصول کافی ص۱۴۶ طبع نولکشور، صافی کتاب الحجۃ جزء ۳ ص۱۸۱)

ابو عبد اللہ سے روایت ہے کہ ہمارے پاس حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مصحف ہے۔ ان کو کیا معلوم کہ وہ کیسا مصحف ہے۔ مصحف فاطمہ تمہارے قرآن سے تین گنا زیادہ ہے اور خدا کی قسم تمہارے قرآن کا ایک حرف بھی اسمیں نہیں ہے۔

(۸) عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال ان القرآن جاء بہ جبریل علیہ السلام الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سبعۃ عشر الف آیۃ

(اصول کافی ص۶۷۱)

ابو عبد اللہ سے روایت ہے کہ جو قرآن جبریل علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے تھے اس کی سترہ ہزار آیتیں تھیں۔

(اصول کافی ص۶۷۱)

(۹) قال یا ابا محمد وان عندنا الجامعۃ وما یدریھم ما الجامعۃ قال قلت جعلت فداک وما الجامعۃ قال صحیفۃ طولھا سبعون ذراعا بذراع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (صافی جزء ۳ کتاب الحجۃ ص۱۸۱، اصول کافی ص۱۴۶)

ابو محمد کہتے ہیں کہ میرے استاد نے مجھ سے کہا، اے ابو محمد بیشک ہمارے پاس الجامعہ ہے اُن کو کیا معلوم کہ جامعہ کیا ہے؟ میں نے کہا، مَیں آپ پر فدا ہوں جامعہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا وہ صحیفہ ہے جسکی لمبائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گز سے ستر گز ہے۔

(۱۰) قال ان عندنا الجفر وما یدریھم ما الجفر قال قلت وما الجفر قال وعاء من ادم فیہ علم النبیین والوصیین وعلم العلماء الذین مضوا من بنی اسرائیل (اصول کافی ص۱۴۶)

راوی کہتے ہیں کہ میرے اُستاد نے کہا بیشک ہمارے پاس "جفر" ہے، ان کو کیا معلوم کہ "جفر" کیا ہے؟ مَیں نے کہا "جفر" کیا ہے؟ تو فرمایا وہ ایک چمڑے کا تھیلا ہے جس میں نبیوں، وصیوں اور علماء بنی اسرائیل کے علوم ہیں۔ (اصول کافی ص۱۴۶)

(۱۱) عن ابی بصیر عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال قلت لہٗ قول اللہ عزوجل ھٰذا کتابنا ینطق علیکم بالحق قال فقال ان الکتاب لم ینطق ولن ینطق ولکن رسول اللہ ھو الناطق بالکتاب قال عزّوجل ذکرہٗ ھٰذا رسولنا ینطق علیکم بالحق، قال فقلت جعلت فداک انا لا نقرؤھا ھٰکذا فقال ھٰکذا واللہ نزل جبریل علیٰ محمد ولکنہ حرف من کتاب عزّوجل (روضہ کلینی ص۲۵)

ابو بصیر، ابو عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ مَیں نے ان سے کہا کہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے ھٰذا کتابنا ینطق علیکم بالحق، یہ ہماری کتاب (اعمال نامہ) تمہارے خلاف ٹھیک ٹھیک بولے گا ابو عبداللہ نے کہا کہ کتاب نہ کبھی بولی ہے اور نہ بولے گی، البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتاب کو بولتے (پڑھتے) ہیں، اللہ تعالےٰ نے تو "ھٰذا رسولنا ینطق علیکم بالحق" فرمایا ہے، مَیں نے کہا مَیں تم پر فدا ہوں، ہم تو اس طرح نہیں پڑھتے تو فرمایا، اللہ کی قسم جبریل علیہ السلام نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر اسی طرح (ھٰذا رسولنا الخ) نازل کی تھی لیکن اللہ کی کتاب میں تحریف کرکے یہ بدل دیا گیا ہے ؛

(۱۲) امر موسیٰ کاظم لعلی بن سوید لا تلتمس دین من لیس من شیعتک ولا تحبن دینھم فانھم الخائنون الذین خانوا اللہ ورسولہ وخانوا اماناتھم وتدری ما خانوا اماناتھم اؤتمنوا علےٰ کتاب اللہ فحرفوہ وبدلوہ (روضہ کلینی ص۱۶)

موسیٰ کاظم نے علی بن سوید کو حکم دیا کہ جو تمہارے شیعہ میں سے نہیں ہیں ان سے دین حاصل مت کرو اور ان کے دین کو دوست نہ رکھ کیونکہ یہ وہی خیانت کرنے والے ہیں جنہوں نے اللہ و رسول کے ساتھ خیانت کی اور اپنی امانتوں میں خیانت کی، تمہیں معلوم ہے وہ کیا امانتیں ہیں؟ ان کو کتاب اللہ پر امین بنا دیا گیا، انہوں نے اسمیں تحریف کر ڈالی اور اسے بدل دیا ؛

(۱۳) عن ابی جعفر قال نزل القراٰن اربعۃ ارباع ربع فینا وربع فی عدونا وربع سنن وامثال وربع فرائض واحکام شرائع (اصول کافی ص۶۶۹)

ابو جعفر کہتے ہیں کہ قرآن کے چار حصے نازل ہوئے تھے، ایک ربع ہمارے بارے میں ہے، ایک ربع ہمارے دشمنوں کے بارے میں ہے ایک ربع میں سُنن و امثال ہیں اور ایک ربع میں فرائض و احکام شرع ہیں ؛ (اصول کافی ص۶۶۹)

(۱۴) عن ابی بصیر عن ابی عبداللہ علیہ السلام فی قول اللہ عزّوجل ومن یطع اللہ ورسولہ

ابو بصیر، ابو عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ آیت وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ

فی ولایۃ علیؑ والائمۃ من بعدہ فقد فاز فوزا عظیما، ھکذا انزلت (اصول کافی ص۲۶۲)

فوزا عظیما اس طرح نازل ہوئی تھی" ومن یطع اللہ ورسولہ فی ولایۃ علی والائمۃ من بعدہ فقد فاز فوزا عظیما"

(۱۵) عن ابی عبد اللہ علیہ السلام فی قولہ ولقد عھدنا الی اٰدم من قبل کلمات فی محمد وعلی وفاطمۃ والحسن والحسین والائمۃ من ذریتھم فنسی ھکذا واللہ نزلت علی محمد (اصول کافی ص۲۶۳)

ابوعبد اللہ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ آیت ولقد عھدنا الی اٰدم من قبل فنسی اس طرح نازل ہوئی تھی" ولقد عھدنا الی اٰدم من قبل کلماتٍ فی محمد وعلی وفاطمۃ والحسن والحسین والائمۃ من ذریتھم فنسی"

(۱۶) نزل جبرئیل بھذہ الآیۃ علی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ بئس ما اشتروا بہ انفسھم ان یکفروا بما انزل اللہ فی علی بغیا (حوالہ بالا)

جبرئیل نے آیت بئس ما اشتروا بہ انفسھم ان یکفروا بما انزل اللہ بغیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح نازل کی تھی بئس ما اشتروا بہ انفسھم ان یکفروا بما انزل اللہ فی علی بغیا

(۱۷) نزل جبرئیل بھذہ الآیۃ علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ھکذا فبدل الذین ظلموا اٰل محمد حقھم قولا غیر الذی قیل لھم فانزلنا علی الذین ظلموا اٰل محمد حقھم رجزا من السماء بما کانوا یفسقون (اصول کافی ص۲۶۷)

جبرئیل علیہ السلام آیت فبدل الذین ظلموا قولا غیر الذی قیل لھم فانزلنا علی الذین ظلموا رجزا من السماء بما کانوا یفسقون کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح لائے تھے۔ فبدل الذین ظلموا اٰل محمد حقھم قولا غیر الذی قیل لھم فانزلنا علی الذین ظلموا اٰل محمد حقھم رجزا من السماء بما کانوا یفسقون؛

(۱۸) ھکذا انزلت ھذہ الآیۃ ولو انھم فعلوا ما یوعظون بہ فی علی لکان خیرا لھم (اصول کافی ص۲۶۸)

آیت ولو انھم فعلوا ما یوعظون بہ لکان خیرا لھم یوں نازل ہوئی تھی، ولو انھم فعلوا ما یوعظون بہ فی علی لکان خیرا لھم۔

(۱۹) نزل جبرئیل بھذہ الآیۃ ھکذا فابی اکثر الناس بولایۃ علیؑ الا کفورا (اصول کافی ص۲۶۸)

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آیت فابی اکثر الناس الا کفورا اس طرح نازل کی تھی فابی اکثر الناس بولایۃ علیؑ الا کفورا

(۲۰) ونزل جبرئیل بھذہ الآیۃ وقل

جبرئیل علیہ السلام نے آیت وقل الحق

الحقّ من ربّکم فی ولایۃ علیؑ (الی قولہ) انّا اعتدنا للظالمین آل محمد نارًا (اصول کافی ص۲۶۶)

من ربّکم (الی قولہ) انّا اعتدنا للظالمین نارًا یوں نازل کی تھی وقل الحقّ من ربّکم فی ولایۃ علی (الی قولہ) انّا اعتدنا للظالمین آل محمد نارًا ؛

(۲۱) نزل جبرئیل بھذہ الآیۃ ھٰکذا ان الذین ظلموا آل محمد حقھم لم یکن اللہ لیغفر لھم ولا لیھدیھم طریقا (الی قولہ) یا ایھا النّاس قد جاءکم الرسول بالحقّ من ربّکم فی ولایۃ علیّ فاٰمنوا خیرًا لکم وان تکفروا بولایتہ فانّ للہ ما فی السّمٰوٰت وما فی الارض (اصول کافی ص۲۶۶)

جبرئیل علیہ السلام آیت انّ الذین ظلموا لم یکن اللہ لیغفر لھم ولا لیھدیھم طریقًا (الی قولہ) یا ایّھا النّاس قد جاءکم الرسول بالحق من ربّکم فاٰمنوا خیرًا لکم وان تکفروا فان للہ ما فی السّمٰوٰت وما فی الارض کو یوں لائے تھے انّ الذین ظلموا آل محمد حقھم لم یکن اللہ لیغفر لھم ولا لیھدیھم طریقا (الی قولہ) یا ایّھا النّاس قد جاءکم الرسول بالحق من ربکم فی ولایۃ علی فاٰمنوا خیرًا لکم وان تکفروا بولایتہ فان للہ ما فی السّمٰوٰتِ وما فی الارض ،

(۲۲) ستعلمون یا معشر المکذبین حیث انبأتکم رسالۃ ربی فی ولایۃ علی علیہ السلام والائمۃ من بعدہ من ھو فی ضلال مبین کذا نزلت (اصول کافی ص۲۶۶)

آیت ستعلمون من ھو فی ضلال مبین یوں نازل ہوئی تھی " ستعلمون یا معشر المکذبین حیث انبأتکم رسالۃ ربی فی ولایۃ علی علیہ السلام والائمۃ من بعدہ من ھو فی ضلال مبین "

(۲۳) نزل جبرئیل بھذہ الآیۃ علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ ھٰکذا ان کنتم فی ریب ممّا نزّلنا علی عبدنا فی علی فاتوا بسورۃ من مثلہ ۔ (اصول کافی ص۲۶۴)

جبرئیل علیہ السلام نے آیت ان کنتم فی ریب ممّا نزّلنا علی عبدنا فأتوا بسورۃ من مثلہ یوں نازل کی تھی "ان کنتم فی ریب ممّا نزلنا علی عبدنا فی علیّ فأتوا بسورۃ من مثلہ"

(۲۴) نزل جبرئیل علی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھذہ الآیۃ یا ایھا الّذین اوتوا الکتاب اٰمنوا بما نزّلنا فی علی نورًا مبینًا ۔ (اصول کافی ص۲۶۴)

جبرئیل نے آیت یا ایّھا الّذین اوتوا الکتاب اٰمنوا بما نزّلنا اس طرح نازل کی تھی "یا ایّھا الّذین اوتوا الکتاب اٰمنوا بما نزّلنا فی علیّ نورًا مبینًا "

(۲۵) اخرج المصحف الذی کتبہ علی علیہ السلام الی النّاس حین فرغ منہ وکتبہ فقال لھم ھٰذا کتاب اللہ عزّ وجل کما انزل اللہ علی محمّد صلی اللہ علیہ وسلم قد جمعتہ من اللوحین فقالوا ھو ذا عندنا مصحف جامع فیہ القرآن لاحاجۃ لنا فیہ فقال اما واللہ ما ترونہ بعد یومکم ھٰذا ابداً انما کان علیّ ان اخبرکم حین جمعتہ لتقرؤہ (اصول کافی ص۶۷۱)

حضرت علی جب قرآن لکھنے سے فارغ ہوئے تو اس کو لوگوں کے پاس لائے اور ان سے فرمایا، یہ اللہ کی کتاب ہے جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی تھی، مَیں نے اسکو دو لوحوں سے جمع کیا ہے، لوگوں نے کہا اللہ کی کتاب تو یہ ہمارے پاس موجود ہے ہمیں (آپ کے لائے ہوئے قرآن کی) حاجت نہیں (اس پر حضرت علی نے غصہ میں آکر) کہا، اب خدا کی قسم آج کے بعد تم اس کو کبھی نہیں دیکھو گے۔ میرے ذمہ تو صرف یہ تھا کہ جب مَیں نے اسے جمع کیا تو تم کو بتا دوں تاکہ اسے پڑھو۔

(۲۶)(۲۷) اصول کافی ص ۱۳۹ میں دو روایتیں لائے ہیں کہ حضرت علی کے سوا کسی کو سارا قرآن معلوم نہیں۔

(۲۸) اصول کافی ص ۶۷۰ پر لم یکن الذین الخ سے متعلق تحریف کی روایت ہے۔

(۲۹) اصول کافی ص ۲۶۱ پر بھی ایک آیت کی تحریف کا ذکر ہے۔

(۳۰) قرآن مجید میں ایسی باتیں بھی ہیں جو خدا نے نہیں کہیں (احتجاج طبرسی ص۲۵)

(۳۱) موجودہ قرآن مجید کو اولیاء الدین کے دشمنوں نے جمع کیا ہے (احتجاج طبرسی ص۱۳۰)

(۳۲) موجودہ قرآن مجید میں خلافِ فصاحت اور قابلِ نفرت الفاظ موجود ہیں (احتجاج طبرسی ص۳۰)

(۳۳) قرآن مجید میں سرورِ کائنات کی بھی ہتک کی گئی ہے۔ (حوالہ بالا)

(۳۴) موجودہ قرآن کی ترتیب خدا کی مرضی کے خلاف ہے (فصل الخطاب ص۳)

تقیہ :

اگر کہیں کسی شیعہ مصنف نے اعتقادِ تحریف سے انکار کیا ہے یا آجکل کوئی شیعہ انکار کرتا ہے تو تقیہ پر مبنی ہے۔ جیساکہ عبارات بالا میں سے ۳۲ میں احتجاج طبرسی کی عبارت گزری کہ عقیدۂ تحریف کے اظہار سے تقیہ مانع ہے۔ اور تقیہ مذہب شیعہ میں اسقدر مؤکد ہے کہ جو تقیہ نہیں کرتا وہ مسلمان ہی نہیں

(۱) لادین لمن لا تقیۃ لہ (اصول کافی ص۴۸۲) جو تقیہ نہیں کرتا وہ بے دین ہے۔

(۲) لا ایمان لمن لا تقیۃ لہ (اصول کافی ص۴۸۴) جو تقیہ نہیں کرتا وہ بے ایمان ہے۔

مسئلہ بداء :

۶ شیعہ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں غلطی واقع ہو سکتی ہے بلکہ ہوتی رہتی ہے۔ وہ

اسے بداء کہتے ہیں اور عقیدۂ بداء سے بڑھ کر ان کے مذہب میں اور کوئی عبادت نہیں ۔

(١) ما عبد الله بشيء مثل البداء (اصول کافی ص٨٤)

بداء کا عقیدہ رکھنے کے برابر اللہ تعالیٰ کی کوئی عبادت نہیں ۔

(٢) ما عظم الله بمثل البداء (اصول کافی ص٨٥)

بداء کا عقیدہ رکھنے کے برابر اللہ کی کوئی بڑائی نہیں بیان کی گئی ۔

(٣) سمعت الرضا عليه السلام قال ما بعث الله نبيا قط الا بتحريم الخمر وان يقر لله بالبداء (اصول کافی ص٨٦)

امام رضا نے فرمایا اللہ تعالے نے ہر نبی کو حرمتِ شراب اور بداء کے ماننے کا حکم دیکر بھیجا ہے

(٤) سمعت ابا عبد الله عليه السلام يقول لو علم الناس ما في القول بالبداء من الاجر ما فتروا عن الكلام فيه (اصول کافی ص٨٦)

ابو عبد اللہ کہتے ہیں کہ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جاتا کہ بداء (اللہ کی طرف غلطی کی نسبت) کا عقیدہ رکھنے میں کتنا ثواب ہے، تو وہ اس عقیدہ سے نہ رُکتے ۔

(٥) عن ابى الهاشم الجعفرى قال كنت عند ابى الحسن عليه السلام (الى قوله) فقال نعم يا ابا هاشم بدا لله فى ابى محمد كما بدا فى موسى (اصول کافی ص٣٠٤)

حضرت علی نے فرمایا، اللہ تعالے سے ابو محمد کے بارے میں غلطی ہوئی، جیسے موسیٰ کے بارے میں غلطی ہوئی ۔

کیا مذکورہ بالا عقائد کے کفر ہونے میں کسی کو شبہہ کی گنجائش ہے ؟ بلکہ شیعہ کی تکفیر خود انکی کتابوں میں اُن کے بزرگوں سے منقول ہے ۔

شیعہ کی تکفیر خود ان کی کتب سے

(١) قال ابو عبد الله عليه السلام ما انزل الله اية فى المنافقين الا وهى فيمن ينتحل التشيع (رجال کشی ص١٩٣ س١٦)

ابو عبد اللہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں جو آیت بھی نازل کی ہے وہ تشیع کی طرف منسوب لوگوں کے بارے میں ہے ۔

(٢) سمعت على بن الحسين يقول (الى قوله) ان قوما من شيعتنا سيحبونا حتى يقولوا فينا ما قالت اليهود فى عزير وما قالت النصارى فى عيسى ابن مريم فلا هم منا ولا نحن منهم (رجال کشی ص٩٩)

علی بن حسین کہتے ہیں ہمارے شیعہ میں سے ایک قوم عنقریب ہمارے ساتھ دوستی کا اظہار کرے گی حتیٰ کہ ہمارے بارے میں وہ باتیں کہیں گے جو یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کے بارے میں اور نصاریٰ

نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا، نہ وہ ہم سے ہیں نہ ہمیں ان سے کوئی تعلق (رجال کشی ص۹۹)

(۳) عن ابن ابی یعفور قال کنت عند الصادق اذ دخل موسیٰ فجلس فقال ابو عبد اللہ علیہ السلام یا ابن ابی یعفور ھذا خیر ولدی واحبّھم الیّ غیر ان اللہ عزّ وجل یضلّ بہ قوما من شیعتنا فانھم قوم لاخلاق لھم فی الآخرۃ ولا یکلمھم اللہ یوم القیٰمۃ ولا یزکیھم ولھم عذاب الیم قلت جعلت فداک قد ارغب قلبی عن ھؤلاء قال یضل بہ قوم من شیعتنا بعد موتہ جزعا علیہ (رجال کشی ص۲۸۵ س ۸)

ابن ابی یعفور کہتے ہیں کہ میں امام جعفر صادق کے پاس تھا وہاں موسیٰ کاظم آکر بیٹھ گئے تو ابو عبد اللہ (جعفر صادق) نے کہا اے ابن ابی یعفور! یہ (موسیٰ کاظم) ہمارا سب سے بہتر اور محبوب بیٹا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے ہمارے شیعہ میں سے ایک قوم کو گمراہ کریں گے یہ (شیعہ) ایسی قوم ہے جس کا آخرت میں کوئی حصّہ نہیں، اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے روز (رحم وکرم کی) بات نہ کرینگے اور نہ ہی ان کو پاک کریں گے، ان (شیعہ) کے لئے دردناک عذاب ہے۔ ابن ابی یعفور کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا میرا تو دل ان سے پھر گیا ہے، ابو عبد اللہ نے کہا اسی کی وجہ سے ہمارے شیعہ میں ایک قوم ان کی وفات کے بعد ان پر جزع فزع کرکے اور رو رو کر گمراہ ہوجائے گی۔ (رجال کشی ص۲۸۵)

(۴) ان علیا علیہ السلام لما فرغ من قتال اھل البصرۃ اتاہ سبعون رجلا من الزط فسلموا علیہ وکلموہ بلسانھم فرد علیھم بلسانھم وقال انی لست کما قلتم انا عبد اللہ مخلوق قال فابوا علیہ وقالوا لہ انت انت ھو فقال لھم لئن لم ترجعوا عما قلتم فی وتتوبوا الی اللہ تعالیٰ لاقتلنکم قال فابوا ان یرجعوا او یتوبوا فامر ان یحفر لھم ابار فحفرت ثم خرق بعضھا الی بعض ثم قذفھم فیھا ثم طم رؤسھا ثم الھب النار فی بئر منھا لیس فیھا احد فدخل الدخان علیھم فماتوا (رجال کشی ص۷۱ طبع کربلا)

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب اہل بصرہ کے قتال سے فارغ ہوئے تو آپ کے پاس قبیلہ زط سے ستّر آدمی آئے، انہوں نے آپ کو سلام کیا اور اپنی زبان میں بات کی، آپ نے بھی انہی کی زبان میں جواب دیا اور فرمایا کہ میں ایسا نہیں جیسا تم سمجھتے ہو، میں اللہ کا بندہ اور مخلوق ہوں انہوں نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ آپ وہی ہیں (یعنی خدا ہیں) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ اگر تم اس سے باز نہیں آتے جو میرے بارے میں کہتے ہو اور اللہ تعالیٰ سے توبہ نہیں کرتے تو میں تم لوگوں کو ضرور قتل کردونگا، ان (شیعہ) نے رجوع اور توبہ سے انکار کردیا، آپ نے حکم دیا کہ ان کے لئے کنوئیں کھودے جائیں پھر انکے درمیان

سوراخ کرکے ان کو آپس میں ملادیا۔ پھر انکو ان کنوؤں میں پھینک کر ان کنوؤں کا منہ بند کر دیا، پھر ان میں سے ایک کنوئیں میں آگ جلائی جس میں کوئی آدمی نہ تھا، اس طرح سے دوسرے کنوؤں میں انپر دھواں داخل ہوگیا اور وہ سب کے سب مرگئے۔ (رجال کشی ص۱۰۱ طبع کربلا)

(۵) قال ابوالحسن لو میزت شیعتی ماوجدتہم الا واصفۃ ولو امتحنتہم لما وجدتہم الامرتدین الخ (روضۂ کلینی ص۱۰۱)

ابوالحسن (موسیٰ کاظم) فرماتے ہیں کہ میں اگر اپنے شیعہ کو چھانٹ کر دیکھوں تو ان سب کو صرف باتیں بنانے والے (منافق) پاؤں۔ اگر ان کا امتحان لوں تو وہ سب مرتد نکلیں گے۔

(۶) اگر عدد ایشاں (شیعہ) بہ سہ صد و سیزدہ (۳۱۳) کسی ہیئت اجتماعی رسد امام ظاہر شود، (صافی باب۵ جزء۳ ص۳۶)

اگر ان (شیعہ) کی مجموعی تعداد تین سو تیرہ تک پہنچ جائے تو امام (مہدی) ظاہر ہوجائیں گے (صافی باب۵ جزء۳ ص۳۶)

معلوم ہوا کہ آج تک کبھی بھی تین سو تیرہ شیعہ کسی زمانے میں جمع نہیں ہوئے، یہ سب مدعیان تشیع منافق ہیں اور انہوں نے امام مہدی کو غار میں دھکیل رکھا ہے اور امام کے نہ ہونیکی وجہ سے اُمت کی گمراہی اور دنیا میں فساد وفتن کی ذمہ داری بھی انہی پر ہے، اگر ان میں سے تین سو تیرہ ہی صحیح شیعہ بن جائیں تو امام مہدی ظاہر ہوجائیں اور سارے جھگڑے طے ہوجائیں۔

اہلِ تشیع کا آپس میں لعن طعن:

لعن وطعن اور سب وشتم کو حدیث میں علاماتِ نفاق شمار کیا گیا ہے، اور شیعہ لوگوں میں آپس میں ایک دوسرے پر لعنت کا سلسلہ عام ہے، چنانچہ ان کے رواۃ اور بزرگوں پر خود ان کے بزرگوں سے لعنت اور بد دعا کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

(۱) عن ابی جعفر قال امیر المؤمنین اللّٰہم العن ابنی فلان واعم ابصارھما کما عمیت قلوبھما (قال فی الحاشیۃ) ھما عبداللّٰہ بن عباس وعبیداللّٰہ بن عباس (رجال کشی ص۳۵ س۲۳)

ابو جعفر کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اے اللہ! فلاں کے دو بیٹوں پر لعنت کر اور ان کی بینائی سلب کرلے جیسا کہ آپ نے ان کے دلوں کو اندھا کر دیا ہے۔ حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہ (دو بیٹے) عبداللہ بن عباس اور عبیداللہ بن عباس ہیں۔

(۲) مقاماتِ ذیل میں زرارہ کی انتہائی درجہ کی تعریف اور مدح کی روایات ہیں۔ رجال کشی ص۸۹ س۷، ص۹۱ س۱۴ و س۱۸، ص۱۱۳، س۸، ص۱۲۲ س۱۱، اور اس کے برعکس رجال کشی ہی

میں ص ۹۹ س ۱۲ میں زرارہ پر لعنت کی روایت ہے

(۳) اور رجال کشی ص ۹۱ س ۱۸، ص ۱۲۲ س ۱۱ میں بریدہ کی تعریف اور ص ۹۹ س ۱۲ میں اس پر لعنت کی روایت ہے

(۴) اور رجال کشی ص ۹۱ س ۱۸، ص ۱۲۲ س ۱۱ میں محمد بن مسلم کی تعریف کی روایت اور ص ۱۳ س ۱۱ میں اس پر لعنت کی روایت ہے

(۵) اور رجال کشی ص ۹۱ س ۱۸ میں ابو بصیر کی تعریف کی روایت اور ص ۱۱۶ س ۶ میں اس کی مذمت کی روایت ہے۔

(۶) روایتِ ذیل سے ثابت ہوتا ہے کہ محبّ علی کتنے ہی بڑے گناہ کرتا رہے تو بھی اس کی مغفرت یقینی ہے

سید بن محمد الحمیری اشعار در تعریف علی ساخته بود پس آں شعر فضیل الرسان در خدمت امام جعفر خواند (الی قوله) قال سمعت نغیبًا من وراء السّتر وقال من قال هذا الشعر قلت السید بن محمد الحمیری فقال رحمه الله فقلت انی رأیته یشرب نبیذا فقال رحمه الله فقلت انی رأیته یشرب نبیذ الرستاق قال تعنی الخمر قلت نعم قال رحمه الله وما ذلك علی الله ان لا یغفر لمحبّ علیؑ (رجال کشی ص ۱۸۵ س ۳)

سید بن محمد حمیری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں کچھ مدحیہ اشعار کہے تھے، فضیل الرسان نے وہ اشعار جعفر صادق کے سامنے پڑھے (الی قولہ) میں نے کسی کی آواز سنی جو پس پردہ کہہ رہا تھا یہ شعر کس نے کہے ہیں۔ میں نے کہا سید بن محمد حمیری نے۔ تو اس نے کہا "اللہ اس پر رحم کرے" میں نے کہا کہ میں نے اسے نبیذ پیتے دیکھا ہے، تو اس نے پھر کہا "اللہ اس پر رحم کرے" میں نے کہا کہ نبیذ الرستاق پیتے ہوئے میں نے اسے دیکھا ہے تو اس نے کہا کہ شراب ہی تو پی ہوگی، میں نے کہا، ہاں! تو کہنے لگے، اللہ اس پر رحم کرے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ کسی محبّ علی کی مغفرت نہ کرے۔

اور روایتِ ذیل میں اسی سیّد بن محمد کو روسیاہی کی قدرتی سزا ملنے کا ذکر ہے حالانکہ روایت بالا میں گزرا کہ وہ باوجود شراب پینے کے محبت علی کی وجہ سے مغفور ہے۔

حدّثنی ابو الحسین ابن ایوب المروزی قال روی ان السیّد بن محمد الشاعر اسودّ وجهه عند الموت فقال هکذا یفعل باولیائك یا امیر المؤمنین (رجال کشی ص ۱۸۵ س ۱۳)

ابو الحسین بن ایوب مروزی کہتے ہیں کہ موت کے وقت سید بن محمد شاعر کا چہرہ سیاہ ہو گیا تھا تو اسنے کہا، اے امیر المومنین! کیا آپ کے احباب کے ساتھ یہی معاملہ کیا جاتا ہے؟

اس سے ثابت ہوا کہ شیعہ کے بزرگ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ان کے محبین کا چہرہ موت کے وقت سیاہ ہو جاتا ہے۔

(۷) عن رضا علیہ السّلام یونس بن عبدالرحمٰن فی زمانہ کسلمان الفارسی فی زمانہ (رجال کشی ص ۳۰۳ س ۲۱)

رضا کہتے ہیں کہ یونس بن عبدالرحمٰن اپنے زمانے میں ایسے ہیں جیسے سلمان فارسی (رضی اللہ عنہ) اپنے زمانے میں تھے (رجال کشی ص۳۰۳)

اور سلمان فارسی کی تعریف میں رجال کشی ص ۹ س ۱۷ اور روضۂ کلینی ص ۱۱۵ میں روایت ہے دونوں روایتوں کے مجموعہ سے یونس بن عبدالرحمٰن کی مدح ثابت ہوئی، مگر رجال کشی ص ۳۰۹ س ۲ میں رضا ہی سے روایت ہے کہ یونس بن عبدالرحمٰن ابن زانیہ اور زندیق ہے۔

اہلِ بیت سے دشمنی :

ان لوگوں کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ حُسنِ معاملہ تو اوپر کی روایات سے معلوم ہو چکا، اب ذرا مدعیانِ عشق اہلِ بیت کا حضرت حسین اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے متعلق حُسنِ اعتقاد بھی ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) عن ابی عبداللہ قال ان جبرئیل نزل علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہ یا محمد ان اللہ یبشرک بمولود یولد من فاطمۃ تقتلہ امتک من بعدک فقال و علی ربی السّلام لا حاجۃ لی فی مولود یولد من فاطمۃ تقتلہ امتی من بعدی فعرج ثم ھبط فقال لہ مثل ذٰلک فقال یا جبرئیل و علی ربی السّلام لا حاجۃ لی فی مولود تقتلہ امتی من بعدی فعرج جبرئیل الی السّماء ثم ھبط فقال یا محمد ان ربک یقرئک السّلام و یبشرک بانہ جاعل فی ذریتہ الامامۃ والولایۃ والوصیۃ فقال قد رضیت ثم ارسل الی فاطمۃ ان اللہ یبشرنی بمولود یولد لک تقتلہ امتی من بعدی فارسلت الیہ ان لا حاجۃ لی فی مولود تقتلہ امتک من بعدک فارسل الیھا ان اللہ قد جعل فی ذریتہ الامامۃ والولایۃ و

جعفر صادق فرماتے ہیں جبرئیل علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے تو فرمایا، اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ آپ کو ایک بیٹے کی بشارت دیتے ہیں جو فاطمہ (رضی اللہ عنہا) سے پیدا ہوگا جسے آپ کے بعد آپ کی اُمّت شہید کر دے گی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے رب پر سلام مجھے ایسے بیٹے کی ضرورت نہیں جو فاطمہ سے پیدا ہو اور پھر اسے میرے بعد میری اُمت شہید کرے جبرئیل علیہ السلام اوپر تشریف لے گئے اور تھوڑی دیر بعد پھر نازل ہوئے اور پھر وہی بات کہی، آپ نے پھر وہی جواب دیا، جبریل امین پھر واپس تشریف لے گئے اور پھر آئے اور فرمایا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے رب نے آپ کو سلام کہا ہے اور وہ آپ کو بشارت دیتے ہیں کہ وہ ان کی اولاد میں امامت، ولایت اور

الوصیۃ فارسلت الیہ انی قد رضیت (الیٰ قولہ) ولم یرضع الحسین من فاطمۃ علیہا السلام ولا من انثیٰ کان یوتی بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیضع ابھامہ فی فیہ فیرضع منہا ما یکفیہ الیومین اوالثلاث (اصول کافی ص ۲۹۴)

وصیّت رکھیں گے تب آپ نے فرمایا کہ اب میں راضی ہوں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس پیغام بھیجا کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایسے بچے کی بشارت دیتے ہیں جو آپ سے پیدا ہوگا، جسے میری اُمت میرے بعد شہید کریگی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ مجھے ایسے بچے کی کوئی حاجت نہیں جسے آپ کی اُمت شہید کرے، آپ نے پھر پیغام بھیجا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد میں امامت، ولایت اور وصیّت رکھی ہے تب حضرتِ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) راضی ہوئیں (حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اسکا بدلہ اپنی والدہ محترمہ سے یہ لیا کہ) اس کے بعد نہ اپنی والدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا دودھ پیا اور نہ ہی کسی اورعورت کا (یعنی ان کو جنس عورت سے نفرت ہوگئی جو اُنکی پیدائش پر ناخوش تھی) آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا جاتا، آپ اپنا انگوٹھا ان کے منہ میں دیتے، حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) اس سے دودھ پیتے جو ان کو دو تین روز تک کفایت کرتا۔

(۲) عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال لما حملت فاطمۃ بالحسین جاء جبرئیل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ان فاطمۃ ستلد غلاما تقتلہ امتک من بعدک فلما حملت فاطمۃ بالحسین کرھت حملہ وحین وضعتہ کرھت وضعہ ثم قال ابو عبد اللہ علیہ السلام لم ترفی الدنیا ام تلد غلاما تکرھہ ولکنہا کرھتہ لما علمت انہ یقتل قال وفیہ نزلت ھذہ الآیۃ حملتہ امہ کرھا ووضعتہ کرھا (حوالہ بالا)

جعفر صادق فرماتے ہیں کہ جب حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) سے حاملہ ہوئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبریل امین تشریف لائے اور کہا کہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) عنقریب ایک بچہ جنے گی جسے آپ کے بعد آپ کی اُمت قتل کریگی، پس جب فاطمہ حاملہ ہوئیں تو وہ اس حمل کو بُرا سمجھتی تھیں اور جب بچّہ پیدا ہوا تو اس کو بھی بُرا سمجھتی تھیں، جعفر صادق نے فرمایا کہ دُنیا میں کوئی ماں ایسی نہیں جو اپنے بچے کو بُرا سمجھتی ہو مگر حضرت فاطمہ اسے بُرا سمجھتی تھیں اسلئے کہ وہ جانتی تھیں کہ یہ بچّہ شہید ہوگا (العیاذ باللہ شہادت کی نحوست کی وجہ سے وہ بچے کو بُرا سمجھتی تھیں) جعفر صادق نے کہا کہ آیت حملتہ امہ کرھا الخ اسی سلسلے میں نازل ہوئی ہے، (اُس کی ماں نے اسے حمل کی حالت میں بھی بُرا سمجھا اور پیدا ہونے کے بعد بھی) یہ ترجمہ اہل تشیع

کا ہے، حالانکہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ہر انسان کو ماں کا شکر گزار اور مطیع رہنا چاہیئے، اس لئے کہ ماں نے حالتِ حمل اور وقتِ پیدائش کی تکلیفیں برداشت کی ہیں۔

کسی شاعر نے اسے یوں منظوم کیا ہے ؎

ہائے رے شبیر مظلومی تری ۔ رد ہوئی تیری بشارت تین بار ۔ گرچہ راضی ہو چکی تھیں فاطمہ ۔ پھر بھی تھی تیری ولادت ناگوار
کرتی ہے اس رمز کو قرآں عیاں ۔ اثنہ کرھا کی آیت آشکار ۔ تم کو بھی غیرت کا ایسا جوش تھا ۔ دودھ اس طرح کا نہ چوسا زینہار

دیکھا آپ نے کہ شیعہ مذہب میں شہادت کتنی بُری چیز ہے اور حضرت حسین شہید ہونے کی وجہ سے ان کے خیال میں کس قدر مکروہ و مبغوض ہیں اور حضرت حسین اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان کس قدر عداوت اور بغض ثابت کیا گیا ہے اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ، اُمید ہے کہ مضمون بالا دیکھنے کے بعد شیعہ کی تکفیر میں کسی کو بھی شبہہ نہ رہے گا۔

کیا شیعہ اہلِ کتاب ہیں؟

معتزلہ کے بارے میں تحریر شامیہ کی بناء پر میں شیعہ کو اہلِ کتاب کہتا تھا، بعد میں تنبہ ہوا کہ یہ لوگ زندیق ہیں، اس لئے انھیں اہلِ کتاب میں داخل کرنا صحیح نہیں، زندیق کی دو قسمیں ہیں:

① بمعنی منافق، یعنی اسلام کا مدعی ہو اور کفریہ عقائد چھپاتا ہو، قال العلامۃ التفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ وان کان مع اعترافہ بنبوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واظھارہ شعائر الاسلام یبطن عقائد ھی کفر بالاتفاق خص باسم الزندیق (شرح المقاصد ص ۲۶۹ ج ۲) وقال الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالیٰ واختلف فی تفسیرہ فقیل ھو المبطن للکفر المظھر للاسلام کالمنافق (عمدۃ القاری ص ۷۹ ج ۲۴)

② جو شخص عقائدِ اسلام میں تاویلاتِ باطلہ کرتا ہو، ایسا شخص اگرچہ اپنے عقائدِ کفریہ کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ ان کی اشاعت کرتا ہے اس کے باوجود اسے زندیق کہا جاتا ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ المعروف) ای بالزندقۃ الداعی الذی یدعو الناس الی زندقتہ اھ فان قلت کیف یکون معروفا داعیا الی الضلال وقد اعتبر فی مفھومہ الشرعی ان یبطن الکفر، قلت لا بعد فیہ فان الزندیق یموہ کفرہ ویروج عقیدتہ الفاسدۃ ویخرجھا فی الصورۃ الصحیحۃ وھذا معنی ابطان الکفر فلا ینافی اظھارہ الدعوی الی الضلال وکونہ معروفا بالاضلال اھ ابن کمال (رد المحتار ص ۳۰۵ ج ۳)

وقال الشاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ ان المخالف للدین الحق ان لم یعترف بہ ولم یذعن لہ لا

ظاهراً ولا باطناً فهو کافر، وان اعترف بلسانہ وقلبہ علی الکفر فهو المنافق، وان اعترف بہ ظاهراً لکنہ یفسر بعض ما ثبت من الدین ضرورۃ بخلاف ما فسرہ الصحابۃ والتابعون واجتمعت علیہ الامۃ فهو الزندیق (المسوی ص۱۳۰ ج۲)

زندیق کے احکام:

(۱) زندیق واجب القتل ہے۔

(۲) گرفتار ہونیکے بعد اسکی توبہ قبول نہیں، گرفتاری سے پہلے قبول ہے۔

(۳) ان سے نکاح کرنا حرام ہے۔ (۴) ان کا ذبیحہ حرام ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ وکذا الکافر بسبب الزندقۃ لاتوبۃ لہ وجعلہ فی الفتح ظاهر المذهب لکن فی حظر الخانیۃ الفتوی علی انہ اذا اخذ الساحر او الزندیق المعروف الداعی قبل توبتہ ثم تاب، لم تقبل توبتہ ویقتل ولو اخذ بعدها قبلت (رد المحتار ص ۳۰۵ ج ۳)

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (تنبیہ) یعلم مما هنا حکم الدروز والتیامنۃ فانهم فی البلاد الشامیۃ یظهرون الاسلام والصوم والصلوۃ مع انهم یعتقدون تناسخ الارواح وحل الخمر والزنا وان الالوهیۃ فی شخص بعد شخص ویجحدون الحشر والصوم والصلوۃ والحج ویقولون المسمی بہ غیر المعنی المراد ویتکلمون فی جناب نبینا صلی اللہ علیہ وسلم کلمات فظیعۃ، وللعلامۃ المحقق عبد الرحمن العمادی فیهم فتوی مطولۃ (الی قولہ) ونقل عن علماء المذاهب الاربعۃ انہ لا یحل اقرارهم فی دیار الاسلام بجزیۃ ولا غیرها ولا تحل مناکحتهم ولا ذبائحهم وفیهم فتوی فی الخیریۃ ایضاً فراجعها، والحاصل انهم یصدق علیهم اسم الزندیق والمنافق والملحد (الی قولہ) وبعد الظفر بهم لا تقبل توبتهم اصلا (رد المحتار ص۳۰۵ ج ۳)

کتب شیعہ میں شیخین و دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعریف

(۱) عن فضیل الرسان قال سمعت اباداود وهو یقول حدثنی بریدۃ الاسلمی قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان الجنۃ تشتاق الی ثلاثۃ قال فجاء ابوبکر فقیل لہ یا ابابکر انت الصدیق وانت ثانی اثنین اذ هما فی الغار فلو سألت من هؤلاء الثلاثۃ (رجال کشی ص۳)

فضیل الرسان کہتے ہیں کہ میں نے ابو داود سے سُنا اور ان سے بریدہ اسلمی نے کہا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ جنت تین آدمیوں کے لئے مشتاق ہے، اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق تشریف لائے تو اُن سے کہا گیا کہ آپ صدیق ہیں اور غارِ ثور میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق خاص تھے، اگر آپ یہ پوچھیں کہ یہ تینوں کون ہیں (تو بہتر ہے)

(۲) ثم جاء عمر فقیل له یا اباحفص ان رسول الله قال ان الجنة تشتاق الی ثلاثة وانت الفاروق الذی ینطق الملک الخ (رجال کشی ص۲۳)

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور ان سے کہا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جنت تین آدمیوں کی مشتاق ہے، اور آپ ایسے فاروق ہیں کہ آپ کی زبان پر فرشتہ بولتا ہے، یعنی آپ کی رائے کے مطابق وحی نازل ہوتی ہے

(۳) قال بعض المخالفین بحضرة الصادق علیه السلام لرجل من الشیعة ما تقول فی العشرة من الصحابة قال اقول فیهم الخیر الجمیل الذی یحط الله به سیاتی ویرفع به درجاتی قال السائل الحمد لله علی ما انقذنی من بغضك کنت اظنك رافضیا یبغض الصحابة فقال الرجل من ابغض واحدا من الصحابة فعلیه لعنة الله والملائکة فقال لعلك تتأول ما تقول فیمن ابغض العشر من الصحابة فقال من ابغض العشرة فعلیه لعنة الله والملائکة والناس اجمعین (تفسیر عسکری مطبع جعفری ۱۳۱۵ھ ایضا ابن بابویہ ص۱۰۹)

بعض مخالفین نے جعفر صادق کی موجودگی میں کسی شیعہ سے کہا کہ صحابۂ کرام میں سے عشرۂ مبشرہ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ تو وہ (شیعہ) کہنے لگا کہ میں ان کے بارے میں اچھی رائے رکھتا ہوں، اسی حسنِ ظن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو مٹا دیں گے اور میرے درجات بلند فرمائیں گے، پوچھنے والے صاحب نے کہا خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے تیرے بغض سے نجات دلائی میں تو تمہیں صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) سے عداوت رکھنے کی وجہ سے رافضی سمجھتا تھا وہ شخص (شیعہ) کہنے لگا جو کوئی کسی ایک صحابی سے بغض رکھے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت، اس نے کہا کہ شاید تم اس قول میں کوئی تاویل کر رہے ہو۔ عشرۂ مبشرہ کے بارے میں بتائیے کہ تمہارا کیا عقیدہ ہے تو اس نے کہا کہ جو عشرۂ مبشرہ کے ساتھ بغض رکھے، اس پر اللہ تعالیٰ، ملائکہ اور سب لوگوں کی لعنت۔

(۴) فروع کافی جلد ۲ نصف اول ص ۴ پر بھی ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت مذکور ہے۔

(۵) نہج البلاغۃ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبات منقول ہیں جن میں کئی جگہ بہت کثرت سے شیخین رضی اللہ عنہما کی مدح مذکور ہے، مثال کے طور پر صفحاتِ ذیل ملاحظہ ہوں:

نہج البلاغہ جلد ۱ ص ۳۵، ۸۵، ۱۸۲، ۲۴۹ اور جلد ۲ ص ۲۴، ۳۵/۸۴، ۹۸، ۱۲۱، ۱۰۱ اور جلد ۳ ص ۸

(۶) شیعہ کی معتبر کتاب تفسیر عسکری میں آیت اولئك ما کان لهم ان یدخلوها الا خائفین کے تحت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مشہور کرامت "یا ساریة الجبل" مذکور ہے۔

هذا عمر بن الخطاب اذا قیل لهم

یہ عالم ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بزرگی کا ایسی

انه كان على المنبر يخطب اذ نادى فى خلال
خطبته ياسارية الجبل وعجبت الصحابة
ماهذا من الكلام الذى فى هذه الخطبة
فلما قضى الخطبة والصلوة قالوا ما قولك
فى خطبتك ياسارية الجبل فقال اعلموا
انى وانا اخطب رميت بصرى حتى رأيتهم
وقد اصطفوا بين يدى جبل هناك وقد جاء
بعض الكفار ليدوروا خلف سعد بن ابى وقاص وسائر
من معه من المسلمين فيحيطوا بهم فيقتلوهم
فقلت ياسارية الجبل ليلتجى اليه فيمنعهم
ذلك من ان يحيطوا به ثم يقاتلوا ومنح
الله اخوانكم المؤمنين اكتاف الكافرين
وفتح الله عليهم بلادهم فاحفظوا هذا
الوقت فيرد عليكم الخبر بذلك، وما بين
المدينة ونهاوند اكثر من خمسين يومًا۔

(تفسیری عسکری مطبع جعفری ص ۲۷)

حالت میں جبکہ آپ منبر پر خطبہ دے رہے تھے
بلند آواز سے فرمانے لگے یاساریۃ الجبل (اے
ساریہ پہاڑ کی پناہ لو) صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم
اس سے تعجب کرنے لگے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ
جب خطبہ اور نماز سے فارغ ہوئے تو دریافت کرنے
پر فرمایا کہ اثناءِ خطبہ میں میں نے نظر اُٹھائی تو دیکھا
کہ مسلمانوں کا لشکر پہاڑ کے نیچے صف بستہ ہے
اور چند کافر پہاڑ کے پیچھے سے آئے تاکہ حضرت
سعد بن ابی وقاص اور دیگر مسلمانوں کا گھراؤ
کرکے ان پر حملہ کریں، اسوقت میں نے یاساریۃ
الجبل کہا، تاکہ پہاڑ کی طرف پناہ لیکر کفار کے
گھراؤ سے بچ جائیں اور پھر ان سے مقابلہ کریں
اللہ تعالیٰ نے تمہارے بھائیوں کو کافروں کے کاٹے
سے نجات دی اور کافروں پر مسلمانوں کو فتح ہوگئی
پھر فرمایا اس وقت کو یاد رکھو تمہارے پاس
اس کی خبر آئے گی۔

مدینہ منورہ اور نہاوند (جہاں یہ لشکر تھا) کے درمیان پچاس دن کی مسافت سے زیادہ فاصلہ ہے

(۷) وعن عروة بن عبد الله قال سألت
ابا جعفر محمد بن على عليهما السلام عن حلية
السيوف فقال لا بأس به فقال قد حلى ابو بكر
الصديق رضى الله عنه سيفه قلت فتقول
الصديق فوثب وثبة واستقبل القبلة وقال
نعم الصديق، نعم الصديق، نعم الصديق
فمن لم يقل له الصديق فلا صدق الله
له قولا فى الدنيا ولا فى الأخرة۔

عروۃ بن عبداللہ کہتے ہیں میں نے امام باقر سے
پوچھا کہ کیا تلواروں پر سونا چاندی چڑھانا جائز ہے؟
تو کہا کہ جائز ہے اس لئے کہ حضرت ابوبکر صدیق
نے اپنی تلوار پر سونا چڑھایا تھا۔ راوی کہتے ہیں
کہ میں نے عرض کیا کہ آپ بھی صدیق کہتے ہیں؟
تو امام باقر غایت جوش سے اُچھل کر کھڑے ہوگئے
اور قبلہ رُو ہوکر فرمانے لگے، ہاں میں صدیق کہتا
ہوں! ہاں میں صدیق کہتا ہوں!! ہاں میں

(کشف الغمہ فی احوال الائمہ طبع ایران ص۲۲) صدیق کہتا ہوں !!! اور جو آپ کو صدیق نہ کہے اللہ دنیا و آخرت میں اسکا کوئی قول سچا نہ کرے،

نکتہ :

افسوس کہ شیعہ نے اپنے امام پنجم ابو جعفر محمد بن علی باقر کی بات نہ مانی اور افضل البشر بعد الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نہ صرف صدیقیت بلکہ صحابیت کے شرف سے بھی گرانے کی کوشش کرکے اپنی عاقبت برباد کی اور امام باقر کی بد دعا فلاصدق اللہ لہ قولاً فی الدنیا ولا فی الآخرہ (اللہ تعالیٰ اس کی کسی بھی بات کو دُنیا و آخرت میں سچا (درست) نہ کرے) کے مستحق ہوئے، شیعہ کے حق میں ان کی یہ بد دعا قبول ہوئی، چنانچہ شیعہ لوگوں نے تقیہ یعنی جھوٹ اور فریب کو اپنا مذہب قرار دے لیا ہے اور کہتے ہیں کہ جو جھوٹ نہیں بولتا، فریب اور دغا بازی نہیں کرتا وہ بے دین ہے۔ اس کا ایمان معتبر نہیں، اسکے ساتھ یہ بھی دعویٰ کیا کہ تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام بھی جھوٹ بولتے تھے، اس سے بھی بڑھ کر اللہ تعالیٰ پر بھی جھوٹ اور افتراز باندھا کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ سے غلطی ہوجاتی ہے، پھر حد یہ کردی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف غلطی کو منسوب کرنے سے بڑھ کر اور کوئی عبادت نہیں، یہ ان کی قولی کذب بیانی اور افترا پردازی کا نقشہ تھا، دوسری جانب ان کی اخلاقی حالت کا اس سے اندازہ کرلیں کہ انہوں نے یہ مذہب اختیار کرلیا کہ عورتوں کا بلا نکاح بصیغۂ متعہ کسی کے گھر چلی جانا اور مذہب کے علاوہ اخلاق و روایات کی بندشوں کو بھی توڑ کر حیا سوزی کا مرتکب ہونا، اسے کارِ خیر بلکہ گناہوں کی بخشش کا ذریعہ قرار دیدیا۔

کتب شیعہ سے فضائل متعہ نقل کرنے سے قبل ایک اشکال کا جواب تحریر کیا جاتا ہے۔

کتب شیعہ میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعریف دیکھنے پر اشکال ہوتا ہے کہ یہ مردود تو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے کھلے دشمن ہیں، پھر تعریف کیونکر؟ اسکے دو جواب ہیں:

(۱) یہ تعریف تقیہ کی بناء پر ہے جس پر ان کے ایمان کا مدار ہے، جیساکہ تقیہ کے بیان میں ان کا مذہب لکھا جاچکا ہے کہ جو تقیہ نہیں کرتا اس کا ایمان نہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے "حق" میں ایسی تاثیر رکھی ہے کہ وہ بسا اوقات اہلِ باطل اور دشمنوں کی زبان پر بھی بولتا ہے۔ دنیا میں اس کی بے شمار مثالیں ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بغض و عناد سے کتب شیعہ بھری پڑی ہیں، ان نفوس مقدسہ کے حق میں ایسی فحش گالیاں بکتے ہیں کہ جس مسلمان کے قلب میں

ایمان کی ذراسی بھی رمق ہو وہ کسی مردود سے ایسی بکواس سن کر اسے جہنم رسید کئے بغیر چین سے نہیں بیٹھ سکتا۔

فضائلِ متعہ

(۱) قال ابو عبد اللہ علیہ السلام ما من رجل تمتع ثم اغتسل الاخلق اللہ من کل قطرۃ تقطر منہ سبعین ملکا یستغفرون لہ الی یوم القیامۃ

(برہان المتعہ ص۵۲ مولفہ سید ابوالقاسم والد سید علی حائری)

جعفر صادق کہتے ہیں کہ متعہ کے بعد غسلِ جنابت سے گرنے والے پانی کے ہر قطرے سے اللہ تعالیٰ ستّر فرشتے پیدا کرتے ہیں جو اس متعہ کرنے والے (منحوس) کے لئے قیامت تک مغفرت مانگتے رہتے ہیں۔

(۲) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من تمتع مرۃ امن سخط اللہ الجبار ومن تمتع مرتین حشر مع الابرار ومن تمتع ثلاث مرات صاحبنی فی الجنان

(منہج الصادقین ص۳۵۶)

نبی علیہ السلام نے فرمایا جو ایک مرتبہ متعہ کرے خدا کے قہر سے نجات پائے، جو دو مرتبہ متعہ کرنے اس کا حشر نیک لوگوں کے ساتھ ہو، اور جو تین مرتبہ متعہ (اپنا روسیاہ) کرے وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ اعوذ باللہ من سخط الجبار ومن الکذب علی سید الابرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ الاطہار۔

(۳) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من تمتع مرۃ واحدۃ عتق ثلثہ من النار ومن تمتع مرتین عتق ثلثاہ من النار ومن تمتع ثلاث مرات عتق کلہ من النار۔ (منہج الصادقین ص۳۵۶)

نبی علیہ السلام نے فرمایا جو ایک مرتبہ متعہ کرے اس کا تیسرا حصہ آگ سے نجات پا جاتا ہے، جو دو دفعہ کرے اس کا دو تہائی اور جو تین دفعہ (منہ کالا) کرے اس کا تمام بدن آتش دوزخ سے آزاد ہو جاتا ہے۔ (العیاذ باللہ من شرور انفسنا)

(۴) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من تمتع مرۃ درجتہ کدرجۃ الحسن ومن تمتع مرتین درجتہ کدرجۃ الحسین ومن تمتع ثلث مرات درجتہ کدرجۃ علی ومن تمتع اربع مرات درجتہ کدرجتی

(تفسیر منہج الصادقین ص۳۵۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص ایک مرتبہ متعہ کرے اسے حضرت حسن کا درجہ مل جاتا ہے جو دو مرتبہ متعہ کرے، حضرت حسین کا درجہ، اور جو تین مرتبہ متعہ کرے وہ حضرت علی کا درجہ اور جو (العیاذ باللہ) چار مرتبہ متعہ کرکے (منہ کالا کرے) وہ میرے درجہ کو پا لیتا ہے۔

(۵) قال ابو جعفر علیہ السلام ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لما اسری بہ الی السماء قال لحقنی جبرئیل علیہ السلام فقال یا محمد ان اللہ تبارک وتعالیٰ یقول انی قد غفرت للمتمتعین من امتک من النساء (من لا یحضرہ الفقیہ جزء ۳ ص ۱۵۰)

ابو جعفر فرماتے ہیں معراج کی رات جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمانوں تک تشریف لے گئے تو فرمایا کہ جبرئیل مجھ سے ملے اور فرمایا کہ اے محمد! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے تیری اُمت میں سے عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے والوں کو بخشدیا۔

اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں۔ اہلِ تشیع کے نزدیک سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج سے تشریف لائے تو بجائے نماز کے تحفہ کے ان کے لئے بے شرمی اور حیا سوزی کا سامان لائے۔ اور العیاذ باللہ انہیں یہ بشارت دی گئی کہ اسی میں تمہاری نجات اخروی کا راز پوشیدہ ہے۔

(۶) روی بکر بن محمد عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال سألتہ عن المتعۃ فقال انی لاکرہ للرجل المؤمن ان یخرج عن الدنیا وقد بقیت علیہ خلۃ من خلال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لم یقضہا (من لا یحضرہ الفقیہ جزء ۳ ص ۱۵۰)

جعفر صادق سے متعہ کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا، میں کسی مومن کے لئے یہ مناسب نہیں سمجھتا کہ وہ دُنیا سے اس حالت میں چلا جائے کہ اس کے ذمہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی محبوب سنتوں میں سے کوئی سنت باقی ہو (یعنی متعہ کرکے منہ کالا نہ کیا ہو)

(۷) جو شخص متعہ کرے عمر میں ایک مرتبہ، وہ اہلِ بہشت سے ہے (تحفۃ العوام ص ۲۷۱ ج ۲)

(۸) عذاب نہ کیا جائے گا وہ مرد اور وہ عورت کہ متعہ کرے (تحفۃ العوام ص ۲۷۱ ج ۲)

دیوثی و بے غیرتی کے مظاہرہ اور نفسِ امارہ کی تسکین کے لئے متعہ جیسا "ہم خرما وہم ثواب" نسخہ بھی کافی نہ ہوا تو اس سے بھی آسان ترکیب "تحلیل" نکالکر بے غیرتی کو بھی شرما دیا، ابن بابویہ کتاب اعتقادات میں لکھتا ہے، اسباب حل المرأۃ عندنا اربعۃ النکاح و ملک الیمین والمتعۃ والتحلیل، تحلیل کی تفسیر کتبِ شیعہ میں تلاش کرنے کا موقع نہیں ملا، ایک مجتہد نے دریافت کرنے پر بتایا کہ اس سے اعارۂ فرج مراد ہے۔ دُنیا کا بدترین جانور بھی حضرتِ انسان کی اس شرافت کے سامنے شرم کے مارے سرنگوں ہے۔

شیعہ لوگوں کو سوچنا چاہیئے کہ ایک صدیق کی صداقت کے انکار سے ان پر کیا کیا آفتیں ٹوٹ پڑی ہیں، جن سے مذہب و روایات کی بندشوں سے تو وہ آزاد ہو ہی چکے، اخلاق وانسانیت بھی شیعہ معاشرے سے رخصت ہو گئی، فقط واللہ العالم

۱۹ ذی قعدہ ۱۳۸۱ ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شیعہ کو اہم مشورہ
خالص شیعہ بن جاؤ تو سارے جھگڑے ختم

(اقتباس از تقریر حضرت الشیخ دامت برکاتہم ۶ محرم سنہ ۹۶ھ ۱۲ آسیاآبادی)

شیعہ کا مذہب بالاتفاق یہ ہے کہ یہ قرآن جو ہمارے پاس ہے اس کا ایک حرف بھی صحیح نہیں،[۱] ان کے مذہب کی بنیاد اسی پر قائم ہے، اگرچہ بعض شیعہ قرآن کو دیکھتے اور تلاوت کرتے ہوں، انکی کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ مسئلہ ان کے ہاں متواترات میں سے ہے، متواتر اسے کہتے ہیں کہ کسی چیز کے خبر دینے والے اسقدر ہوں کہ دنیا کی کوئی طاقت اسکے خلاف کو باور نہ کرا سکے. جیسا کہ مکہ کا وجود اس شخص کے لئے بھی یقینی ہے کہ جس نے مکّہ نہ دیکھا ہو، اسی طرح ان کے نزدیک قرآن کا ایک حرف صحیح نہ ہونا اتنا یقینی ہے کہ اسے کوئی جھٹلا نہیں سکتا، حالانکہ اہلِ اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن کے ایک لفظ کا انکار کر دینے والا بھی کافر ہے۔

ایک اعتراض اور اسکا حل

شاید آپ یہ کہیں کہ شیعہ یہ کہتے ہیں کہ ہم قرآن پڑھتے ہیں قرآن ہمارے گھروں میں رکھا ہوا ہے ہم پر یہ الزام غلط اور بلا وجہ ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ جب ان کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے اور وہ ان کتابوں کو صحیح سمجھتے ہیں ان کو چومتے ہیں، سینوں سے لگاتے ہیں اپنے گھروں میں رکھتے ہیں تو آخر یہ کتابیں اگر ان کے عقیدہ کے خلاف ہیں تو ان کے ساتھ یہ معاملہ کیوں ہے؟ میں نے ان کی کتابیں خوب دیکھی بھالی ہیں، ان کو خوب کھنگال کر دیکھا ہے، جو کہونگا کسی کی مجال نہیں کہ اس کا ایک حرف بھی جھٹلا سکے، چاہیں تو کتاب نکال کر دکھاؤں گا، ان کی کتابوں میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک مجلس میں ایک مجتہد صاحب سے کسی نے پوچھا کہ قرآن کیسا ہے؟ تو جواب دیا کہ صحیح ہے، بعد میں انکے کسی شاگرد نے کہا کہ آپ ہم کو تو رات دن یہ پڑھاتے اور سکھاتے رہتے ہیں کہ یہ قرآن غلط ہے اور آج آپ نے یہ نئی بات کہی، تو مجتہد صاحب کہنے لگے، قلتہ تقیۃً میں نے تقیّہ کیا تھا۔

تقیّہ کی حقیقت

تقیّہ ان کے دین کا جزء ہے، تقیّہ کے معنی ہیں جھوٹ بولنا، نفاق سے کام لینا، کسی کو دھوکہ

---

[۱] ان حوالجات کی تفصیل عنوان "کیا شیعہ مسلمان ہیں" کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

دینا وغیرہ، ان کے مذہب میں تقیّہ جائز ہی نہیں بلکہ بہت بڑا ثواب ہے، جو آدمی نفاق سے کام نہیں لیتا وہ بے دین ہے، اصولِ کافی کی روایت ہے لا دین لمن لا تقیۃ لہ[۱] اور ایک روایت میں ہے لا ایمان لمن لا تقیۃ لہ[۲] یعنی جو شخص لوگوں کو دھوکہ نہیں دیتا وہ بے دین اور بے ایمان ہے دو چیزوں کو ملالیں۔ ایک یہ کہ ان کے ایمان میں سے یہ ہے کہ قرآن کا ایک حرف بھی صحیح نہیں۔ دوسری یہ کہ جھوٹ بولنا اور دھوکہ دینا فرض ہے بلکہ عین ایمان ہے۔ اب آپ خود اندازہ لگائیں کہ وہ گھروں میں قرآن کیوں رکھتے ہیں سوائے فریب دہی کے اور کیا ہوسکتا ہے جس کا نام انہوں نے تقیّہ رکھا ہے ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

اہلِ تشیّع کا امتحان

ان منافقین کا امتحان اس طرح لو کہ تم اگر قرآن کو صحیح کہتے ہو تو یہ بتادو کہ تمہارے جن مصنفین و مجتہدین نے قرآن کو غلط کہا ہے وہ مسلمان ہیں یا کافر؟ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو قرآن کو غلط کہنے والے جتنے گزرے ہیں سب کو کافر کہو، اپنے مجتہدین کو جو یہ کہہ گئے ہیں کافر کہو اور ان کی ایسی کتابیں جلا دو تو ہم مان لیں گے کہ تم اپنے دعوے میں سچے ہو، لیکن اگر ان کتابوں کو چھاپتے ہو، ان کی تعظیم کرتے ہو، ان کے مصنفین کو اپنا امام مان کر ان کا احترام کرتے ہو تو معلوم ہوا کہ کچھ دال میں کالا ہے۔

پچھلے دنوں قادیانیوں کا بھی اسی طرح امتحان ہوا کہ جب انہوں نے یہ کہا کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے ہیں، ہمارا ختمِ نبوّت پر ایمان ہے تو ان سے کہا جاتا تھا کہ تم غلام احمد کو کافر کہو انکی کتابیں خاکستر کردو۔

حیدر آباد دکن کے صدیق دیندار چن بسویشور کے چند گنتی کے معتقدین ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم مجاہدینِ اسلام ہیں، ہمارا اسلام پر یقین ہے، ہم دیندار ہیں، ان سے بھی یہی کہا جاتا ہے کہ صدیق دیندار جو پہلے غلام احمد کا چیلا بنا، پھر ترقی کر کے خود نبی بن بیٹھا اور بعد میں خدائی کا دعویٰ کیا اسے کافر کہو، یہ عجیب بات ہے کہ غلام احمد قادیانی جو صدیق چن بسویشور کا پیر ہے وہ تو

[۱] اصول کافی ص۴۸۴ [۲] اصول کافی ص۴۸۴

صرف نبی ہوا اور اس کا مُرید صدیق دیندار خدا بن گیا۔ ع

بریں عقل و دانش بباید گریست

آخر کسی کے دعوے کے صدق و کذب کی کوئی کسوٹی اور معیار بھی تو ہوتا ہے، اس سے بہتر کوئی کسوٹی ہو تو بتا دو۔ آج اگر خدانخواستہ ہمارے پاس کوئی ایسی کتاب لے آئے جس میں لکھا ہو کہ اللہ کا وجود نہیں ہم اس کو چُومیں، چاٹیں، غلاف چڑھائیں، سینوں سے لگائیں اور یہ کہیں کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں تو کیا کوئی ایسا بے وقوف ہے جو ہمارے اس دعوے کو ماننے کے لئے تیار ہو، یہی حال ہے ان شیعہ کا کہ ان کی کسی بھی کتاب میں یہ نہیں لکھا کہ قرآن صحیح ہے۔

شیعہ کی اہم کتب:

شیعہ کی اہم کتابیں کافی اور صافی ہیں۔ صافی دو ہیں، ایک اصول کافی کی شرح ہے دوسری تفسیر کے فن میں ہے، ان کتابوں کے حوالے اگر دیکھنے ہوں تو میری کتاب "احسن الفتاوی" میں ان کو تفصیل سے دیکھا جا سکتا ہے۔

بہرحال اصول کافی ایک ایسی کتاب ہے کہ اس کا کوئی شیعہ انکار نہیں کر سکتا، دوسری کتابوں کے بارے میں وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم مجتہد ہیں اور ایک مجتہد پر دوسرے مجتہد کا قول حجت نہیں ہوتا، اس کا جواب یہ ہے کہ جن مجتہدین نے قرآن تک کا انکار کر دیا ہے ان کو کافر کیوں نہیں کہتے؟ نیز ان کی کوئی بات کہنا ہو تو اصول کافی کو پکڑنا چاہئے اس کا وہ کسی طرح انکار نہیں کر سکتے، اسکی وجہ بھی سُن لیجئے، کہتے ہیں کہ ابن یعقوب کُلینی نے اس زمانے میں یہ کتاب لکھی جبکہ امام مہدی کی غیبتِ صغریٰ کا زمانہ تھا، امام مہدی کے غار میں جا کر غائب ہونے کے بارے میں ان کا خیال یہ ہے کہ ایک زمانے تک جس غار میں وہ چھپے ہوئے ہیں ان کے خاص لوگوں کو اس کا علم تھا کہ کہاں ہیں یہ غیبتِ صغریٰ ہے اور بعد میں وہ ایسے غائب ہو گئے کہ کسی کو اس کا پتہ نہ چلا کہ اب وہ کہاں ہیں یہ غیبتِ کبریٰ ہے۔ یہ شیعہ بڑے نافرمان ہیں ان کا امام تو مسلمانوں سے ڈر کر غار میں چھپے اور یہ یہاں پھر رہے ہیں خواہ مخواہ کا فساد کر رہے ہیں۔

کہتے ہیں کہ امام مہدی شہر "سرّ من رآہ" میں کسی غار میں چھپے ہیں، یعنی اس شہر کو دیکھنے والا خوش ہو جاتا ہے، ابن یعقوب کلینی نے اصول کافی لکھ کر غار میں جا کر امام مہدی کو دکھائی، امام مہدی نے دیکھ کر فرمایا، هٰذا كافٍ لشيعتنا، یہ کتاب ہمارے شیعہ کے لئے کافی ہے، یہی اسکی وجہ تسمیہ بھی ہے۔ اب اس کے ساتھ دو باتیں اور ملا دیں، ایک یہ کہ امام انکے نزدیک معصوم ہوتا ہے

جھوٹ نہیں بولتا ، دوسری یہ کہ امام عالم الغیب ہوتا ہے اسلئے اس سے غلطی نہیں ہوتی ، تو جس کتاب کی تصدیق امام نے کی ہو نہ اس میں غلطی ہو سکتی ہے اور نہ اس میں جھوٹ کا احتمال ہے ، اس کتاب کے سرورق پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے ۔ هذا ما قال فيه الامام الاكبر حجة الله المنتظر هذا كاف لشيعتنا ، واقعی یہ شیعہ کی پٹائی کے لئے کافی ہے ۔

شیعہ صرف قرآن کی تحریف ہی کے قائل نہیں بلکہ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن موجود کفر کے ستونوں کو مضبوط کرتا ہے ۔

وتضمينه من تلقاهم ما يقيمون به دعائم كفرهم (تنبيه الحائرين)	خلفاء ثلاثہ نے قرآن میں وہ باتیں درج کیں جن سے وہ اپنے کفر کے ستونوں کو قائم کر سکیں ۔

شیعہ کو موجود قرآن سے اس لئے عداوت ہے کہ اس میں شیعہ کی طرفداری نہیں کی گئی ۔

لولا انه زيد في القران ما نقص ما خفي حقنا على ذي حجى (تنبيه الحائرين)	اگر قرآن میں کمی بیشی نہ کی جاتی تو ہمارا حق کسی عقلمند پر مخفی نہ رہتا ۔

شیعہ عقیدۂ تحریفِ قرآن کو بطور تقیہ چھپانے کی خواہ کتنی ہی کوشش کریں مگر پھر بھی کبھی دل کی بات زبان پر آ ہی جاتی ہے ، چنانچہ سیّد محمد دہلوی اپنی کتاب "ضربتِ حیدریہ" میں لکھتے ہیں :

ایں نظم قرآنی نظم عثمانی است بر شیعان احتجاج بداں نشاید	قرآن کی موجودہ ترتیب عثمانی ہے اس لئے یہ قرآن شیعہ پر حجت نہیں ہو سکتا ۔

دل کا راز معلوم کرنیکا عجیب گُر

یہ امر تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ نشہ ، جنون یا نیند وغیرہ کی بیہوشی میں دل کی باتیں زبان پر آجاتی ہیں بعض نفسیات سے واقف لوگ اس گُر کے ذریعہ دل کے راز معلوم کر لیتے ہیں ۔ کوئی ایسی بات کہدی کہ سُننے والا طیش میں آکر ہوش کھو بیٹھے اور مخبوط الحواس ہو کر دل کی بات اُگل دے ۔

جب مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی کے "النجم" نے رجوم للشیاطین بن کر دشمنانِ قرآن پر تابڑ توڑ حملے کئے اور ان پر سے تقیہ کی تلبیس کو خاکستر کر کے ان کی اصل تصویر کو عریاں کر دیا تو شیعہ بلبلا اٹھے ، "النجم" کے دفاع کے لئے مستقل تصانیف کے علاوہ تقریباً پچیس ۲۵ رسائل جاری کئے مگر "النجم" کے راکٹ کے سامنے وہ بیت العنکبوت سے زیادہ نہ ٹھیر سکے اور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد یکے بعد دیگرے سب نے دم توڑ دیا ، ان رسائل میں سے ایک ہفتہ وار "دُرِّ نجف" بھی

سیالکوٹ سے جاری کیا گیا تھا اس کی یکم اپریل سنہ ۲۶ء کی اشاعت میں علماء شیعہ کے خصوصی ترجمان اعجاز حسن بدایونی کا مضمون شائع ہوا تھا۔ ہم اس مضمون کا پہلے وہ حصّہ پیش کرتے ہیں، جس سے ناظرین کو یقین ہو جائے گا کہ اعجاز حسن صاحب اس وقت "النّجم" کی شدید ضرب سے بوکھلا کر ہوش کھو چکے تھے اس بیہوشی کے عالم میں انھوں نے سربستہ راز کو اُگل کر رکھ دیا۔

"چشم بد دُور" "النّجم" کیسا چمکیلا کوکب ہے جیسے دلّی والا فلک جرمنی کا چمکتا ستارہ بس اتنا فرق ہے کہ اس کے پرتَو سے بال کالے ہو جاتے ہیں اور اس کی خونی چمک سے قلوب عوام کالانعام کی بینائی پٹ ہو جاتی ہے۔

"النّجم" خرافات و مضرّات کا طومار ہے اور وہ ایک بے ضرر چیز ہے۔ "النّجم" اپنی بے ڈھنگی رفتار سے فساد پھیلاتا ہے اور وہ اپنی چال سے کبھی کبھی چمک دیتا ہے "النّجم" کی رنگت گرگٹ کے مانند بدلتی رہتی ہے اور وہ اوّل دن سے نیلگوں شیشۂ فلک میں ضیا بار ہے۔ "النّجم" کی نحوست یوم نحس مستمر سے بدرجہا زائد ہے کہ یہ روز بدل میں ایک مرتبہ دیکھنا پڑتا ہے اور "النّجم" کی خونی شعاعیں ہر ماہ میں رنگ لاتی ہیں اور مریخی اثر دکھاتی ہیں۔ "النّجم" کی پیشانی پر یہ آیہ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ایسی ہے جیسے پیرِ بے پیر کے سر پر تاجِ شفاعت یا عالم بے عمل کے سر پر قبائے ہدایت یا خلیفۂ پنچایت[۱] کے بدن میں قمیص خلافت یا جاہل احمق کی چندیا پر دستارِ فضیلت شیعو عجب لطیفہ ہے کہ وہ خود گمراہ ہے لیکن ہدایت کا دم بھرتا ہے۔ اس کا مدیر سراپا تقصیر فاسق و بے دین ہے لیکن ہم پر اپنا عیب رگاتا ہے۔ خود مؤمن بالقرآن نہیں اور نہ اسکے ہم مشرب مگر اپنا گناہ بے لذّت ہماری طرف منسوب کرتا ہے۔"

آگے چل کر مدیر "النّجم" کو لکھتا ہے:

"مگر تمھیں حیا نہیں آتی اور چُلّو بھر پانی میں ڈوب نہیں مرتے کہ قصّہ پاک ہو"——

"اپنی جھوٹی بکواس سے توبہ کر لو"۔

اب ہم اس حواس باختہ کے اُگلے ہوئے زہر سے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں:

"رسول کی رحلت کے بعد قرآن کا مرتب ہونا دینی بدعت قرار پایا۔ بدعت پرستو

۱؎ خلیفہ سے مراد حضرت ابو بکر صدیق ہیں اور پنچایت سے مراد انصار و مہاجرین کا وہ تاریخی اجتماع ہے جس پر دنیائے اسلام نازاں ہے اور جسمیں حضرت صدیقِ اکبر کا انتخاب عمل میں آیا۔ یہ اجتماع اقوام عالم کی جمہوری زندگی میں جمہوریت کی خشتِ اوّل کا درجہ رکھتا ہے ۱۲

اگر تم سچے ہو تو قرآن کی صفاتِ موجودہ عہدِ رسول والے قرآن پر منطبق کر دینا ورنہ اپنے دعوائے باطلہ سے تائب ہو جانا پھر کبھی اس قرآن کے اصلی ہونیکا دعوی نہ کرنا۔"
——"مسٹر النجم تم کس منہ سے قرآن موجود کو پورا قرآن بتاتے ہو درآنحالیکہ اصلی قرآن میں سورۂ احزاب دو سو آیت کی تھی"——"اس سورت میں آیۂ رجم بھی تھی"——"اور سنو، سورۂ توبہ کا صرف ایک حصہ رہ گیا ہے، باقی تین حصے غائب ہو گئے"——"بڑے افسوس کی بات ہے کہ قرآن کے تواتر کا دعوی کیا جاتا ہے مگر حال یہ ہے کہ قرآنی آیات بڑی مشکل سے ملتی تھیں معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں اصحاب میں کوئی بھی پورے قرآن کا حافظ نہ تھا"——"الغرض پورا قرآن موجود نہیں ہے اور نہ اسکا دعوی صحیح ہے"——
"قرآن سے پورا سورۂ "نورین" غائب ہو گیا"——"قرآن موجود میں دو مکمل سورے یعنی "حفد و خلع" بالکل ندارد ہیں"——"یہ قرآن جو تمہارے زعمِ ناقص میں مکمل ہے"——"اگر آیۂ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ کے ذریعہ سے اصلی دغیر مجموع قرآن کی حفاظت کا وعدہ خدا نے فرمایا تھا تو وہ کہاں محفوظ رہا"——"پس اگر عہدِ رسول والا قرآن غیر مخلوق ہے جو مجموع اور مجلّد نہ تھا تو اسکا وجود صفحۂ ہستی سے غائب ہے اور اگر یہ قرآن مراد ہے تو اس کے خالق جناب عثمان ہیں پھر کیسے قدیم ہو سکتا ہے"
"حضرت ابوبکر کا قرآن غلط ثابت ہوا جس کی ہر ایک آیت دو عادلوں کی گواہی سے لکھی گئی تھی۔ اسمیں فضول بھرتی ثابت ہونے سے عدل صحابہ اور ایمانِ صحابہ کے ساتھ حضرت ابوبکر کا ایمان بھی رخصت ہوا کہ یہ سب کے سب غلط قرآن پر ایمان رکھتے تھے"
——"مگر آپ نے (حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ایجادِ بندہ فرمائی۔ اب بتاؤ اصلی قرآن کہاں محفوظ رہا"——"آیات کی بیڈھنگی ملاحظہ ہو"——
"دوسری آیت بالکل بے ربط مقام میں لکھی گئی ہے جیسے آیۂ تطہیر ازواجِ نبی کے تذکرہ میں ٹھونس دی گئی ہے"——"اور سنو بارہویں پارہ کے چوتھے رکوع میں طوفانِ نوح کا قصہ عجیب عنوان میں لکھا گیا ہے جس سے جامع قرآن کی جہالت کا طوفانِ بے تمیزی اُبلتا ہے"——"کیوں میاں عبدالشکور سچ کہنا یہی ترتیب مطابق لوحِ محفوظ ہے کیا یہی بے ڈھنگی ترتیب توقیفی ہے، کیا اسی

ادھوری ترتیب کی حفاظت کا خدا نے وعدہ فرمایا ہے۔ کیا اسی ترتیب پر آپ کا اور جامع القرآن کا ایمان ہے۔"

کیا ان اقتباسات کو دیکھنے کے بعد بھی کوئی سیدھا سادہ مسلمان شیعہ کے گھر میں قرآن یا اس کے پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ دیکھکر اس دھوکے میں آسکتا ہے کہ شیعہ قرآن پر ایمان رکھتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہم کا ایک شیعہ مجتہد سے مناظرہ اور مجتہد صاحب کا فرار

ایک دفعہ ایک شیعہ مجتہد نے تقریر میں عام مناظرہ کا چیلنج دیا کہ جو چاہے میرے مقابلہ میں آجائے۔ سندھ کے ایک مقام پر مجھے بلایا گیا کہ ایک شیعہ عالم بار بار پکار کر مناظرہ کا چیلنج دے رہا ہے میں نے کہا کہ مجھے تجربہ ہے کہ جب بھی میں جاتا ہوں وہ لوگ مناظرہ کو تیار نہیں ہوتے، خواہ مخواہ میرا وقت ضائع ہوگا، انہوں نے کہا کہ اس میں اہل سنت کی خفّت ہے، تو میں تیار ہوگیا، کتابیں لے کر مناظرہ کے مقام پر پہنچا، لوگوں کا مجمع تھا، بات وہی نکلی جو میں نے شروع میں کہی تھی وہ شیعہ مناظرہ کو تیار نہ ہوا اور عذر یہ بیان کیا کہ اس سے فتنہ فساد پھیلتا ہے تو میں نے کہا کہ بھئی بلایا تو آپ لوگوں نے خود تھا فساد پھیلتا ہے تو آپ نے چیلنج کیوں دیا؟ لیکن جب وہ کسی طرح بھی تیار نہ ہوئے تو میں نے کہا کہ واقعی ٹھیک کہا آپ نے اس سے فتنہ فساد پھیلتا ہے مگر یہ جو صلح ہے اسے پائیدار ہونا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ آج صلح ہوا اور کل کو میدان خالی دیکھ کر پھر چیلنج شروع کردیں اسلئے میں پائیدار صلح کی چند صورتیں پیش کرتا ہوں آپ ان میں سے جو صورت پسند کریں اسکا انتخاب کریں۔

صلح کا پہلا طریق :

صلح کی بُنیاد اس پر رکھی جائے کہ جس کے قبضے میں مراکز ہیں اس مذہب کو لے لیا جائے خواہ مخواہ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنا لینا ٹھیک نہیں ہے مرکزوں کو فیصل مقرر کرنا چاہیے۔

پہلا مرکز اللہ تعالیٰ :

شیعہ کے نزدیک سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ یہ عقیدہ رکھو کہ اللہ سے غلطی ہوتی ہے ہمیں ایک لفظ اپنی طرف سے نہیں کہتا، کتاب نکال کر ان کو دکھادی، اصول کافی کی روایت ہے۔ ماعظّم اللہ تعالیٰ مثل البداء (اصول کافی ص۸۵) دوسری روایت ماعبد اللہ تعالیٰ مثل البداء (اصول کافی ص۸۵) تیسری روایت سمعت الرضا علیہ السلام قال ما بعث اللہ نبیا قط الا بتحریم الخمر

ان یقرالله بالبداء (اصول کافی ص۸۶)

بداء کے معنی ان کے ہاں یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کوئی کام کر بیٹھتے ہیں بعد میں پچھتاتے ہیں کہ ارے غلطی ہوگئی نعوذ باللہ منہ۔ مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر غلطی سے پاک ہے اور تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ سے غلطی ہوسکتی ہے بلکہ ہوتی رہتی ہے تو یونہی سمجھ لو کہ معاذ اللہ شیعہ کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ سے غلطی ہوگئی۔ بہرحال یہ مرکز مسلمانوں کے ساتھ ہے۔

دوسرا مرکز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

رسول معصوم ہوتے ہیں وہ کسی سے دب کر یا ڈر کر کوئی کام نہیں کرتے یہ ہمارا عقیدہ ہے اور شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ رسول بھی تقیہ کرتا ہے لا دین لمن لا تقیۃ له (اصول کافی ص۴۸۲) اور لا ایمان لمن لا تقیۃ له (اصول کافی ص۴۸۴) نبی اور رسول بھی جب تک جھوٹ اور فریب سے کام نہ لے وہ ایماندار نہیں ہوسکتے، نعوذ باللہ منہ

تیسرا مرکز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد:

اولاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خصوصیت حاصل ہے اور حضرت حسین شیعہ کے مذہب میں العیاذ باللہ بہت بڑے منحوس ہیں۔ نقلِ کفر کفر نباشد، ورنہ زبان یہ کہنے کو تیار نہیں ہوتی۔ شیعہ کی کتابوں میں ہے کہ جبرئیل امین حضور کے پاس آئے اور حضرت حسین کی بشارت دی اور کہا کہ وہ شہید ہوگا، تو آپ نے فرمایا مجھے ایسا نواسہ نہیں چاہیے جو شہید ہو، پھر دوسری دفعہ جبرئیل آئے اور یہی کہا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے ایسا نواسہ نہیں چاہیے، پھر تیسری دفعہ جبرئیل آئے اور کہا کہ انھیں اور ان کی اولاد کو اللہ تعالیٰ امام بنائیں گے تب آپ راضی ہوگئے پھر آپ نے حضرت فاطمہ کے پاس آدمی بھیجکر بشارت دی، اس نے کہا کہ ایسا بیٹا نہیں چاہیے جو شہید ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام ہوگا تو بھی حضرت فاطمہ بادل نخواستہ راضی ہوئیں گویا کہ شہادت کی نحوست امامت سے بھی نہیں ڈھل سکتی، اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی حملته امه کرها و وضعته کرها، حالانکہ قرآن کریم کی آیت کا مطلب یہ ہے کہ اولاد کو ماں کا شکرگزار ہونا چاہیے کیونکہ اس نے کتنی تکلیفیں جھیل کر اسے جنا ہے اور یہ لوگ اسے فاطمہ و حسین پر چسپاں کر رہے ہیں، پھر یہ لوگ کہتے ہیں کہ امام چونکہ عالم الغیب ہوتا ہے اس لئے حضرت حسین کو پتہ چل گیا کہ ان کی والدہ ان کو نہیں چاہتیں تو انھوں نے انتقام لیا اور ان کا دودھ پینے سے انکار

ف یہ حوالہ "کیا شیعہ مسلمان ہیں؟" کے تحت گزر چکا ہے ۱۲ منہ

کردیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے اور اپنا انگوٹھا ان کے منہ میں رکھتے وہ چوستے اور اس سے سیر ہوتے، دیکھئے کس طرح ماں اور بیٹے میں عداوت ظاہر کر رہے ہیں، اسی واقعہ کو شیعہ شاعر نے یوں نظم کیا ہے ؎

ہائے رے شبیر مظلومی تری — رد ہوئی تیری بشارت تین بار
گرچہ راضی ہو چکی تھیں فاطمہ — پھر بھی تھی تیری ولادت ناگوار
کرتی ہے اس رمز کو قرآں میں — امّہٗ کرھا کی آیت آشکار
تجھ کو بھی غیرت کا ایسا جوش تھا — دودھ اس ماں کا نہ چوسا زینہار

چوتھا مرکز حرمین شریفین:

یہ ہمارے قبضہ میں ہیں۔

پانچواں مرکز قرآن مجید:

یہ بھی مسلمانوں کے پاس ہے شیعہ تو اس کی صحت ہی کے قائل نہیں[1]

صلح کا دوسرا طریق

صلح کی دوسری صورت یہ ہے کہ باری کا طریقہ اختیار کیا جائے یعنی کچھ مدّت کے لئے سب سُنی بن جاؤ اور کچھ عرصہ سب شیعہ، تاکہ اتفاق و اتحاد رہے، آگے اس میں اختلاف ہوگا کہ پہلے شیعہ بنیں یا سُنی، اسکا فیصلہ یوں کریں کہ جس کے پاس قانون فی الحال موجود ہے اس مذہب کو فی الحال لے لیا جائے، ہمارا قانون قرآن و حدیث موجود ہے اور شیعہ کا قرآن امام مہدی کے پاس غار میں ہے جو اونٹ کی ران کے برابر موٹا اور ستر گز لمبا ہے وہ تو یہاں موجود ہی نہیں، جس مذہب کا قانون ہی نہیں اس کو لیکر کیسے کام چلے گا اس لئے فی الحال سب شیعہ مسلمان بن جائیں جب بھی امام مہدی آپ کی کتاب لے آئیں گے ہم سب اُن کے ساتھ ہو جائیں گے، آپ ہم سے اس بارے میں معاہدہ لکھوالیں پھر اِس کو رجسٹری بھی کرالیں۔

تیسرا طریقِ کار

اگر صلح کے یہ طریقے منظور نہیں تو آسان سی بات یہ ہے کہ شیعہ اصلی شیعہ بن جائے تو سب

---

[1] اس کے حوالے عنوان "کیا شیعہ مسلمان ہیں؟" کے تحت گزر چکے ہیں، ۱۲۰ منہ

جھگڑے خود بخود ختم ہو جائیں گے، کیونکہ شیعہ مذہب میں یہ احکام ہیں۔

(۱) سیاہ لباس پہننا حرام ہے، عبارات ملاحظہ ہوں۔

(ا) قال امیر المومنین علیہ السلام فیما علّم اصحابہ لا تلبسوا السواد فانہ لباس فرعون کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکرہ لباس السواد الا فی ثلثۃ العمامۃ والخف والکساء (من لا یحضرہ الفقیہ الجزء الاوّل ص۸۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اصحاب کو تعلیم دیتے ہوئے فرمایا کہ کالے کپڑے نہ پہنیں کیونکہ یہ فرعون کا لباس ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پگڑی، موزے اور چادر کے سوا دوسرے لباس میں سیاہ رنگ کو بُرا سمجھتے تھے۔

(ب) سئل الصادق علیہ السلام عن الصلوٰۃ فی القلنسوۃ السوداء فقال لا تصل فیھا فانھا لباس اھل النار (من لا یحضرہ الفقیہ الجزء الاول ص۸۱)

جعفر صادق سے پوچھا گیا کہ کالی ٹوپی میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ فرمایا اس میں نماز نہ پڑھی جائے اسلئے کہ یہ جہنمیوں کا لباس ہے۔ (ایضاً)

(ج) روی اسمٰعیل بن مسلم عن الصادق علیہ السلام انہ قال اوحی اللہ تعالیٰ الی نبی من انبیائہ قل للمومنین لا تلبسوا لباس اعدائی ولا یطعموا مطاعم اعدائی و لا یسلکوا مسالک اعدائی فیکونوا اعدائی فاما لبس السواد للتقیۃ فلا اثم فیہ (من لا یحضرہ الفقیہ ص۸۱ ج۱)

جعفر صادق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی پر وحی بھیجی کہ مومنین سے کہدو میرے دشمنوں کا لباس نہ پہنیں، ان کے کھانے نہ کھائیں اور ان کے راستے پر نہ چلیں، اگر وہ ایسا کریں گے تو میرے دشمن بن جائیں گے، ہاں البتہ تقیّہ کے طور پر سیاہ لباس پہننے میں کوئی حرج نہیں۔ (ایضاً)

(د) فقد روی عن حذیفۃ بن منصور انہ قال کنت عند ابی عبد اللہ علیہ السلام بالحیرۃ فاتاہ رسول ابی العباس الخلیفۃ یدعوہ فدعا بممطر احد وجھیہ اسود والآخر ابیض فلبسہ ثم قال علیہ السلام اما انی البسہ وانا اعلم انہ لباس اھل النار (من لا یحضرہ الفقیہ ص۸۲ ج۱)

حیرہ میں خلیفہ ابو العباس کا قاصد امام جعفر صادق کو بُلانے آیا آپ نے بارش سے بچاؤ کا ایک ایسا کپڑا منگوایا جس کی ایک جانب سیاہ اور دوسری سفید تھی امام جعفر نے اسے پہن کر فرمایا میں اسے یہ جان کر پہن رہا ہوں کہ یہ دوزخیوں کا لباس ہے (ایضاً)

(۲) ماتم کرنا کافروں کا کام ہے۔

(ا) عن ابی عبداللہ قال ان الصبر و البلاء یستبقان الی المؤمن فیاتیہ البلاء وھو صبور وان الجزع والبلاء یستبقان الی الکافر فیاتیہ البلاء وھو جزوع قال قلت لہ ما الجزع قال اشد الجزع الصراخ بالویل والعویل ولطم الوجہ والصدر وجز الشعر من النواصی

(فروع کافی ص۱۲۰ ج۱)

جعفر صادق کہتے ہیں کہ صبر و مصیبت مومن کے پاس آتے ہیں، چنانچہ مومن پر آفت آتی ہے تو وہ صابر رہتا ہے، ایسے ہی جزع و مصیبت کافر کے پاس آتے ہیں، چنانچہ کافر کے پاس آفت آتی ہے تو وہ جزع فزع کرنے لگتا ہے امام جعفر سے جب پوچھا گیا کہ جزع کیا ہے تو فرمایا اشد ترین جزع یہ ہے کہ واویلا کیا جائے چہرہ اور سینہ (شیعہ کی طرح) پیٹا جائے اور پیشانی کے بال نوچے جائیں۔

(ب) من اقام النوحۃ فقد ترک الصبر واخذ فی غیر طریقہ

(فروع کافی ص۲۲۸ ج۲)

جس نے ماتم اور نوحہ کی مجلس قائم کی اس نے صبر کو چھوڑ کر غیر طریق اختیار کیا

(فروع ص۲۲۸ ج۲)

(۳) سُنّی امام کے پیچھے پہلی صف میں نماز پڑھنا اتنا ثواب ہے جتنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنے میں۔

من صلی معھم فی الصف الاول کمن صلی خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(من لا یحضرہ الفقیہ باب الجماعۃ)

جس نے اہل سنت کے ساتھ صف اوّل میں نماز پڑھی وہ ایسا ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی۔

(۴) مناظرہ کرنا حرام ہے اس لئے کہ یہ تقیہ کے خلاف ہے اور تقیہ نہ کرنے والے کا ایمان باقی نہیں، اس کے حوالے پہلے بتائے جا چکے ہیں۔

(۵) ڈاڑھی رکھنا اور مونچھیں کٹانا واجب ہے۔

یہ سب کام کرنے لگو تو کیا کوئی اختلاف باقی رہ سکتا ہے۔ شیعہ مذہب میں تقیہ فرض ہے آپ تقیہ کر کے سُنّی بن جائیں تو سب جھگڑے ختم ہو جائیں۔ شیعہ کی کتابوں میں مدح[۵] صحابہ کی روایات موجود ہیں اور نہج البلاغۃ میں حضرت علی کے کئی خطبے منقول ہیں جن میں انھوں نے شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مدح کی ہے اس لئے آپ بھی مدح صحابہ کے جلسے کیا کریں۔

۵؎ ایسے حوالے عنوان "کتب شیعہ میں حضرات شیخین اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف" میں گزر چکے ہیں۔

پھر جب آپ لوگ سب شیعہ بن جائیں گے تو امام مہدی غار سے باہر نکل آئیں گے، کیونکہ شیعہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب تین سو تیرہ[1] (٣١٣) شیعہ روئے زمین پر ہو جائیں گے تو امام مہدی غار سے باہر آجائیں گے۔

آپ شیعہ بنتے نہیں، امام مہدی نکلتے نہیں، ان کو ناحق آپ نے اپنے کرتوتوں سے غار میں دھکیل رکھا ہے، اپنے امام پر کتنا بڑا ظلم کر رہے ہو، نیز آپ کے خالص شیعہ نہ بننے سے کتنا بڑا فساد ہو رہا ہے، دُنیا گمراہ ہو رہی ہے۔ آپ شیعہ بن جائیں تو امام مہدی آجائیں گے اور سارے جھگڑے ختم ہو جائیں گے،

حاضرین سے

اور کچھ نہیں تو آپ یہاں پر کم از کم تین چار سو شیعہ موجود ہیں آپ سب یہیں پر عزم کر کے پکّے شیعہ بن جائیں تو فیصلہ ہو جائے گا امام مہدی آجائیں گے۔ اگر آپ اتنی تعداد میں ہوتے ہوئے صرف تین سو تیرہ شیعہ بھی نہیں لا سکتے تو معلوم ہوا کہ مدعی شیعیت سب منافق ہیں چنانچہ آپ کی کتابوں میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے ائمہ شیعہ کا یہ فیصلہ[2] موجود ہے کہ ہمارے سب شیعہ منافق اور مرتد ہیں۔ شیعہ علماء نے ان اُمور کا کچھ جواب نہ دیا اور مجلس مناظرہ برخواست ہوگئی، اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائیں اور صراطِ مستقیم پر قائم رکھیں آمین۔

(اِس رسالہ کا ضمیمہ "احسن الفتاویٰ" کے تتمہ میں ہے)

---

[1] اگر عدد ایشان (شیعہ) بسہ صد و سیزدہ (٣١٣) کسی بہیئتِ اجتماعی رسد امام ظاہر شود (صافی باب ۵ ص ٣٦ ج ٣)

[2] یہ حوالے عنوان "کیا شیعہ مسلمان ہیں" کے تحت گزر چکے ہیں، ١٢ منہ

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ
لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ

فتنہ انکارِ حدیث

کتبہ فاروق

حجیّتِ الحدیث پر مبسوط بحث

سوال - آج کل انکارِ حدیث کا فتنہ روز افزوں ترقی پر ہے۔ اس کا قلع قمع کرنا اور عوام کو ایسے فتنوں سے محفوظ رکھنا علمائے وقت ہی کا فریضہ ہے۔ لہٰذا استدعا ہے کہ حجیّۃ الحدیث سے متعلق سیر حاصل بحث فرما کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں گے وَاللّٰہُ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ؕ

الجواب ومنہ الصّدق والصّواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمۡ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیۡبِکَ خَیۡرِ الۡخَلۡقِ کُلِّھِمِ

بمصطفٰیؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست

عبد اللہ چکڑالوی نے سب سے پہلے انکارِ حدیث کا فتنہ برپا کر کے مسلمانانِ عالم کے قلوب کو مجروح کیا۔ مگر یہ فتنہ چند روز میں اپنی موت خود مر گیا۔ حافظ اسلم جیراج پوری نے دوبارہ اس دبے ہوئے فتنہ کو ہوا دی اور بجھی ہوئی آگ کو دوبارہ جلا کر عاشقانِ شمعِ رسالت کے جروح پر نمک پاشی کی اور اب غلام احمد پرویز بٹالوی نگراں رسالہ "طلوعِ اسلام" اس آتش کدہ کی تولیت قبول کر کے رسول دشمنی پر کمر بستہ ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ قادیاں اور بٹالہ دونوں ایک ہی ضلع میں واقع ہیں۔ بلکہ بٹالہ بوجہ تحصیل ہونے کے قادیاں پر ایک قسم کی مرکزی فوقیت رکھتا ہے۔ اس لحاظ سے اگر غلام احمد بٹالوی غلام احمد قادیانی سے رسول دشمنی میں ایک دو درجے اوپر چڑھ جائے تو کوئی بعید نہیں۔ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ان نام نہاد غلاموں نے بموجب مقولۂ مشہورہ "برعکس نہند نامِ زنگی کافور" سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دنیا میں بغاوت کا علم بلند کیا۔ رسول دشمنی پرویز (علیہ ما علیہ) کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے اور یہ امتیازی شان اس کے منحوس نام کا اثر ہے وہ سیاہ بخت کسریٰ جس نے سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے نامۂ مبارک کو بہت پیچ و تاب کھا کر پھاڑ ڈالا تھا وہ بھی پرویز کہلواتا تھا پرویز (علیہ ما علیہ) کو معلوم ہونا چاہئے کہ کسریٰ پرویز کا رسول دشمنی جیسے ناقابلِ معافی جرم میں نہ صرف تاج و تخت کھویا گیا بلکہ سارا خاندان تباہ و برباد ہو گیا۔ یہ تو دنیا کا معاملہ ہے جو دارِ جزا نہیں وَلَعَذَابُ الۡاٰخِرَۃِ اَکۡبَرُ ؕ وہ دن دور نہیں جس کے متعلق ارشاد ہے۔

وَیَوۡمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیۡہِ یَقُوۡلُ جس روز ظالم (غایتِ حسرت سے) اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھائے گا

یٰلَیْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا (۲۵-۲۷) اور کہے گا کیا اچھا ہوتا کہ میں رسول کے ساتھ (دین کی) راہ پر لگ چلتا۔

چودھویں صدی کے پرویز کو بھی اپنی سیاہ کاریوں کے تلخ ثمرات سے خائف رہنا چاہئے فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِہٖٓ اَنْ تُصِیْبَھُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ٥ (خسر الدنیا والاٰخرۃ)

پروفیسر امین الدین صاحب روزنامہ تسنیم لاہور، ۲۰ مارچ ۱۹۵۵ء میں تحریر فرماتے ہیں: "یہ نیا فتنہ لاہور کے ادارہ ثقافت اسلامیہ کے زیر اہتمام سرکاری امداد کے بل بوتے پر پروان چڑھایا جا رہا ہے۔ یہ وہی ادارہ ہے جس کا ذکر گذشتہ دنوں قومی اسمبلی میں ہمارے ملک کے وزیر تعلیم نے فرمایا تھا اور اس کے بعد مغربی پاکستان کے بجٹ میں اس کے لئے پچیس ہزار روپے کی گرانقدر امداد کا انتظام بھی فرمایا گیا ہے"۔

مُفسد کون ہے؟

موجودہ فضا میں جو شخص بھی کسی ایسے ضروری اور اہم مضمون پر قلم اٹھاتا ہے جو خواہشات نفسانیہ کے خلاف ہو یا اس میں کسی ناپاک فتنے کو دبانے کی کوشش کی گئی ہو اور کسی دشمن اسلام کی بدعنوانیوں کی صدائے بازگشت ہو تو بلا امتیاز حق و باطل اسے مُفسد اور مُفتن کہا جاتا ہے۔ قابل غور یہ امر ہے کہ اگر کوئی شخص کسی چودہ سو سالہ مشہور عالم ادارہ کی رکنیت قبول کرے۔ اس ادارہ کے ارکان سابقہ علم و فراست، عملی جدوجہد اور اخلاص میں یکتا ہوں جن کی محیّر العقول مساعی اور شبانہ روز انتھک تگ و دو سے اس ادارہ کا نام چار سو آفاق عالم میں چمکنے لگا ہو اب یہ جدید رکن کہے کہ ادارہ کے سابقہ ارکان سب کے سب جاہل اور قوانین سے ناواقف تھے یا ان میں اخلاص نہیں تھا۔ یا سب کے سب خائن تھے یا ان میں عملی اقدام نہ تھا۔ وہ سب قوانین جن پر چودہ سو سال تک عمل ہوتا رہا سراسر غلط ہیں میں انہیں قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ ادارہ میں قانون وہ جاری ہو جو میں بناؤں اور اس کی فلاح اسی میں ہے جو میں کہوں، فکر صائب صرف وہی ہے جو میرے دماغ میں آئے اور نظریہ صرف وہی درست ہے جو میں پیش کروں تو کیا ایسا رکن ادارہ کا خیر خواہ ہے یا بدخواہ؟ اور مصلح ہے یا مفسد؟ ادارہ کے ارکان سابقہ میں سے اگر کوئی رکن اس جدید روشن خیال کو سمجھائے اور اس کے خرافات کا جواب دے تو کیا اس کے فعل کو فتنہ اور فساد سے تعبیر کیا جائے گا۔ یا کہ امن اور اصلاح سے؟ بعینہٖ یہی مثال غلام احمد پرویز کی ہے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر آج تک دین کا مدار دو ہی چیزیں رہی ہیں، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دو ستونوں پر دین کی عمارت ٹھیری ہوئی ہے۔ خلفائے راشدین، دیگر صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ کرام، محدثین

فقہاء، صوفیہ اور تمام عالم اسلام کے علماء سنتِ نبویہ کو دین میں حجت مانتے آئے ہیں۔ مگر غلام احمد پرویز کا خیال ہے کہ اب امتِ مسلمہ کو قرآن کی وہ تفسیر اور تعبیر قبول کرنی چاہئے جس پر میرے نام کی چھاپ لگی ہوئی ہو۔ میری تفسیر، تعبیر، تشریح کے علاوہ جو کچھ ہے وہ ملّا ازم ہے عجمی سازش ہے۔ جہل اور نادانی ہے۔ اب تک قرآن کو ٹھیک طور پر سمجھا کہاں گیا ہے۔ بڑے بڑے علماء حدیث اور فقہ میں الجھے رہے بلکہ قرآن کے خلاف سازشیں کرتے رہے۔ یہ عجمی سازشی قتادہ، حسن، مجاہد اور عکرمہ جیسے مفسرین کی قرآن میں سند قبول کرتے تھے اور میں نے ان تمام مفسرین کے علی الرغم عبد اللہ چکڑالوی، سر سید احمد خان اور اسلم جیراج پوری سے فیض حاصل کیا ہے۔ لہٰذا قرآن کی تفسیر وہ معتبر ہے جو میں کرتا ہوں۔ قرآن کو ان عجمی سازشوں سے نجات دلانے اور مظلومیت سے چھڑانے والو آؤ، بھاگتے ہوئے آؤ اور میرے ارد گرد جمع ہو جاؤ۔ یہ نیچے اڑا دو تفسیر ابن کثیر کے پارہ پارہ کردو۔ بیضاوی، ابن جریر اور اتقان کو۔ معارف القرآن پڑھو۔ اللہ کی آیات کا صحیح مفہوم اسی میں مل سکتا ہے۔

پرویز لکھتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور احادیث دین میں حجت نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو رواج دے کر جو دین میں حجت ٹھہرایا گیا ہے یہ دراصل قرآن کے خلاف ایک عجمی سازش ہے۔ پرویز خاک بدہن گستاخ نے جن نفوسِ قدسیہ کی طرف عجمی سازش کو منسوب کیا ہے یہ وہ پاک روحیں ہیں جن کو بڑے سے بڑے جابر اور ظالم حاکموں کا ظلم و استبداد کلمۂ حق سے روک نہ سکا جنہوں نے کوڑے کھائے، مصیبتیں جھیلیں۔ دار کے تختوں پر لٹکے تیغوں کے سایوں میں اور توپوں کی گرجوں میں اعلائے حق کی خاطر جانیں قربان کردیں۔ کوئی خوف انہیں مرعوب نہ کرسکا، اور نہ ہی کوئی بڑی سے بڑی طمع اور دنیا کا لالچ انہیں رام کرسکا ؎

ٹل نہ سکتے تھے جو میدان میں اڑ جاتے تھے — پاؤں شیروں کے بھی میداں سے اکھڑ جاتے تھے
تجھ سے سرکش ہوا کوئی تو بگڑ جاتے تھے — تیغ تو کیا چیز ہے ہم توپ سے لڑ جاتے تھے

نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے
زیر خنجر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے

یہ ایسے نفوسِ قدسیہ تھے جن کی عبادت پر فرشتوں کو رشک تھا جن کے دامن ملائکہ کے لئے مصلّے بن سکتے تھے۔ جن کی پاکبازی کی قسم کھائی جاسکتی ہے جن کے جسم رات بھر بستروں سے علیحدہ رہتے تھے جنہوں نے برسوں عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز پڑھی اور خشیتِ الٰہیہ نے جن کے لئے دنیا کی تمام تر لذتوں کو یکسر بے کیف کر ڈالا تھا۔ جو شخص خاک بدہن گستاخ ان سعید روحوں کو قرآن کے خلاف عجمی سازش کرنے والا کہتا ہے۔ اگر

اس کی تحریروں کی وجہ سے عالمِ اسلام اور عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی غیرت جوش میں آجائے تو فتنہ و فساد اور بدامنی کی ذمہ داری کس پر عائد ہوگی ؟

ناپاک عزائم

دشمنانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد صرف انکارِ حدیث تک محدود نہیں بلکہ یہ لوگ (علیہم ما علیہم) اسلام کے سارے نظام کو مخدوش کر کے ہر امر و نہی سے آزاد رہنا چاہتے ہیں۔ نمازوں کے اوقاتِ خمسہ، تعدادِ رکعات، فرائض اور واجبات کی تفاصیل۔ صوم و صلوٰۃ کے مفصل احکام حج کے مناسک، قربانی۔ بیع و شراء، امورِ خانہ داری، ازدواجی معاملات اور معاشرت کے قوانین۔ ان سب امور کی تفصیل حدیث ہی سے ثابت ہے۔ قرآن میں ہر چیز کا بیان اجمالاً ہے جس کی تشریح اور تفصیل حدیث میں ہے۔ پرویز (علیہ ما علیہ) ان سب تفصیلات اور پورے نظام کو یکسر بدل ڈالنا چاہتا ہے۔ باقی رہا قرآن سو اس میں بھی من مانی تفسیر کر کے حقیقی مطالب اور مرادِ الٰہی کو ختم کر دینا چاہتا ہے۔ یہ لوگ اہل قرآن کہلواتے ہیں اور بظاہر قرآن کی تائید میں مضامین بھی لکھتے ہیں لیکن حقیقت میں انہوں نے مارِ آستین بن کر قرآن کے مفہوم کو فنا کر دیا ہے یہی نہیں بلکہ قرآن کی حقانیت کو مخدوش کر رہے ہیں صحابہ، تابعین، محدثین اور فقہاء بقولِ پرویز بخاک بدہن گستاخ قرآن کے خلاف سازشیں کرنے والے اور قرآن کے دشمن تھے تو انہی اسلاف کے ہاتھوں سے ہم تک پہنچے ہوئے قرآن کی صداقت پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے ؟

گندگی چھپی نہیں رہتی

مشہور ہے کہ گندگی چھپی نہیں رہتی۔ کیوں کہ اس کی بدبو ہی اس کی غمازی کرتی ہے۔ منکرینِ حدیث کی تحریروں کے چند جملے ملاحظہ ہوں :-

(۱) منکرینِ حدیث ایک جدید اسلام کے بانی ہیں (رسالہ طلوعِ اسلام ص ۱۶، اگست دسمبر ۱۹۵۲ء)

(۲) بالکل واضح ہے کہ اللہ اور رسول سے مراد "مرکزِ حکومت" ہے (معارف القرآن ص ۶۵۴ ج ۴)

(۳) دین نے قیامِ صلوٰۃ کا حکم دیا تھا۔ مذہب میں یہ چیز نماز پڑھنے کے مرادف بن گئی (پرویز طلوعِ اسلام ص ۴۶ جون ۱۹۵۰ء)

(۴) مرکزِ ملت کو ان میں (جزئیاتِ نماز میں) تغیر و تبدل کا حق ہوگا (پرویز، طلوعِ اسلام ص ۴۷، جون ۱۹۵۰ء)

(۵) میرا دعویٰ تو صرف اتنا ہے کہ فرض صرف دو نمازیں ہیں جن کے اوقات بھی دو ہیں۔ باقی سب نوافل،

(عباد اللہ اختر۔ طلوع اسلام ص ۵۸ اگست ۱۹۵۰ء)

(۶) پھر آج کل مسلمان دو نمازیں پڑھ کر کیوں مسلمان نہیں رہ سکتا (لاہوتی۔ طلوعِ اسلام ص ۱۱۶ اگست ۱۹۵۰ء)

(۷) مذہب میں نماز، روزہ، صدقہ، خیرات اسی خوشامدانہ مسلک (یعنی منافقانہ زندگی کے خوشامدانہ مسلک) کے مظاہر بن جاتے ہیں (پرویز۔ طلوع اسلام جنوری فروری ص ۱۰۸، ۱۹۵۰ء)

⑧ حج ایک بین الملی کانفرنس ہے اور حج کی قربانی کا مقصد بین الملی کانفرنس میں شرکت کرنے والوں کیلئے خورد ونوش کا سامان فراہم کرنا ہے۔ مکہ معظمہ میں حج کی قربانی کے سوا اضحیہ (عید کی قربانی) کا کوئی ثبوت نہیں وغیرہ

(رسالہ قربانی از ادارہ طلوع اسلام)

⑨ عید کے دن بارہ بجے تک دس کروڑ روپے کا قومی سرمایہ ضائع ہوجاتا ہے اور یہ دس کروڑ ہر سال ضائع ہوتے ہیں۔ (رسالہ قربانی)

⑩ عید کی صبح بارہ بجے تک قوم کا کس قدر روپیہ نالیوں میں بہ جاتا ہے (ادارہ طلوع اسلام ص استمبر ۱۹۵۰ء)

⑪ روایات (احادیث نبویہ) محض تاریخ ہیں (پرویز۔ طلوع اسلام جولائی ص ۴۹۔ جولائی ۱۹۵۰ء)

⑫ الغرض حدیث کا صحیح مقام دینی تاریخ وغیرہ کا ہے۔ اس سے تاریخی فائدے حاصل کئے جاسکتے ہیں لیکن دینی حجت کے طور پر نہیں پیش کی جاسکتی (اسلم جیراجپوری۔ طلوع اسلام ص ۴۳، نومبر ۱۹۵۰ء)

⑬ حدیثیں ظنی ہیں (مقدمہ اول) ظن کی پیروی قرآن کی رو سے منع ہے۔ (مقدمہ دوم) نتیجہ حدیث کی پیروی قرآن کی رو سے منع ہے (اسلم جیراجپوری۔ طلوع اسلام ص ۵۷۔ جولائی ۱۹۵۰ء)

⑭ بخلاف اس کے نہ حدیث پر ہمارا ایمان ہے نہ اس پر ایمان لانے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے؛

(اسلم جیراجپوری۔ طلوع اسلام ص ۱، دسمبر ۱۹۵۰ء)

⑮ حدیث کا پورا سلسلہ ایک عجمی سازش تھی اور جس کو شریعت کہا جاتا ہے وہ بادشاہوں کی پیدا کردہ ہے، (پرویز۔ طلوع اسلام ص ۷، اکتوبر ۱۹۵۲ء)

⑯ صرف مردار، بہتا خون، خنزیر اور غیر اللہ کے نام کی طرف منسوب چیزیں حرام ہیں۔ ان کے علاوہ اور کچھ حرام نہیں بلکہ محمد صبیح ایڈوکیٹ لکھتا ہے کہ مذکورہ چار چیزوں کے علاوہ باقی ہر چیز کا کھانا فرض ہے کھانے سے انکار کر دینا گناہ اور خدا کے حکم کی معصیت ہے (طلوع اسلام جون ۱۹۵۲ء)

یعنی کتا، گدھا، گیدڑ، بلی، چوہا حتی کہ پیشاب پاخانہ وغیرہ کا کھانا[1] فرض ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ منکرین حدیث خدا کے حکم کی معصیت سے بچنے کے لئے فرض اور ثواب سمجھ کر شبانہ روز مذکورہ چیزیں مزے لے لے کر کھاتے ہوں گے۔ سوّد اللہ تعالیٰ وجوھہم،

دامن رسول صلی اللہ علیہ وسلم چھڑانے والا پنجہ مروڑ دیا جائیگا

اکتوبر ۱۹۵۲ء کے رسالہ طلوع اسلام سے معلوم ہوتا ہے کہ پرویز (علیہ ما علیہ) کی پنشن

[1] اس کا جواب آپ کو آئندہ صفحات میں ملیگا ۱۲ منہ

کا زمانہ قریب ہے اور اس کو اتنی پنشن مل سکتی ہے کہ وہ معاش کی طرف سے بے فکر ہو جائے اب اس کو چند راز داں بھی ہاتھ آگئے ہیں۔ لہذا پرویز (علیہ علیہ) اب اس مشن (انکارِ حدیث) کو پوری تنظیم کے ساتھ چلانے کا ارادہ کر رہا ہے۔

لہذا ہم پرویز (علیہ علیہ) کو متنبہ کرتے ہیں کہ اگر تمہارے یہی عزائم اور حوصلے ہیں تو بسم اللہ۔ ہم اس چیلنج کو قبول کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور کام کے فدائی سرورِ کائنات کی سنت اور اسوۂ حسنہ کے شیدائی اللہ کے فضل سے ابھی زندہ ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے۔ ہمارے ہاتھوں سے دامنِ رسول چھڑانے کیلئے آگے بڑھنے والا پنجہ مروڑ دیا جائے گا۔ طریق رسالت میں اٹکنے والا روڑا بوٹ کی نوک سے ٹھکرا دیا جائے گا۔ رسول دشمنی کا حوصلہ رکھنے والے گروہ کے پرخچے اڑا دئے جائیں گے اور راہِ رسول میں کانٹے بچھانے والے چودھویں صدی کے ابولہب کو اپنی سیہ کاریوں کا نتیجہ دنیا ہی میں بھگتنا پڑے گا۔ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے قرار دادِ مقاصد میں کتاب اللہ کے ساتھ جو سنت کا لفظ بھی شریک کر دیا ہے۔ اس پر پرویز (علیہ علیہ) بہت خفا ہے۔ متواتر چیخ چیخ کر پکار رہا ہے اور دہائی دے رہا ہے کہ قرار دادِ مقاصد سے سنتِ نبوی کو حذف کر کے صرف کتاب اللہ کو باقی رکھا جائے۔ یہ دریدہ دہن پاکستان میں بہت بڑے فتنہ کا دروازہ کھولنا چاہتا ہے اور حکومت کو مشورہ دیتا ہے کہ دین کے اصل الاصول اور مسلمانوں کے اجماعی عقیدہ کو یکسر ٹھکرا دیا جائے۔ ہمیں یقین ہے کہ پاکستان کے اربابِ حل وعقد کے سامنے ایسی مفسدانہ آوازیں صدا بصحرا ثابت ہوں گی۔ اگر بفرضِ محال دستور ساز اسمبلی نے قرار دادِ مقاصد سے سنتِ نبویہ کو حذف کر ڈالا تو جس دن (خدا نہ کرے) یہ اعلان ہوگا۔ وہ دن پاکستان کی تاریخ میں شدید ترین کشمکش کا دن ہوگا۔ یہ باتیں اس مملکت میں نہیں چل سکتیں جو کتاب و سنت کے نام پر وجود میں آئی ہو۔ مسلمان اس متاعِ بے بہا کو کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتے۔ ہمارے اندازِ تحریر سے کسی صاحب کو درشتی کا شکوہ نہ ہو کیونکہ یہ منکرینِ حدیث حقیقت میں منکرینِ اسلام ہیں۔ یہ کفر اور ایمان کا سوال ہے ہم ان پر ذرہ برابر بھی نرمی کرنا روا نہیں سمجھتے۔ ہماری ان سے جنگ ہے اور اس کی ابتدا ہم نے نہیں کی۔ انہوں نے کی ہے، انہوں نے ہی پہلے فتنہ کی آگ کو بھڑکایا ہے۔ پس ہم بھی اس فتنہ کو کچلنے کے لئے اپنی تمام تر قوتیں صرف کر دیں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حیات ہماری جان اور ایمان ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور کام کی حفاظت کے لئے اپنی جان قربان کر دینا ہم انتہائی سعادت سمجھتے ہیں ؎

فان ابی و والدتی وعرضی لعرض محمد منکم وقاء

حق تو یہ ہے کہ اس قسم کے ملحدوں کو تہ تیغ کر کے انہیں ان کے کردار کا مزہ چکھا دیا جائے مگر شریعت

غزا، کی حفاظت اور راحتِ مسلمہ کے امن کی خاطر بموجب قانونِ الٰہی کسی ملحد کو موت کے گھاٹ اتار کر اس کے وجودِ نامسعود سے دنیا کو پاک کر دینا تو درکنار یہاں تو اس قسم کے ملحدین کے متعلق لب کشائی کرنا اور صدائے احتجاج بلند کرنا بھی ممنوع قرار دیا گیا ہے ۔

یہ دستورِ زباں بندی عجب ہے تیری محفل میں یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری

دنیا میں بڑے سے بڑا احمق پڑا ہوا ہے

پرویز علیہ ما علیہ اپنے عقیدتمندوں پر نازاں ہے، عقیدتمندوں کا جمع ہو جانا حقانیت کی دلیل نہیں۔ اس دنیائے خیر و شر میں کوئی ایسا پلیٹ فارم نہیں جس پر اجتماع نہ ہوا ہو ہر آواز پر کچھ نہ کچھ لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ ہم نے دیوانوں اور پاگلوں کے پیچھے عقیدت مندوں کی ٹولیوں کو ہاتھ باندھے ہوئے دیکھا ہے، ہماری ہی بستی میں ایک شخص ایک ہندو کا اس لئے عقیدت مند ہے کہ وہ ہندو پاگل ہے۔ جب قادیانی مجنوں (جو مراق کا خود اقرار کرتا ہے) کے پیچھے ہزاروں حمقاء جمع ہو سکتے ہیں تو بٹالوی منکرِ اسلام کے جھنڈے کے نیچے اگر چند بے وقوف اکٹھے ہو جائیں تو کیا تعجب ہے؟ دنیا میں بے وقوفوں کی کمی نہیں یہاں بڑے سے بڑا احمق پڑا ہوا ہے۔

خوفناک فتنہ کے مقابلہ میں کھڑے ہو جاؤ

ہم اوپر ظاہر کر چکے ہیں کہ چودھویں صدی کا ابولہب رسول دشمنی کے منصوبے کو جماعتی تنظیم کے ساتھ چلانا چاہتا ہے، لہٰذا اے شمعِ رسالت کے پروانو، سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤ، محبوب دو عالم کی محبت اور عشق کے دعویدارو، شفیع المذنبین کی شفاعت کے طلب گارو، اٹھو دشمنانِ رسول کے مقابلہ کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ بے غیرت ہے وہ شخص جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کوئی آواز سنے اور اس کی حمیت بے چین نہ ہو بے ایمان ہے وہ سیاہ بخت جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے کے منصوبے آنکھوں سے دیکھ رہا ہو اور اس کے دل پر چوٹ نہ لگے۔ ملعون ہے وہ مسلمان کہلوانے والا جس کے روبرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور اسوۂ حیات کو مٹایا جا رہا ہو، مگر اس کی رگوں میں خون نہ گرمائے اور جسم کے رونگٹے کھڑے نہ ہوں۔ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اس شجرِ خبیثہ کی بیخ کنی کے لئے مستعد اور کمربستہ ہو جائے۔ اس فتنہ کو نرمی اور ملایمت سے رام نہیں کیا جا سکتا۔ اسے دبانے کے لئے پوری قوت اور شدت سے کام لینا پڑے گا۔ وہ اہلِ ایمان جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کو عین ایمان جانتے ہیں ان کا فرض ہے کہ تقریروں، تحریروں، عام

محفلوں اور نجی صحبتوں میں اس فتنہ پر ملامت کریں اور ناواقف مسلمانوں کو اس بے دینی کے سیلاب سے بچائیں۔ یہ اختلاف مسلمانوں کے مختلف مسالک کے درمیان فروعی اختلافات جیسا نہیں یہ ایمان اور کفر کا اختلاف ہے۔ لہٰذا تمام تر جزئی اختلافات کو چھوڑ کر متحد محاذ قائم کرنا اور مسلمانوں کی جمیع جاعتوں کا ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر اس فتنہ کا مقابلہ کرنا فرض ہے۔

اس کے بعد ہم حجیتِ حدیث پر مختصراً چند دلائل پیش کرتے ہیں۔ حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ دشمنانِ رسول کے مقابلہ میں کھڑے ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے قل وَجبرئيل معك اس لئے میں دشمنانِ رسول کے مقابلہ میں مضمون لکھتے وقت ہر لمحہ کو انتہائی سعادت اور خوش نصیبی سمجھتا ہوں۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی کا مذکورہ بالا ارشادِ گرامی جب آنکھوں کے سامنے آتا ہے تو دل میں وہی سُرور موجزن ہونے لگتا ہے جو حضرت حسّان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلب میں ہوتا ہوگا۔ اس لطف اور سُرور کے سامنے دنیا بھر کی لذتیں بے کیف اور بڑے سے بڑے مصائب اور رنج وغم کافور ہو جاتے ہیں۔ یہی اور صرف یہی ایک خدمت ہے جسے میں اوثق الاعمال اور ذریعۂ نجات سمجھتا ہوں اور یہی ہدیہ اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کرتا ہوں ؏ گر قبول افتد زہے عزّ و شرف۔

آیاتِ بیّنات

① ـــــ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا وحی کو ارسالِ رسول کے مقابلہ میں ذکر کرنا دال ہے کہ بغیر ارسال کے بھی وحی ہوتی ہے۔ یہی حدیث ہے۔

② ـــــ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَا سے معلوم ہوا کہ بیت المقدس کی طرف استقبال حکمِ الٰہی تھا حالانکہ قرآن مجید میں یہ حکم مذکور نہیں۔

③ ـــــ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ سے معلوم ہوا کہ پہلے رمضان کی رات میں بھی جماع کرنا حرام تھا۔ یہ حرمت حدیث ہی سے تھی۔ قرآن میں اس کا ذکر نہیں۔

④ ـــــ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ اُحد کے موقع پر نازل ہوئی جس میں مذکور ہے کہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے انزالِ ملائکہ کا وعدہ فرمایا تھا۔ حالانکہ قرآن میں موقعِ بدر پر اس قسم کا کوئی وعدہ مذکور نہیں۔ معلوم ہوا کہ انزالِ ملائکہ کا وعدہ وحی غیر متلو سے تھا جو حدیث ہے۔

⑤ ـــــ قرآن کریم میں انبیاء سابقین علیہم السلام کی احادیث مذکور ہیں جو حجیتِ حدیث پر واضح دلیل ہے۔ جب انبیاء سابقین کی احادیث کا ان کی امتوں پر واجب الاتباع ہونا قرآن سے ثابت ہے تو ہمارے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہم پر کیوں واجب العمل نہیں؟

(۶) قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خواب کا واقعہ مذکور ہے جس میں صریح دلیل ہے کہ نبی کا خواب حجت اور واجب العمل ہے، حالانکہ خواب وحی متلو نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہزار تمناؤں کے بعد آخر عمر میں اللہ تعالیٰ نے فرزند عزیز عطا فرمایا۔ پھر حالتِ رضاع ہی سے برسوں تک اکلوتے بیٹے کو وادیٔ غیر ذی زرع میں چھوڑ کر فراق کے صدمے برداشت کئے۔ مگر خلیل علیہ السلام کے مقامِ تسلیم و رضا و خلّت کے امتحان کی ایک شدید ترین گھاٹی تاحال باقی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خواب کو حکمِ الٰہی یقین کرتے ہوئے بغیر کسی قسم کے تردّد کے تعمیلِ حکم کے لئے نہ صرف آمادہ ہو جاتے ہیں بلکہ لختِ جگر کو قربان کرنے کا عمل بھی نہایت مستعدی کے ساتھ شروع کر دیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عزیز ترین اکلوتے بیٹے کے ذبح کا اقدام کرنا اور اسمٰعیل علیہ السلام کا "اِفْعَلْ مَا تُؤْمَرُ" کی بجائے مَا تُؤْمَرُ کہنا اور اللہ تعالیٰ کا قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ، وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ارشاد فرمانا اور اس امتحان کو "بَلٰٓؤٌا مُّبِيْنٌ" سے تعبیر کرنا، یہ جملہ امور واضح دلیل ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں ذبحِ ولد کا حکم ہوا تھا اور وہ حکم واجب العمل بھی تھا۔

(۷) — قرآن کریم میں جابجا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ارشاد ہے۔ اگر نبی کا قول و فعل قابلِ اعتبار نہیں تو اَطِيْعُوا اللّٰهَ کے ساتھ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ کا لفظ بار بار کیوں ذکر کیا گیا۔ قرآن میں کئی جگہ بار بار اطاعتِ رسول کی تاکید کی گئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی پر وعید سنائی گئی ہے۔

(۸) — فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (۴-۵۹) اگر تم کسی چیز میں جھگڑا کرو تو اس کو اللہ اور رسول کے حوالے کر دیا کرو۔

(۹) — لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (۳-۱۶۴) تحقیق اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا جبکہ ان میں ان ہی کی جنس سے ایک ایسے پیغمبر کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان لوگوں کی صفائی کرتے رہتے ہیں اور ان کو کتاب اور فہم کی باتیں بتاتے رہتے ہیں۔

(۱۰) — كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝ (۲-۱۵۱) جیسا کہ ہم نے تمہاری جنس سے تم میں ایسے رسول کو بھیجا جو تم کو ہماری آیات پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور تمہاری صفائی کرتے ہیں اور تمہیں کتاب اور فہم اور ایسے علوم کی تعلیم دیتے ہیں جن سے تم ناواقف تھے۔

(۱۱) ـــــ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ (۲-۱۲۹) اے ہمارے رب ان میں ان کی جنس سے ایسے رسول کو بھیجئے جو ان کو آپ کی آیات پڑھ پڑھ کر سنائیں اوران کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیں اورانہیں پاک کریں۔

(۱۲) ـــــ هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ط (۶۲-۲) اللہ تعالیٰ نے ناخواندہ لوگوں میں ان کی جنس سے ایسے رسول کو بھیجا جوان کو اللہ کی آیات پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اوران کو صاف کرتے ہیں اوران کو کتاب آسمانی اورفہم کی تعلیم دیتے ہیں۔

یہ آیات معنی اورمفہوم کے لحاظ سے قطعی طور پر محکم ہیں۔ ان میں صاف دلالت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ڈاک کے ہرکارے کی طرح محض بلاغ ہی نہ تھا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کتاب اورحکمت کے معلم اور مسلمانوں کے لئے مزکی بھی تھے۔ تعلیم الکتاب کا فرض جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ لگایا گیا تو آپ اس فرض کو کس طرح ادا کرتے تھے؟ کیا قرآن کے طلبہ (صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) آپ سے کسی آیت کے بارے میں کچھ دریافت ہی نہ کرتے تھے؟ اور اگر کچھ دریافت کرتے تھے تو کیا آپ ان کے جواب میں قرآن ہی کی کوئی آیت پیش کر دیتے تھے؟ کیا یہ طریق تعلیم قرین قیاس ہوسکتا ہے کہ ایک معلم کسی کتاب کی تعلیم دے تو طلبہ تلاوتِ متن اور سماع کے سوا کوئی بات دریافت ہی نہ کریں۔ اور اگر کچھ دریافت کریں تو استاد اس کے جواب میں کتاب ہی کا متن پڑھ دے، اپنی زبان سے کچھ تشریح نہ کرے۔ معلم کا فرض ہے کہ کتاب کے مجملات کی تفسیر اور تشریح کرے اور طلبہ کے اعتراضات وخدشات کو حل کرے۔ کتاب کے مفہوم اورمعنی کو واضح طور پر سمجھائے۔ پرویز کہتا ہے کہ قرآن سمجھنے کے لئے حدیث کی ضرورت نہیں ہر شخص اپنے دماغ سے قرآن سمجھ سکتا ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ قرآن میں صلوٰۃ وصوم، حج وزکوٰۃ وغیرہ کی تفاصیل کا کہاں ذکر ہے۔ اور اگر قرآن کی تفسیر کرنے کا کسی کو حق نہیں تو آپ نے "معارف القرآن" لکھ کر حماقت کا ثبوت کیوں دیا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر تو قابل قبول نہیں اوراس گستاخ خاک بدہنش کی تفسیر قابل اعتبار ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً اپنے قول وفعل سے قرآن کی تشریح فرماتے تھے اورصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگیوں کا تزکیہ کرتے تھے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول وفعل قابل اعتبار نہیں تو معلم الکتاب اورمزکی کیسے ہوئے؟ اور پھر وَالْحِكْمَةَ کا عطف مغایرت کا مقتضی ہے، اسلئے مفسرین نے حکمت کی تفسیر حدیث سے کی ہے، نیز وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ میں تکریر عامل اس پر دال ہے کہ یہ علوم قرآن کے سوا کسی دوسری جنس کے ہیں۔ یہی حدیث ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو قرآن کی تشریح اور تفصیل فرماتے تھے وہ اپنی ذات کی طرف سے نہ تھی بلکہ وہ بھی پروردۂ وحی والہام ہوا کرتی تھی جیسا کہ آئندہ آیت سے ظاہر ہے۔

(۱۳) ــــ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى (۵۳-۴ ۳) آپ اپنی نفسانی خواہشات سے باتیں نہیں بتاتے۔ آپ کا ارشاد خالص وحی ہے۔

(۱۴) ــــ فَأَوْحٰى إِلٰى عَبْدِهٖ مَا أَوْحٰى (۵۳-۱۰) اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر کچھ وحی نازل فرمائی۔

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ حدیث وحی ہے۔

(۱۵) ــــ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (۴-۶۵) قسم ہے تیرے رب کی یہ لوگ اس وقت تک ہرگز مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ اپنے اختلافات میں آپ کو فیصل نہ مان لیں۔ پھر آپ کے فیصلہ سے تنگدل نہ ہوں اور خوشی سے تسلیم کرلیں۔

(۱۶) ــــ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (۳۳-۲۱) تمہارے لئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں بہترین نمونہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام لفظوں میں بھیجے۔ اس نے خود نماز پڑھ کر زکوٰۃ دے کر، حج کرکے اور روزہ رکھ کر نہیں دکھایا۔ اس فریضہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انجام دیا۔ اس لئے فرمایا صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي اللہ تعالیٰ کی ذات بیوی، بال بچوں اور شریک سے منزہ ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوی کے ساتھ حسن سلوک، بچوں کی تربیت، دوستوں اور دشمنوں کے ساتھ برتاؤ کرکے دکھایا۔ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کو برت کر ایک نمونہ قائم کردیا ــــ غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی قول و فعل اور زبان و عمل سے قرآن کی مفسّر اور معلّم تھی۔ گویا کہ آپ بولتا ہوا قرآن تھے۔ ؏ قاری نظر آتے تھے حقیقت میں تھے قرآن۔

(۱۷) ــــ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيلِي أَدْعُوا إِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي (۱۲-۱۰۸) آپ فرما دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں اس طور پر کہ میں اور میرے متبعین دلیل پر قائم ہیں۔

(۱۸) ــــ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (۳-۳۱) آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو۔

(۱۹) ــــ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّٰهِ (۴-۶۴) ہم نے ہر رسول اس لئے بھیجا تاکہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

(۲۰) ــــ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ (۳-۵۰) اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

(۲۱) ـــــ وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (۴-۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

(۲۲) ـــــ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا (۲۴-۵۴) اگر رسول کی اطاعت کروگے تو ہدایت پاؤ گے۔

(۲۳) ـــــ فَاتَّبِعُوْنِیْ وَاَطِيْعُوْا اَمْرِیْ (۲۰-۹۰) میرا اتباع کرو اور میرے حکم کی اطاعت کرو۔

(۲۴) ـــــ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (۳۳-۳۳) اللہ اور رسول کی اطاعت کرو

(۲۵) ـــــ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا (۴۹-۱۴) اگر تم اللہ اور رسول کی اطاعت کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال میں ذرا بھی کمی نہ کریں گے۔

(۲۶) ـــــ اِسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ (۸-۲۴) اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔

(۲۷) ـــــ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ (۳-۵۳) اے ہمارے رب ہم تیرے نازل کئے ہوئے احکام پر ایمان لائے اور ہم نے رسول کا اتباع کیا

(۲۸) ـــــ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (۷-۱۵۸) آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا ہوں۔

(۲۹) ـــــ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (۲۱-۱۰۷) ہم نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا۔

(۳۰) ـــــ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (۳۴-۲۸) ہم نے آپ کو ساری دنیا کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا۔

(۳۱) ـــــ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (۳۳-۴۰) آپ رسول اللہ اور خاتم النبیین ہیں۔

ان چاروں آیتوں میں واضح دلیل ہے کہ قیامت تک کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور فعل حجّت ہے۔ رحمت اور بشیر و نذیر تب ہی ہو سکتے ہیں کہ آپ مزکی ہوں اور آپ کا قول و فعل حجّت ہو۔

(۳۲) ـــــ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰی قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِيْنٍ (۲۶-۱۹۵) قرآن آپ پر اس لئے نازل کیا گیا تاکہ آپ لوگوں کو ڈرائیں۔

(۳۳) ـــــ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ (۴-۱۶۵) رسولوں کو بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا گیا۔

(۳۴) ـــــ يٰۤاَيُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا (۳۳-۴۶) ہم نے آپ کو شاہد، بشیر اور نذیر، اللہ کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا۔

(۳۵) — يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا ﴿۴-۱۷۴﴾
اے لوگو! تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل اور ظاہر نور آچکا ہے۔

(۳۶) — قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ ﴿۵-۱۵﴾ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور ظاہر کتاب آچکی ہے۔

(۳۷) — وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا ﴿۳۳-۳۶﴾ مومن مرد یا عورت کو اختیار نہیں کہ اللہ اور رسول کے فیصلے کو رد کرسکیں جس نے اللہ اور رسول کی نافرمانی کی وہ ظاہر گمراہی میں ہے۔

(۳۸) — وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۶/۴۴﴾
ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لئے اس کی تشریح فرمائیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب تبیین اور تشریح ہے۔ ذکر سے مراد قرآن۔ بیان سے حدیث اور تفکر سے مراد اجتہاد و استنباط ہے۔

(۳۹) — فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخِّرْنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ﴿۱۴/۴۴﴾
قیامت کے دن کفار کہیں گے کہ اے رب ہمیں کچھ مہلت ملے تو ہم آپ کی اور رسولوں کی اطاعت کریں۔

(۴۰) — فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۴/۶۳﴾
رسولوں کے نافرمانوں کو دنیوی اور اخروی عذاب سے ڈرنا چاہیے۔

(۴۱) — وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ﴿۲۵-۲۷﴾
جس روز ظالم حسرت سے ہاتھ کاٹ کاٹ کھائے گا اور کہے گا کہ کاش میں رسول کا اتباع کرلیتا۔

(۴۲) — يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ ﴿۴-۴۲﴾ قیامت کے دن رسول کے نافرمان تمنا کریں گے کہ کاش مٹی ہوجائیں۔

(۴۳) — يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَا لَيْتَنَا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَا ﴿۳۳-۶۶﴾
دوزخی کہیں گے کہ کاش ہم اللہ اور رسول کی اطاعت کرلیتے۔

ہم پرویز کو بطور خیرخواہی کے مشورہ دیتے ہیں کہ اس عذاب اور رسوائی سے پہلے رسول دشمنی سے تائب ہوکر دائرۂ اسلام میں داخل ہوجائے۔

(۴۴) — قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ ﴿۹/۲۹﴾

ایسے لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور اللہ و رسول کی حرام کردہ اشیاء کو حرام نہیں سمجھتے۔
اس آیت کے حکم کے بموجب حکومت اسلامیہ پر فرض ہے کہ بذریعہ قتال پرویز کی بیخ کنی کرے۔

(۴۵) یُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ (۷-۱۵۷) رسول پاکیزہ چیزوں کو حلال اور خبیث چیزوں کو حرام کرتا ہے۔

(۴۶) وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ (۹-۵۹) اگر یہ لوگ اللہ اور رسول کے دیے ہوئے پر راضی رہتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا۔

(۴۷) وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ (۴-۱۵۰) کفار اللہ اور رسول کی اطاعت میں فرق کرنا چاہتے ہیں۔

(۴۸) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ○ (۴۹-۲) اگر تم رسول کی آواز پر اپنی آواز بلند کروگے تو تمہارے اعمال ضائع جائیں گے۔

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز کا بلند کرنا جب اعمال کی بربادی کا باعث ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مقابلہ میں اپنی رائے کو مقدم رکھنا اعمال کی تباہی کا سبب کیوں نہ ہوگا؟

(۴۹) اَلنَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ (۳۳-۶) نبی مومنین کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتا ہے۔

(۵۰) إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ (۴-۱۰۵) ہم نے آپ کی طرف قرآن اس لئے نازل کیا تاکہ آپ لوگوں میں حکم الٰہی سے فیصلہ کریں۔

(۵۱) مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (۵۹-۷) رسول کے حکم کی اطاعت کرو اور جس چیز سے رسول صلے اللہ علیہ وسلم روکیں اس سے باز رہو۔

اسلم جیراجپوری کہتا ہے، مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ الخ مال غنیمت کے ساتھ خاص ہے رسول اللہ کی احادیث اور ہدایات اس میں شامل نہیں اور دلیل میں ایک مضحکہ انگیز بات کہتا ہے کہ حدیثیں چونکہ اقوال ہیں اس لئے ان پر ایتاء کا لفظ اطلاق نہیں ہو سکتا۔ یہ نتیجہ ہے رسول دشمنی کا کہ خود قرآن میں تحریف کرنے لگے۔ قرآن مجید میں کتاب، حکمت، علم، فضل، رحمت، عذاب وغیرہ

پر انبیاء کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا۔ وَاٰتٰنِیْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِہٖ۔ فَلَمَّآ اٰتَوْہُ مَوْثِقَھُمْ۔ فَاٰتِہِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ۔ وَاٰتَیْنٰہُ الْحُکْمَ صَبِیًّا۔ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِکْمَةَ۔ وَاٰتَیْنٰہُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا۔

رسول دشمنی کے جرم میں عقل اور فہم تو مسخ ہو ہی چکی تھی۔ اب حافظہ کا بھی دیوالہ نکل گیا۔ بلکہ آنکھیں بھی چندھیا گئیں۔ قرآن میں کوئی دس یا بیس مرتبہ نہیں بلکہ بار بار کئی جگہ کتاب علم اور حکمت کے متعلق ایتاء کا لفظ وارد ہوا ہے۔ مگر مہارتِ قرآنی کے مدعیوں کی بصیرت کے ساتھ ساتھ بصارت بھی مسخ ہو چکی ہے۔ اور وہ دن بھی دور نہیں جب کہ دشمنانِ رسول کی زبان پر رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْٓ اَعْمٰی وَقَدْ کُنْتُ بَصِیْرًا (اے اللہ مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا حالانکہ میں دنیا میں اندھا نہ تھا) کا ورد ہوگا۔ بفرض محال اگر مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ کا مالِ غنیمت کے ساتھ مخصوص ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے تو ہم پوچھتے ہیں کہ جب مالِ غنیمت کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور فعل تم بھی حجت مانتے ہو تو دیگر امور میں آپ کا اسوہ حسنہ کیوں قابلِ اعتبار نہیں؟ مابہ الفرق کیا چیز ہے۔

احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حجیتِ حدیث کا اثبات خود حدیث سے نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا مندرجہ ذیل احادیث مؤیدات کے باب میں سے ہیں۔

منکرینِ حدیث تاریخ سے استدلال کرتے ہیں اور حدیث تو بوجہ تنقید و تنقیح اسناد وغیرہ کے تاریخ سے بدرجہا قوی ہے۔ اثباتِ حجیتِ حدیث کے لئے تین قسم کے دلائل قطعی ہیں جن میں سے آیاتِ قرآنیہ اوپر گذر چکیں اور اجماع و عقلِ سلیم کا بیان احادیث کے بعد آئے گا۔

(۱) عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لَا یُؤْمِنُ احدکم حتّٰی اکون احبّ الیہ من ولدہ ووالدہ والنّاس اجمعین۔ (رواہ الشیخان)	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کو میرے ساتھ اپنی اولاد اور اپنے والد اور سب لوگوں سے زیادہ محبت نہ ہو جائے

محبت مستلزم ہے محبوب کی اطاعت کو

نعصی الرسول وانت تظہر حبہ
هذا لعمری فی الفعال بدیع

لو کان حبك صادقاً لاطعته
ان المحب لمن یحب مطیع

(۲) عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی خطبۃ یوم حجۃ الوداع، ایہا الناس انہ لا نبی بعدی ولا امۃ بعدکم فاعبدوا ربکم وصلوا خمسکم وصوموا شہرکم وادّوا زکوٰۃ اموالکم طیبۃ بہا انفسکم واطیعوا ولاۃ امورکم تدخلوا جنۃ ربکم

(مسند امام احمد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں، تم اپنے رب کی عبادت کرو اور پانچ وقت کی نمازیں، رمضان کا روزہ اور کشادہ دلی سے زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور مسلمان حکام کی اطاعت کرتے رہو تو تمہارے لئے جنت ہے۔

(۳) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل امتی یدخلون الجنۃ الا من ابیٰ قالوا یارسول اللہ ومن یابیٰ قال من اطاعنی دخل الجنۃ ومن عصانی فقد ابیٰ۔

(رواہ البخاری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری ساری امت جنت میں داخل ہوگی مگر جو انکار کرے گا۔ صحابہ نے عرض کیا کہ انکار کون کرے گا۔ تو آپ نے فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔

(۴) عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یابنی ان قدرت ان تصبح وتمسی ولیس فی قلبك غش لاحد فافعل ثم قال یابنی وذلك من سنتی ومن احب سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنۃ (رواہ الترمذی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ حتی الامکان کسی کے ساتھ بغض نہ رکھو پھر فرمایا کہ یہ میری سنت ہے جس نے میری سنت کو محبوب رکھا اس نے مجھے محبوب رکھا اور جس نے مجھ سے محبت رکھی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

(۵) عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یؤمن احدکم حتی یکون هواہ تبعًا لما جئتُ بہ (شرح السنۃ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہشات میرے بتلائے ہوئے احکام کے تابع نہ ہو جائیں۔

(۶) علیکم بسُنّتی وسُنّۃ الخلفاء الراشدین المھدیین (ابوداؤد)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میرے اور خلفائے راشدین کے طریقے کو لازم پکڑو۔

(۷) ولو ترکتم سنّۃ نبیّکم لضللتم (مسند احمد بن حنبل و دارمی)

اگر نبی کا راستہ چھوڑو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔

(۸) وجوب اتباع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما لم یوح الیہ من القرآن (مسند احمد بحوالہ مفتاح)

جو حکم قرآن میں مذکور نہ ہو اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع فرض ہے۔

(۹) ملازمۃ الرجل للکتاب والسُّنّۃ (موطا امام مالک بحوالہ مفتاح)

قرآن و حدیث پر عمل کرنا ضروری ہے۔

(۱۰) اثم الحائد عن السنّۃ (دارمی بحوالہ مفتاح)

حدیث سے اعراض کرنے والا سخت گنہگار ہے۔

(۱۱) کان جبریل ینزل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالسنّۃ کما ینزل علیہ بالقرآن (دارمی بحوالہ مفتاح)

حضور پر جس طرح جبرئیل قرآن نازل کیا کرتے تھے اسی طرح حدیث بھی اللہ کی طرف سے نازل کیا کرتے تھے۔

(۱۲) السنّۃ قاضیۃ علی القرآن (دارمی بحوالہ مفتاح)

حدیث قرآن کی تفسیر اور تشریح ہے۔

(۱۳) ملعون التارك لِسُنّۃِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ترمذی بحوالہ مفتاح)

حدیث کو چھوڑنے والا ملعون ہے۔

(۱۴) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تمسّك بسنّتی عند فساد امتی فلہ اجر مائۃ شھید (بیہقی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جس شخص نے فتنہ کے زمانہ میں میری سنت کو مضبوط پکڑا اس کے لئے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔

(۱۵) عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اکل طیبا و عمل فی سنّۃ دخل الجنّۃ الخ (ترمذی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال کھانے والا اور حدیث پر عمل کرنے والا جنت میں جائے گا۔

(۱۶) عن ابی رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا الفین احدکم متکئًا علی اریکتہ یاتیہ الامر من امری مما امرت بہ او نھیت عنہ فیقول لا ادری ما وجدنا فی کتاب اللہ اتبعناہ (ابوداؤد وترمذی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض لوگ ایسے بھی پیدا ہوں گے جو مال و دولت کے نشہ میں مغرور ہوں گے ان کے سامنے اگر کوئی حدیث بیان کی جائے گی تو حدیث کا انکار کریں گے اور کہیں گے کہ ہم تو صرف قرآن کو ماننے والے ہیں۔

(۱۷) الا وان ما حرّم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فھو مثل ما حرّم اللہ (دارمی بحوالہ مفتاح کنوز السنۃ)

جن چیزوں کو حدیث میں حرام کیا گیا ہے ویسے ہی حرام ہیں جیسے وہ چیزیں جن کی حرمت قرآن سے ثابت ہے۔

(۱۸) عن المقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا انی اُوتیتُ القراٰن ومثلہ معہ الا یوشك رجل شبعان علی اریکتہ یقول علیکم بھذا القراٰن فما وجدتم فیہ من حلال فاحلوہ وما وجدتم فیہ من حرام فحرموہ وان ما حرم رسول اللہ کما حرم اللہ الا لا یحل لکم الحمار الاھلی ولا کل ذی ناب من السباع الخ

(رواہ ابوداود والدارمی وابن ماجۃ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر قرآن کے علاوہ اور بھی بہت سے احکام نازل کئے گئے ہیں بعض لوگ مال و دولت کے غرور میں ہوں گے اور کہیں گے کہ ہم قرآن کے سوا حدیث کو تسلیم نہیں کرتے۔ حالانکہ رسول نے جن چیزوں کی حرمت کو حدیث میں بیان فرمایا ہے ویسی ہی حرام ہیں جس طرح وہ چیزیں جن کی حرمت قرآن میں مذکور ہے گدھا اور ہر درندہ حرام ہے۔

(حالانکہ ان کی حرمت کا قرآن میں ذکر نہیں)

(۱۹) عن العرباض بن ساریۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ایحسب احدکم متکئًا علی اریکتہ یظن ان اللہ لم یحرم شیئًا الا ما فی ھذا القراٰن الا وانی واللہ قد امرتُ و وعظتُ ونھیتُ عن اشیاء انھا لمثل القراٰن او اکثر الخ

(رواہ ابوداؤد)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض لوگ مال و دولت سے مغرور ہو کر کہیں گے کہ حرام صرف وہی چیزیں ہیں جن کی حرمت قرآن میں بیان کی گئی ہے آپ نے فرمایا، خبردار خدا کی قسم بلا شبہ میں نے بہت سے ایسے اوامر و نواہی کی تبلیغ کی ہے جو قرآن جتنے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہیں۔

یہ آخری دو حدیثیں چونکہ انکار حدیث کے شجر خبیث کی جڑیں کاٹ رہی تھیں۔ اس لئے دشمنان

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اعتراض کیا کہ یہ حدیثیں موضوع ہیں اور دلیل یہ بیان کی کہ قرآن تو معجز ہے اور اس کی مثال لانے سے جن وانس وغیرہ عاجز ہیں تو احادیث قرآن کی مثل یعنی ہم پایہ کیسے ہو سکتی ہیں۔ قرآن کے خلاف عجمی سازش کے ماتحت احادیث کو وضع کر کے قرآن کی مثل ٹھہرایا گیا ہے۔

جواب (۱) حدیث میں مثل سے فضل فصاحت وبلاغت اور اعجاز میں مماثلت مراد نہیں بلکہ واجب الاتباع ہونے میں مثل فرمایا گیا ہے۔ یعنی کتاب وسنت دونوں کا ماننا ضروری ہے۔ اور ان پر عمل کرنا واجب ہے (۲) مثل سے مراد مثل فی الکمیت ہے۔ چنانچہ دوسری حدیث میں او اکثر کا لفظ اس پر واضح دلیل ہے۔ لغت میں شدت وضعف کا لفظ کیفیت کے لئے اور کثرت وقلت کمیت کے لئے موضوع ہے عرف اور اصطلاح میں بھی یونہی استعمال ہے۔ قرآن مجید میں ہے اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا (۲۸ - ۷۸) قوت کے ساتھ اشد اور جمعا کے ساتھ اکثر کا لفظ ہے۔ غرضیکہ لغت، عرف واصطلاح شریعت میں ہر لحاظ سے کثرت کا لفظ کیفیت میں نہیں کمیت میں استعمال ہوتا ہے۔ مگر رسول دشمنی کی وجہ سے عقل وخرد کا دیوالہ نکل چکا ہے کہ ایک ظاہر وباہر بالکل واضح حقیقت کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔

اسی طرح غلام جیلانی برق لکھتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیوی حیض کی حالت میں نماز پڑھا کرتی تھیں اور خون نیچے گرتا تھا۔ برق یہ حدیث بیان کر کے اس پر اعتراض کرتا ہے کہ حائضہ کیسے نماز ادا کر سکتی ہے۔ یہ بھی برق کی جہالت اور نادانی پر واضح دلیل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بیوی جسے برق نے حائضہ لکھا ہے یہ حائضہ نہ تھیں بلکہ استحاضہ کا خون گرتا تھا اور استحاضہ کی حالت میں نماز معاف نہیں۔ یہ تو بطور مثال کے ہم نے بیان کر دیا۔ ورنہ ان دشمنانِ رسول واسلام کے جتنے بھی اعتراض حدیثوں پر ہیں سب کے سب اسی طرح جہالت اور کج فہمی پر مبنی ہیں۔

اجماعِ امت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر آج تک امتِ مسلمہ ہر معاملہ میں حدیث کو حجت سمجھتی رہی ہے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، خلفائے اربعہ، تابعین، تبع تابعین، فقہاء، ائمہ، محدثین، صوفیاء اور علماء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو مشعلِ راہ سمجھتے آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل سے استدلال لیتے رہے اس کی تفصیل ہم "تدوینِ حدیث" کے ضمن میں لکھیں گے۔

عقلِ سلیم

(۱) اگر احادیث کے راوی قرآن کے خلاف عجمی سازش کرنے والے تھے اس لئے حدیث قابلِ قبول نہیں تو قرآن بھی ان ہی وسائط سے ہم تک پہنچا ہے۔ پس قرآن کیسے قابلِ اعتبار ہو سکتا ہے؟ اگر کہا جائے کہ قرآن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (بے شک ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں) تو ہم کہتے ہیں کہ خود اس آیت کی صداقت پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ کیونکہ یہ بھی تو انہی لوگوں کی وساطت سے ہم تک پہنچی جو کہ حدیث میں وسائط ہیں۔

(۲) صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین و من بعدہم جمیع امتِ مسلمہ جو حدیث کو حجت تسلیم کرتی رہی ہے کیا اس میں ان سے اجتہادی غلطی ہوئی ہے، یا کہ جان بوجھ کر ایسا کرتے رہے؟ اگر اجتہادی غلطی ہوئی ہے یعنی حقیقت میں حدیث قابلِ اعتبار نہ تھی مگر اسلاف سے غلطی ہوگئی کہ وہ اسے قابلِ عمل سمجھتے رہے تو غور کرنے کا مقام ہے کہ ساری امت کے متقدمین و متأخرین علماء اور صلحاء تمام تر اسلاف اسی اجتہادی غلطی ہی میں صدیوں تک مبتلا رہے؟ کسی ایک فرد نے بھی اس غلطی کو محسوس نہ کیا؟ اور اگر اسلاف حدیث کو ناقابلِ اعتبار سمجھتے تھے۔ اس کے باوجود جان بوجھ کر حدیثیں بیان کر کے قرآن کے خلاف سازشیں کرتے آئے ہیں تو اس امت میں سے مومن کون باقی رہا؟ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین، تبع تابعین، ائمہ، محدثین اور جمیع سلف صالحین رحمہم اللہ تو نعوذ باللہ خاک بدہنِ گستاخ قرآن کے مخالف تھے، کیا مذہبِ اسلام کی چودہ صد سالہ زندگی میں پہلا مومن صرف پرویز (علیہ ما علیہ) ہی ہے؟ جو دین چودہ سو سال تک صرف مخالفین اور دشمنوں کے قبضہ میں رہا ہو اتنی طویل مدت تک اس کا کوئی محافظ اور اسے قبول کرنے والا پیدا ہی نہ ہوا ہو تو ایسے دین پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے؟

(۳) یہ امر دریافت طلب ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اور سابقہ آسمانی کتابوں کو رسول کے واسطہ سے کیوں اتارا؟ اگر اللہ تعالیٰ ہر فرد بشر کے پاس لکھی لکھائی کتاب بلاواسطہ رسول کے بھیج دیتے تو یہ صریح معجزہ ہونے کی وجہ سے زیادہ مؤثر ہوتا۔ کفار خود اس کے طالب تھے کہ لکھی لکھائی کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر نازل ہو۔ سو اگر یہ طریقہ اختیار کیا جاتا تو منہ مانگا معجزہ ہونے کے باعث زیادہ سببِ ہدایت ہوتا۔ مگر پھر بھی یہ طریقہ اختیار نہیں کیا گیا۔ بلکہ رسولوں کی معرفت کتابیں نازل فرمائیں۔ اور رسول بھی صرف انسانوں سے منتخب فرمائے۔ کفار کہتے تھے کہ پیغام پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتے کیوں نہیں بھیجے، تاکہ

ہمیں ان احکام کے منزّل من اللہ ہونے کا یقین ہوجاتے۔ اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتے ہیں۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا (۶-۹) اگر ہم فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے تو انسانی صورت ہی میں بھیجتے۔

لَوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا (۱۷-۹۵) اگر زمین پر فرشتے بستے ہوتے تو ہم رسول بھی فرشتہ ہی بھیجتے۔

غرضیکہ سوال یہ ہے کہ تنزیلِ کتب کے لئے رسولوں کو واسطہ بنانے اور رسالت کے لئے بالخصوص انسانوں ہی کو منتخب کرنے پر اس قدر اصرار کیوں کیا گیا؟ اس کا جواب خود کلام اللہ میں موجود ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ط (۴-۶۴) یعنی خدا نے جتنے رسول بھیجے ان کی بعثت کا مقصد صرف یہ رہا کہ وہ فرامینِ خداوندی کے مطابق حکم دیں اور خود قوانینِ الٰہیہ کے مطابق زندگی بسر کریں اور نازل شدہ احکام کو برت کر امت کے لئے ایک نمونہ قائم کریں تاکہ امت ان کا اتباع کرے۔ اگر بلا واسطہ رسول احکام نازل کردئے جاتے اور ان کی تفصیل وتشریح کرنے والا اور عملی جامہ پہنانے والا کوئی نہ آتا تو لوگ آیات کے مفہوم اور معانی میں اختلاف کرتے اور منشأ الٰہی سمجھنے میں غلطی کرتے۔ ان کو سمجھانے والا کوئی نہ ہوتا۔ اس ضرورت کو تو کسی حد تک فرشتے بھی پورا کرسکتے تھے۔ مگر ان کے متعلق لوگ یہ خیال کرتے کہ فرشتے تو قوتِ شہوانیہ غضبیہ سے منزہ ہیں اور انسانی حوائج وضروریات سے مستغنی ہیں۔ اس لئے تقویٰ اور طہارت وپاکیزگی کے احکام میں انسان فرشتے کی تقلید نہیں کرسکتا۔ انسان پیٹ رکھتا ہے، کھانے پینے، پیشاب، پاخانہ کا محتاج ہے۔ شہوت و غضب کی قوت رکھتا ہے۔ جذبات وداعیات اور امراض وعوارض کا شکار رہتا ہے۔ بیوی، بچوں کے جنجال میں جکڑا رہتا ہے۔ اس لئے فرشتے کا اتباع انسان کے بس کا کام نہیں۔ لوگ کہہ سکتے تھے کہ ہم انسانی کمزوریاں رکھتے ہوئے فرشتے کی منقیانہ زندگی کی تقلید کیسے کریں؟ اس لئے ضروری تھا کہ ایک انسان ان ہی جذبات وعوارضِ انسانیہ کے ساتھ زمین پر آتا، اسے بھی وہ تمام معاملات پیش آتے جو ایک عام انسان کو پیش آتے ہیں تاکہ وہ قوانینِ الٰہیہ کے مطابق زندگی بسر کرکے دکھاتا کہ کس طرح انسان خدا کے نازل کردہ قوانین پر عمل کرے۔ قدم قدم پر لوگوں کو اپنے قول اور عمل سے ہدایات دیتا اور انہیں سمجھاتا کہ انسان زندگی کی پیچیدہ راہوں سے کس طرح بچ کر راہِ مستقیم پر چل سکتا ہے۔ غرضیکہ لفظوں میں نازل شدہ احکام کو عملی جامہ پہنا کر امت کے لئے اسوۂ حیات قائم کردیتا۔

بس یہی وجہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے صرف کتاب کو کافی نہ سمجھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کو اس کے ساتھ ہم پر لازم کر دیا۔

اس کے بعد ہم دشمنانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خرافات کے جواب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

پہلا اعتراض: دشمنانِ رسول کہتے ہیں کہ حدیث بالاتفاق ظنی ہے اور ظن کی پیروی قرآن کی رو سے منع ہے۔ وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (۱۰-۳۶) قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ (۶-۱۴۸) وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ (۶-۱۱۶) وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا (۱۷-۳۶)

نتیجہ یہ نکلا کہ حدیث کی پیروی قرآن کی رو سے منع ہے۔

جواب: لفظ ظن تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) اٹکل یعنی بلا دلیل محض گمان اور تخمین (۲) شواہد و قرائن سے ظن غالب (۳) ظن بمعنی نظری و استدلالی علم یقینی جو دلیل و برہانِ قطعی سے حاصل ہوا ہو۔ مندرجہ ذیل آیاتِ قرآنیہ میں لفظ ظن اسی علم یقینی کے معنی میں ہے۔ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُو رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (۲-۴۶) قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُو اللَّهِ (۲-۲۴۹) وَظَنَّ دَاوُدُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ (۳۸-۲۴) كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ وَقِيلَ مَنْ رَاقٍ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ (۷۵-۲۸) أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ (۸۳-۵)

قرآن نے ظن بمعنی محض اٹکل و تخمین کی پیروی سے منع کیا ہے۔ احادیث کا سلسلہ نعوذ باللہ محض اٹکل اور تخمین نہیں ہے۔ پس احادیث کو ظن کے معنی ثانی (ظن غالب) اور معنی ثالث (علم یقینی استدلالی) کے لحاظ سے ظنی کہا جاتا ہے۔ بہت سی احادیث علم یقینی استدلالی کا فائدہ بھی دیتی ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ متوفی ۸۵۴ھ شرح نخبۃ الفکر میں فرماتے ہیں۔

وقد یقع فیہا ای فی الاخبار الاحاد المنقسمۃ الی مشہور وعزیز وغریب ما یفید العلم النظری بالقرائن علی المختار (شرح نخبۃ الفکر)

علم یقینی استدلالی تو ظاہر ہے کہ واجب الاتباع ہے۔ باقی رہیں وہ حدیثیں جو ظنِ غالب کا فائدہ دیتی ہیں۔ سو شریعتِ مطہرہ نے ظنِ غالب کو یقین کا حکم دے کر واجب الاتباع قرار دیا ہے

شرعی یقین کے لئے ثقہ عادل کی شہادت (کہیں ایک کی، کہیں دو کی اور کہیں زیادہ کی) کافی ہے۔ سو وہ احادیث میں موجود ہے۔ اس لحاظ سے احادیث سب یقینی ہیں، ظنی اس لئے کہا جاتا ہے کہ مفید علم یقینی استدلالی ہیں یا اس لئے کہ اکثر احادیث میں عقلاً احتمالِ خطا موجود ہے شرعاً نہیں۔ غرضیکہ احادیث کو شرعاً ظنی اس لئے کہا جاتا ہے کہ بعض احادیث مفید علم یقینی عقلی استدلالی ہیں اور اکثر احادیث مفید ظنِّ غالب ہیں اور دنیا میں ظنِّ غالب پر عمل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ ہم رات دن اپنے جمیع معاملات میں ظنِّ غالب ہی پر عمل کرتے ہیں۔ دوا پیتے وقت شفا کا یقین نہیں ہوتا بلکہ زیادہ مضرّت کا احتمال موجود ہے۔ موٹر، ریل، طیارہ اور بحری جہاز وغیرہ پر سوار ہوتے وقت ہمیں ان کی مشینری کا کوئی علم نہیں ہوتا۔ مشینری کے پرزہ جات کی درستی کا کوئی یقین نہیں ہوتا۔ راستہ کے حوادث سے محفوظ رہنے کا یقین نہیں، طیارہ کے گرنے، ریل کے پٹڑی سے اتر جانے، بحری جہاز کے غرق ہوجانے کا احتمال موجود ہے۔ معہٰذا ہم دن رات ان ذریعوں سے سفر کرتے ہیں۔ بازار سے گوشت خریدتے وقت اس کی حلّت کا، دودھ، گھی، اناج، شکر وغیرہ کی پاکیزگی کا اور پانی پینے اور غسل کرتے وقت اس کی طہارت کا ہرگز ہرگز کامل یقین نہیں ہوتا اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔ عمر بھر ہر معاملہ میں ظنِّ غالب کی پیروی پر مجبور ہیں۔ ظنِّ غالب کی پیروی کو چھوڑ دیا جائے تو انسان دنیا میں زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ سانپ کے پاس جانے سے ہمیں اس کے کاٹنے کا یقین نہیں اور کاٹنے کے بعد مرنے کا یقین نہیں اسی طرح زہر پینے سے موت یقینی نہیں۔ معہٰذا ہم زہر پینے سے بچتے ہیں اور سانپ سے پرہیز کرتے ہیں۔ جب ہم شب و روز ہر معاملہ میں ظن غالب ہی پر عمل کرتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ حدیث کو ظنی ہونے کی وجہ سے ترک کر دیا جائے۔ قرآن یقینی ہے اور حدیث ظنّی۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ حدیث کو محض اٹکل اور تخمین سمجھ کر بالکل ناقابلِ عمل قرار دیا جائے۔ قرآن کے یقینی اور حدیث کے ظنی ہونے کا یہ مطلب ہے، کہ قرآن کا ہر ہر لفظ تواتر سے ثابت ہونے کی وجہ سے یقینی بدیہی عقلی ہے۔ حدیث میں چونکہ روایت بالمعنی جائز ہے اس لئے اس کے ہر لفظ کے متعلق قرآن جیسا یقین نہیں ہو سکتا لہٰذا حدیث یقینی استدلالی یا یقینی شرعی ہے جیسا کہ ماں کا علم یقینی ہے اور باپ کا ظنی کیونکہ ماں کے متعلق قطعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ فلاں شخص کی ماں ہے مگر باپ کے بارے میں اس یقین کے ساتھ حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ معہٰذا باپ کا علم یقینی شرعی ہے۔

دوسرا اعتراض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابتِ حدیث سے منع فرما دیا تھا۔

(لا تکتبوا عنی ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ (مسلم) کتابت سے منع کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ حدیث حجّت نہیں۔ اس کے بعد تیسری صدی کے آخر میں محدثین نے حدیثیں جمع کیں۔ ان محدثین

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان عموماً پانچ اور کبھی اس سے بھی زیادہ وسائط ہیں۔ یہ محدثین روایت در روایت، در روایت، در روایت در روایت کرتے ہیں۔ جو چیز اتنے وسائط سے ہم تک پہنچی اس پر کیسے اعتماد ہو سکتا ہے؟ اس کے بعد عام لوگوں میں اباً عن جدٍّ حدیثیں بیان کرنے اور ان پر عمل کرنے کی رسم پیدا ہو گئی۔ جس کی تردید قرآن نے بار بار ان الفاظ کی ہے وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا (۳۱ - ۲۱) "جب ان کو قرآن کی پیروی کے متعلق کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اپنے باپ دادا کی پیروی کریں گے۔"

جواب: اس اعتراض کے جواب کے لئے تاریخ تدوینِ حدیث کے بیان کی ضرورت ہے۔ لہذا ہم مختصراً بقدر ضرورت اس مضمون پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔

تدوینِ حدیث

شروع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابتِ حدیث سے اس لئے منع فرمایا تھا کہ قرآن سے التباس ہو جائے کیوں کہ اس وقت میں کتابتِ قرآن کا عام دستور تھا اور عوام قرآنی اسالیب اور اس کے معجزانہ انداز سے بھی بہت زیادہ مانوس نہ تھے۔ کتابت حدیث سے منع کرنے کا یہ مقصد ہرگز نہ تھا کہ حدیث قابلِ اعتبار نہیں۔ اگر یہ مقصد ہوتا تو آپ حدیث کے بیان کرنے سے بھی روک دیتے۔ حالانکہ مسلم شریف کی جس روایت میں کتابتِ حدیث سے نہی ہے اسی روایت کے آخر میں یہ جملہ بھی ہے "وحدثوا عنی ولا حرج" منکرینِ حدیث کی بددیانتی کا یہ عالم ہے کہ جس حدیث سے استدلال لیتے ہیں اسی کے آخر کا وہ جملہ جو ان کی اہوائے باطلہ کے خلاف ہے اسے بالکل حذف کر دیتے ہیں اور پھر تعجب یہ کہ انکارِ حدیث کے لئے خود حدیث سے استدلال کر رہے ہیں جب حدیث قابلِ اعتماد نہیں تو لا تکتبوا الخ پر کیسے اعتماد کیا گیا؟ حدیث کی اشاعت کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فلیبلغ الشاهد منکم الغائب حاضر غائب کو پہنچا دے۔

خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور اس کے بعد زمانۂ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں حدیثیں بیان کرنے کا عام رواج تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک خدمت پر بھیجتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم کس طرح فیصلہ کیا کرو گے؟ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ پہلے قرآن پر نظر کروں گا۔ پھر آپ کے قول و عمل سے استدلال کروں گا۔ پھر اجتہاد سے کام لوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مسرت کا اظہار فرما کر حجیتِ حدیث کی تصدیق فرما دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ

بھی ارشاد ہے تسمعون ویسمع منکم ویسمع ممن یسمع منکم (ابوداود کتاب العلم) منکرین حدیث کا یہ کہنا کہ تیسری صدی کے آخر میں حدیث کی تدوین ہوئی ہے سراسر غلط ہے۔ تدوین کا کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی سے شروع ہوچکا تھا اگرچہ عوام کو اختلاط بالقرآن کے خوف سے کتابتِ حدیث کی اجازت نہ تھی تاہم خاص خاص لوگوں کو کتابت کی اجازت تھی۔

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے سب سے زیادہ حدیثیں یاد ہیں مگر عبداللہ بن عمرو بن العاص لکھا کرتے تھے میں نہ لکھتا تھا انہ کان یکتب ولا اکتب (بخاری)

مستدرک حاکم سے معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی احادیث کا لکھا ہوا ذخیرہ موجود تھا چنانچہ حسن بن عمرو فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک حدیث سنائی تو آپ نے اس کا انکار کیا اور فرمایا کہ اگر تم نے یہ حدیث مجھ سے سنی ہے تو میری کتابوں میں موجود ہوگی۔ چنانچہ آپ نے اپنی کتابوں میں تلاش کی تو یہ حدیث مل گئی۔ اس مقام پر منکرین حدیث نے دو اعتراض کئے ہیں (۱) بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ سے عبداللہ بن عمرو کو علم حدیث زیادہ تھا۔ حالانکہ روایات کا ذخیرہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ منقول ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بخاری کی روایت میں استثناء منقطع ہے اس لئے اس کا سابقہ جملہ سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ نیز کثرت علم کثرت روایت کو مستلزم نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد عبداللہ بن عمرو زیادہ تر شام میں رہے ہیں اور ابوہریرہ کا قیام مدینہ ہی میں رہا ہے۔ چونکہ دورِ اول میں علم کا مرکز مدینہ ہی تھا۔ لوگ تحقیق مسائل میں مدینہ ہی کے علماء کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اس لئے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو روایات بیان کرنے کا زیادہ موقع ملا۔

(۲) مستدرک حاکم میں ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی لکھی ہوئی حدیثیں موجود تھیں اور بخاری میں ہے "لا اکتب" اس کا جواب یہ ہے کہ ابوہریرہ خود لکھنا نہ جانتے تھے ان کے پاس جو ذخیرہ تھا وہ دوسروں سے لکھوایا گیا تھا۔ (فتح الباری ص۱۸۴ ج ۱)

طبقات ابن سعد میں عبداللہ بن عمرو بن العاص کا واقعہ لکھا ہے کہ انہوں نے خدمتِ نبوی میں عرض کیا کہ جو حدیثیں میں نے آپ سے بالمشافہہ سنی ہیں ان کے لکھنے کی اجازت فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی پھر عبداللہ نے دریافت کیا کہ صرف حالتِ نشاط کی حدیثیں لکھوں یا حالتِ غضب کی بھی۔ آپ نے اپنے دہنِ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس منہ سے سوائے حق کے کچھ نہیں

نکلتا. چنانچہ انہوں نے احادیث کو جمع کیا اور اس کا نام "الصادقہ" رکھا۔ یہی واقعہ ابو داؤد کتاب العلم میں بھی ہے۔

جب لوگ قرآن کے معجزانہ اسلوب سے بخوبی واقف ہوگئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف کتابتِ حدیث کی اجازت دی بلکہ لکھنے کا حکم دیا اور کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دینی مسائل اور پیغمبرانہ ہدایات خود لکھوائیں۔

کان رجل من الانصار یجلس الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیسمع من النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث فیعجبہ ولا یحفظہ فشکی ذلک الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ انی لاسمع منک الحدیث فیعجبنی ولا احفظہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استعن بیمینک واومأ بیدہ للخط (رواہ الترمذی)

فتح مکہ کے موقع پر آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور ابو شاہ یمنی کی درخواست پر وہ خطبہ لکھوا کر ان کو دیا۔ اکتبوا لابی شاہ (مفتاح السنۃ مصری ص۱۲ و بخاری)

عمرو بن حزم کو یمن بھیجتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مفصل تحریری ہدایت نامہ دیا جس میں صدقات، دیات، فرائض وغیرہ کے احکام تھے۔ (مفتاح السنۃ ص۱۸)

مسلم بن الحارث کے والد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے شخص سے بشارت لکھوا کر دی (ابو داؤد)

طائف کے ایک شخص نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ان کی ایک کتاب سنائی تھی (ترمذی کتاب العلل) خطیب کی روایت کے مطابق حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی احادیث کا مجموعہ تھا حضرت انس اپنی اولاد کو کتابتِ حدیث کا حکم دیا کرتے تھے (دارمی ص۶۸)

ابن عبد البر نے جامع میں عبد الرحمٰن بن مسعود سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک کتاب دکھا کر قسم کھائی اور کہا کہ یہ عبد اللہ بن مسعود کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔

عبد اللہ بن مسعود اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بعض احادیث کو لکھ کر صحیفہ کی صورت میں اپنے پاس رکھا (بخاری) بعض کثیر الروایات صحابہ مثلاً ابو ہریرہ، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمر، جابر بن عبد اللہ، براء بن عازب اور انس بن مالک وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مرویات کو ان کے شاگرد ان کے روبرو بیٹھ کر لکھا کرتے تھے۔

(دارمی ص ۶۸-۶۹ ، تہذیب التہذیب جلد ۴ ص۱۹۸. کتاب العلل للترمذی)

حضرت عمر نے عمالِ حکومت کے لئے صدقۃ الماشیہ کے احکام لکھ رکھے تھے۔

(موطا مصری صفحہ ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۵۱، ۱۵۲ پر اس قسم کی مثالیں ملاحظہ ہوں)

مگر اس زمانہ میں حفظ صدور پر زیادہ زور تھا۔ عرب کے لوگ حافظ میں مشہور تھے۔ طویل وعریض قصیدے مختلف مضامین کے انہیں یاد ہوتے تھے اور اونٹوں گھوڑوں کے نسب نامے حفظ تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو ان لوگوں نے خصوصیت سے وحی الٰہی سمجھ کر حفظ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل کو واجب الاتباع جان کر اس کی حفاظت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جن لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا تھا وہ دور و دراز سے سفر کر کے صحابہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات دریافت کرتے تھے اور انہیں محفوظ رکھتے تھے۔ خود صحابہ نے دوسرے ممالک میں پہنچکر حدیث کی تبلیغ کی۔

دارمی نے میمون بن مہران سے روایت کیا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تو ابوبکر پہلے قرآن میں تلاش کرتے اگر قرآن سے فیصلہ نہ ملتا تو اپنی معلوماتِ احادیث میں غور کرتے۔ اگر اس میں بھی قاصر رہتے تو صحابہ میں عام طور پر اعلان کرواتے کہ ہمارے یہاں اس قسم کا مسئلہ پیش آیا ہے کیا آپ صاحبوں میں سے کسی کو اس سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فیصلہ معلوم ہے؟ بعض دفعہ ایسا بھی ہوا ہے کہ لوگ آکر آپ سے علم نبوی بیان کرتے اور اسے سن کر آپ اللہ کا شکر کرتے کہ ہم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو یاد رکھنے والے موجود ہیں اور اگر اس پر بھی فیصلہ نہ ہوتا تو صحابہ سے مشورہ لے کر اتفاق رائے سے فیصلہ کر دیتے۔ اگر کوئی شخص ایسی بات کہتا جو صحابہ کرام میں مشہور و متعارف نہ ہوتی تو اس سے اس کے متعلق شہادت طلب کی جاتی خواہ وہ کیسا ہی معتبر کیوں نہ ہوتا۔

مغیرۃ بن شعبہ نے ابوبکر صدیق کے دریافت کرنے پر جب بتایا کہ جدہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سدس دیا کرتے تھے تو آپ نے پوچھا هل معك احد؟ کیا کوئی تیرا گواہ ہے اس پر محمد بن مسلمہ نے بھی گواہی دی تب صدیق نے جدہ کو سدس دیا (بخاری ومسلم)

حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور آیا اور اس میں تکبیر جنازہ جزیۂ مجوس۔ طاعون۔ خبر الضحاک بن سفیان فی توریث المرأۃ من دیۃ زوجھا۔ اور خبر سعد بن ابی وقاص فی المسح علی الخفین وغیرہ مسائل کا فیصلہ احادیث ہی کو۔۔۔۔ حجت بنا کر کیا گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس حدیث کے بیان کرنے پر شہادت طلب کی کہ جب کوئی مسلمان (باہر سے) تین مرتبہ سلام کہنے پر (اندر سے) جواب نہ پائے (اسے اندر آنے کی اجازت نہ ملے) تو واپس چلا جائے۔ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصدیق وشہادت پر ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پریشانی

رفع ہوتی (مفتاح السنۃ ص ۱۹، ۲۰، حاکم، بخاری، مسلم)

ان واقعات سے ثابت ہوا کہ محدثین نے روایاتِ حدیث کی پوری چھان بین کی ہے۔ اسی وجہ سے اسماء الرجال اور اصولِ جرح و تعدیل کو مستقل فنون کی صورت میں مدون فرمایا۔ اور صرف انہی احادیث کو (ٹھوس علمی شہادت کی بناء پر) صحیح قرار دیا جو اصول روایت و درایت کے بلند معیار پر پوری اتریں اور تعارض کی حالت میں ان میں کوئی معقول صورت تطبیق کی دریافت ہو سکی اور قرآن کے خلاف کسی حدیث کو بھی قبول نہیں کیا۔

ازالۃ الخفاء میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں :-

" فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسیار از اُمہات فن حدیث روایت کردہ است و در دست مردم تا ہنوز باقی است بعد ازان فاروق اعظم علماء صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم را باقلیم دارالاسلام روان ساخت و امر کرد باقامت شہرہا و بروایت حدیث درآنجا "

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روایتِ حدیث کا اس قدر شغف تھا اور حدیث کی تبلیغ و اشاعت اس قدر ضروری سمجھتے تھے کہ فرماتے ہیں :-

" اگر تم میرے قتل کے لئے میری گردن پر تلوار رکھدو اور مجھے یہ امید ہو کہ مرنے سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک کلمہ بھی جو میں نے سنا ہے پہنچا سکوں تو میں ضرور کہہ دوں گا " (بخاری)

ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب احادیث بیان کرتے تو سننے والوں کے ذوق و شوق کی یہ حالت ہوتی تھی کہ آدمیوں کی دیوار آپ کے سامنے کھڑی ہو جاتی۔ بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم لوگوں کی کثرت اور ہجوم کے سبب مکانوں کی چھت پر چڑھ کر روایت بیان کرتے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما زمانہ نبوی میں کم سن تھے، آپ زیادہ عمر کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دروازوں پر صبح کے وقت سے لیکر دوپہر تک صرف اس لئے بیٹھے رہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات وہ بیان کریں تو اسے لکھ لیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اور آپ کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں بہت سے اجلّہ صحابہ مثلاً معاذ بن جبل، عمرو بن حزم، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرو بن العاص، زید بن ثابت، ابو الدرداء، ابوذر، ابو موسیٰ اشعری وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم مکہ، مدینہ کوفہ، بصرہ، شام، مصر اور یمن وغیرہ بلاد مملکتِ اسلامیہ میں پھیل گئے اور ہر جگہ انہوں نے کتاب و سنت کی تعلیم دی۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد تابعین رحمہم اللہ کا زمانہ آیا۔ انہوں نے دنیائے اسلام کے بعید سے بعید گوشہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو کمالِ حفاظت کے ساتھ پہنچایا۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اگرچہ ذاتی یادداشتیں لکھی ہوئی تھیں۔ مگر حدیث کی کوئی مرتب کتاب نہ تھی پہلی صدی کے آخر میں عمر بن عبدالعزیز متوفی ۱۰۱ھ نے مدینہ منورہ کے والی ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو لکھا:-

انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبہ فانی خفت دروس العلم وذہاب العلماء — حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں لکھ لو۔ مجھے حدیث کے مٹ جانے کا خوف ہے۔

(مفتاح السنۃ ص۲۱)

اور اسے یہ بھی لکھا کہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (متوفاۃ ۹۸ھ) اور القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق (متوفی ۱۲۰ھ) کی احادیث کے جو مجموعے ہیں وہ لکھ کر ان کے پاس بھیجے۔

اسی طرح دوسرے بڑے شہروں مکہ، کوفہ، بصرہ، شام اور یمن وغیرہ میں اپنے عمال کو تدوین حدیث کے لئے لکھا۔ امام محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبداللہ بن الشہاب الزہری المدنی (المتوفی ۱۲۴ھ) بھی انہی لوگوں میں سے تھے جن کو تدوین حدیث کے متعلق لکھا گیا تھا (مفتاح السنۃ)

خلیفہ عادل کی اس ہدایت نے محدثین کی حوصلہ افزائی کی اور انہوں نے اپنی کوششوں کو تیز تر کر دیا اور احادیث کی تدوین کا کام بڑے پیمانہ پر شروع ہوگیا۔ اس مقدس گروہ میں سب سے زیادہ ممتاز شخصیت محمد بن مسلم زہری کی ہے۔ ان کی پیدائش ۵۰ھ میں ہوئی۔ سنن و آثار نبوی کے قصر کے یہ چھ ستون فن حدیث میں بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ امام زہری (مدینہ میں) عمرو بن دینار (مکہ میں) قتادۃ و یحییٰ بن کثیر (بصرہ میں) ابواسحٰق و سلیمان اعمش (کوفہ میں)۔

امام زہری تابعین کے طبقہ اولیٰ کے محدثین میں سے ہیں جنہوں نے احادیث کو قلمبند کیا۔ بعد میں اسی دوسری صدی میں جو طبقہ ثانیہ آیا اس میں تدوین کا کام عام اور شائع ہوگیا۔ چنانچہ ابن جریج (متوفی ۱۵۰ھ) نے سب سے پہلے مکہ مکرمہ میں احادیث کو بصورتِ کتابت جمع کیا (مدینہ منورہ میں) ابن اسحاق متوفی ۱۵۱ھ اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ (بصرہ میں) ربیع بن صبیح متوفی ۱۶۰ھ (کوفہ میں) سفیان ثوری متوفی ۱۶۱ھ (شام میں) اوزاعی متوفی ۱۵۶ھ (یمن میں) معمر متوفی ۱۵۳ھ اور خراسان میں ابن المبارک متوفی ۱۸۱ھ وغیرہ نے احادیث کو لکھ کر مدون کیا۔ جس میں اقوال صحابہ اور تابعین کے فتاویٰ بھی مختلط تھے۔ اسی دور ہی میں سفیان بن عیینہ مکہ میں۔ حماد بن سلمہ و سعید بن ابی عروبہ بصرہ میں۔ ہشیم بن بشیر واسط میں۔ وکیع بن الجراح شام میں۔ عبدالرزاق یمن میں۔ جریر بن عبداللہ ری میں وغیرہم ایسے جلیل القدر محدثین گذرے ہیں جن کے کارنامے حیات ابدی پا چکے ہیں۔ دوسری صدی کی چند مستند کتابیں یہ ہیں:-

(۱) مصنف اللیث بن سعد (متوفی ۱۷۵ھ) (۲) موطا امام مالک بن انس (متوفی ۱۷۹ھ)

(۳) مصنف سفیان بن عیینہ (متوفی ۱۹۸ھ) (۴) مسند الامام الشافعی (متوفی ۲۰۴ھ)

اس کے بعد تیسری صدی ہجری خدمت سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جلیل القدر زمانہ ہے۔ اس میں صحاح ستہ وغیرہا مستند کتب کی تدوین ہوئی اور آج تک علوم نبوت کے یہ نورانی منابع بکمالہا ضوء افگن ہیں۔

صحاح ستہ یہ ہیں:-

(۱) صحیح البخاری (متوفی ۲۵۶ھ) (۲) صحیح مسلم (متوفی ۲۶۱ھ) (۳) سنن ابی داؤد (متوفی ۲۷۵ھ)

(۴) سنن الترمذی (متوفی ۲۷۹ھ) (۵) سنن النسائی (متوفی ۳۰۳ھ) (۶) سنن ابن ماجہ (م ۲۷۳ھ)

ان کے علاوہ مندرجہ ذیل کتب بھی اسی تیسری صدی میں مدوّن ہوئیں۔

(۷) مسند احمد بن حنبل (متوفی ۲۴۱ھ) (۸) مسند اسحٰق بن راہویہ (متوفی ۲۳۷ھ) (۹) مسند عبد بن حمید (متوفی ۲۴۹ھ) (۱۰) مسند الدارمی (متوفی ۲۵۵ھ) (۱۱) المسند الکبیر للقرطبی (متوفی ۲۷۶ھ) (۱۲) مسند ابی یعلی الموصلی (متوفی ۳۰۷ھ) (۱۳) تہذیب الآثار للامام محمد بن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ) وغیرہا

محدثین کے علاوہ ائمۂ فقہ نے بھی حدیث کی روایت کی اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر ان کے احکام اور فتاوی کی بنیاد ہوتی تھی۔

امام ابوحنیفہ۔ ولادت ۸۰ھ۔ وفات ۱۵۰ھ۔ امام مالک، ولادت ۹۳ھ وفات ۱۷۹ھ۔ امام شافعی ولادت ۱۵۰ھ وفات ۲۰۴ھ۔ امام احمد ولادت ۱۶۴ھ وفات ۲۴۱ھ۔ امام ابویوسف ولادت ۱۱۳ھ وفات ۱۸۲ھ۔ امام محمد بن حسن ولادت ۱۳۵ھ وفات ۱۸۹ھ

غرضیکہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آج تک تبلیغ اور حفاظت اکمل طریقہ سے چلی آئی ہے اور جمیع امت اس سے استدلال کرتی آئی تو آج اسے ناقابلِ اعتبار قرار دینا صریح ضلالت اور گمراہی ہے۔ آیات قرآنیہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ امت پر واجب الاتباع ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ حکم قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ پس اگر احادیث کے ہم تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ قابل وثوق ہی نہیں تو نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ نے ایسا لغو اور فضول حکم کیوں دیا جس پر عمل کرنا ہمارے لیے ممکن ہی نہ ہو۔

محدثین نے حفاظتِ حدیث کا ہر ممکن طریقہ اختیار فرمایا۔ علم حدیث حاصل کرنے کے لئے دور دراز ممالک کے پاپیادہ سفر کیے، بے پناہ تکلیفیں اور مشقتیں اٹھائیں۔ پھر حاصل کرنے کے بعد تبلیغ میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا چنانچہ امام بخاری نے علم حدیث کی خاطر مکہ، مدینہ، شام، بخارا، مرو، ہرات، مصر، بغداد، کوفہ، بصرہ، بلخ نیشاپور اور دیگر بہت سے جزائر کا ایسے زمانہ میں سفر کیا جب کہ ریل، موٹر وغیرہ سواری کا کوئی بندوبست

نہ تھا جہاں حدیث کا پتہ چلتا پاپیادہ وہاں پہنچ جاتے۔ ایک ہزار اسی شیوخ سے علم حدیث حاصل کیا اور امام بخاری سے روبرو بلاواسطہ علم حدیث حاصل کرنے والے شاگردوں کی تعداد نوّے ہزار ہے۔

یہ تو تحصیل حدیث اور تبلیغ کی حالت تھی۔ پھر صحیح اور موضوع حدیث کو پرکھنے کے لئے محدثین نے اسماء الرجال کا فن لکھا۔ اسناد کی پوری تنقیح اور تنقید کی، حدیث کی صحت و سقم کو پرکھنے کے لئے ہر ممکن ذریعہ اختیار کیا۔ جس حدیث میں ذرا بھی ضعف معلوم ہوا یا شک پیدا ہوا اس حدیث کو کتاب میں درج ہی نہیں کیا اگر کسی محدث نے درج کیا بھی تو اس کے ضعف کو واضح کر دیا۔ ان محدثین کے تقویٰ اور پرہیزگاری کی حالت اگر بیان کی جائے تو اس کے لئے دفاتر بھی کافی نہیں ہو سکتے۔

امام بخاری رحمہ اللہ ہر حدیث لکھنے سے پہلے دو رکعت نفل پڑھنے کا التزام فرماتے تھے۔ پھر اسناد میں یہاں تک احتیاط کی کہ راوی اور مروی عنہ اگر ایک ہی زمانہ میں گزرے ہوں۔ اُن کا آپس میں لقا بھی ممکن ہو۔ مگر جب تک ان کا لقا ثابت نہ ہو جاتے امام بخاری اس کی روایت کو قبول نہیں کرتے، اگرچہ یہ راوی کتنا ہی عادل اور ثقہ کیوں نہ ہو۔

دشمنانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباعِ حدیث کو بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا (۲-۱۷۰) میں داخل کرنا انتہائی بدطینتی اور کج روی ہے۔ اتباعِ آباء ضلالت اور گمراہی میں ممنوع ہے نہ کہ رُشد و ہدایت میں۔ قرآن مجید میں یعقوب علیہ السلام کا قول منقول ہے:۔

قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰـهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (۲-۱۳۳)	ہم تیرے معبود اور تیرے باپ دادا ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق کے واحد معبود کی عبادت کرتے رہیں گے۔

دشمنانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم خود رسول دشمنی میں تاریخ سے استدلال کرتے ہیں۔ حالانکہ تاریخ کی صحت کے لئے کوئی سند نہیں۔ تاریخ میں سکندر اور دارا وغیرہ کے مفصل قصے مذکور ہیں مگر کوئی شخص اگر سکندر یا دارا کے وجود ہی کا انکار کر دے یا کسی واقعہ کو تسلیم نہ کرے تو اس کے اثبات کے لئے کیا دلیل اور سند ہو سکتی ہے؟ بخلاف حدیث کے کہ اس کی ہر جزئی سند اور دلیل سے ثابت ہے پھر سند کی بھی پوری تنقیح و تنقید اور ہر ممکن ذریعہ سے جانچ پڑتال کی گئی ہے اور ٹھوس علمی شہادت کے بعد قبول کی گئی ہے۔

تیسرا اعتراض:۔ بہت سی حدیثیں بالاتفاق موضوع ہیں اور بہت سے راوی خود حدیثیں بنایا کرتے تھے۔ لہٰذا اب کیسے معلوم ہو سکے کہ صحیح حدیث کونسی ہے اور موضوع کونسی؟

جواب:۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت سے دشمنانِ دین خود حدیثیں بنا کر اسلام کو نقصان

پہنچانا چاہتے تھے مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی حفاظت تاقیامت منظور ہے۔ کیونکہ اس پر عمل کرنے کا حکم جمیع امت کو دے چکے ہیں۔ اس لئے محدثین نے صحیح اور موضوع حدیث پرکھنے کے لئے ایسے اصول اور معیار قائم کردئے اور ان اصولوں کی وضاحت کے لئے مستقل فنون مدوّن کئے جن سے کھوٹی اور کھری میں امتیاز قائم ہوجائے کسی حدیث کے متعلق موضوع ہونے کا علم ہوجانا یہ خود حجیتِ حدیث پر دلیل ہے۔ کیوں کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ محدثین نے موضوع حدیثوں کو چن چن کر ذخیرۂ حدیث سے باہر کردیا ہے۔

چوتھا اعتراض:۔ دشمنانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ قرآنی اصول قیامت تک کیلئے مؤبّد ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ضروری مسائل بیان فرمائے وہ قیامت تک کے لئے نہیں بلکہ اس زمانہ کے لحاظ سے اسی وقت کے ساتھ خاص تھے اور ہر زمانہ کے مطابق ان جزئیات میں تغیر و تبدّل کیا جاسکتا ہے اگر یہ جزئیات بھی مؤبّد ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اصول کی طرح ان کو بھی قرآن میں کیوں بیان نہیں کیا؟

جواب:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ جزئیات بھی تاقیامت مؤبّد ہیں۔ ان میں تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے جمیع امت کو اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ ہم آیاتِ قرآنیہ سے ثابت کرچکے ہیں۔ باقی یہ سوال رہا کہ پھر ان جزئیات کو قرآن میں کیوں نہیں بیان کیا گیا؟ سو ہم کہتے ہیں کہ جزئیات کو قرآن نے اگرچہ تفصیلاً بیان نہیں کیا مگر اطیعوا الرّسول کی کلّی کے ضمن میں سب جزئیات کا حکم قرآن سے ثابت ہوجاتا ہے۔ نیز وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (۵۳-۴) سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ جزئیات بھی وحی الٰہی ہیں۔ یہی سبب ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بار ممبر پر چڑھ کر مسلمانوں کو مخاطب کیا

ایھا النّاس انّ الرّأی انما کان من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصیبا ان اللہ کان یریہ وانما ھومنا الظن والتکلف	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے بھی چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا کرتی تھی، اس لئے یقیناً صحیح ہوتی تھی اور ہماری رائے ظنّی ہوتی ہے

منکرینِ حدیث کا تذبذب

منکرینِ حدیث تاحال اپنا دعویٰ متعین نہیں کرسکے۔

(۱) کبھی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور فعل مطلقاً حجت نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام بیان فرمائے، وہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ مخصوص تھے۔ ہر زمانہ کے لحاظ سے

ان احکام میں تغیر و تبدل کیا جا سکتا ہے۔

(پرویز معارف جلد ۴ ص۶۹۲)

(طلوع اسلام جون ۵۰ء ص۴۷)

(۲) اور کبھی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول او رفعل حجت تو ہے۔ مگر چونکہ ہم تک باوثوق ذرائع سے نہیں پہنچا اس لئے ظنی ہونے کی وجہ سے قابلِ اعتماد نہیں رہا۔ (پرویز. طلوع اسلام جولائی ۱۹۵۰ء ص۴۹)

(اسلم جیراجپوری. طلوع اسلام نومبر ۱۹۵۰ء ص۴۳)

(۳) اور کسی وقت یوں کہتے ہیں کہ روایاتِ حدیث کا سلسلہ قرآن کے خلاف عجمی سازش ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ حدیث کو تاریخی درجہ بھی حاصل نہیں۔

(پرویز. طلوع اسلام اکتوبر ۱۹۵۲ء ص۸)

منکرینِ حدیث کے اس تذبذب سے صاف ظاہر ہے کہ ان کی جملہ مساعی کا مقصد صرف یہ ہے کہ حدیث کا کسی نہ کسی طریقہ سے انکار کر کے آزادانہ زندگی بسر کریں اس مقصد کے لئے وہ جہاں کہیں جیسا موقع پاتے ہیں ویسی ہی بات منہ سے نکال دیتے ہیں۔ اس امر کی کچھ پروا نہیں کرتے کہ اس سے پہلے کیا کہہ چکے ہیں۔ آخر میں ہم منکرینِ حدیث کو بطور نصیحت کہتے ہیں کہ ؎

ظالم ابھی ہے فرصت توبہ نہ دیر کر
وہ بھی گرا نہیں جو گر کر پھر سنبھل گیا

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ ○

رشید احمد

۱۶ ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ

ضمیمہ

ایک مستقل سوال کے جواب میں سالہ "فتنۂ انکار حدیث" کا خلاصہ لکھا گیا تھا جو درج ذیل ہے۔

منکرینِ حدیث کے متضاد نظریات پر ایک نظر

سوال: کتبِ حدیث میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "لا تکتبوا عنی غیر القرآن" اور "ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ" موجود ہے؟ اگر ہے تو اس کا مطلب کیا ہے؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اس قسم کے سوالات کا منشأ فتنۂ انکار حدیث ہے۔ جو آجکل نہایت آب و تاب سے پھل پھول رہا ہے حدیث کے بارے میں منکرینِ حدیث کی طرف سے تین قسم کے متضاد خیالات اشاعت میں آرہے ہیں۔

① قرآن سمجھنے کے لئے حدیث کی ضرورت نہیں۔ ہر شخص اپنے دماغ سے قرآن سمجھ سکتا ہے۔

(پرویز۔ طلوع اسلام)

روایاتِ حدیث کا پورا سلسلہ قرآن کے خلاف عجمی سازش ہے۔ (پرویز طلوع اسلام اکتوبر ۱۹۵۲ء ص ۴)

مقصد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ تشریح کی قطعاً حاجت نہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ قولِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم پر بھی واجب الاتباع نہ تھا۔

② حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام بیان فرمائے ہیں وہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ مخصوص تھے۔ ہر زمانہ کے لحاظ سے ان احکام میں تغیر و تبدل کیا جا سکتا ہے۔

(پرویز۔ معارف جلد ۴ ص ۲۹۲، اور طلوع اسلام جون ۱۹۵۰ء ص ۴۷)

یعنی آپ کا فرمان آپ کے زمانہ میں حجت تھا۔ ہم پر حجت نہیں۔

③ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور فعل حجت تو ہے مگر چونکہ ہم تک باوثوق ذرائع سے نہیں پہنچا اس لئے ظنی ہونے کی وجہ سے قابلِ اعتماد نہیں رہا۔

(پرویز طلوع اسلام جولائی ۱۹۵۰ء ص ۴۹۔ اسلم جیراجپوری۔ طلوع اسلام نومبر ۱۹۵۰ء ص ۴۳)

اگر منکرین حدیث کے مختلف گروہوں کے یہ مختلف خیالات ہوتے تو کوئی تعجب نہ ہوتا۔ عجیب امر ہے کہ ایک ہی گروہ بلکہ ایک ہی شخص مختلف آرا۔ اور متضاد خیالات کا اظہار کر رہا ہے۔ جسے دیکھ کر دو شقوں میں سے ایک کا تسلیم کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ یعنی یا تو ان کو مجنون سمجھکر معذور خیال کیا جائے اور یا یوں کہا جائے کہ ان کا کوئی نصب العین اور نظریہ متعین نہیں ہے۔ بلکہ اس ساری تگ و دو سے ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ تعلیماتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے ہر طرح سے آزادانہ زندگی بسر کریں۔ اس لئے جس قسم کا موقع

پاتے ہیں ویسی ہی بات منہ سے نکال دیتے ہیں، اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ اس سے پہلے کیا کہہ چکے ہیں. ہم قبل ازیں ان کا پول کھولنے کے لئے مختلف مضامین بذریعہ اخبارات و رسائل شائع کر چکے ہیں. اس وقت ہم ان تین قسم کے مختلف نظریات پر بالاختصار بحث کرنا چاہتے ہیں۔

ابطالِ نظریۂ اُولیٰ

① وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللّٰهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا (۴۲ ۔ ۵۱)

اس آیت میں وحی کو ارسالِ رسول کے مقابلہ میں ذکر کرنا دال ہے کہ بغیر ارسالِ رسول کے بھی وحی ہوتی ہے۔ یہی حدیث ہے۔

② وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَا الخ (۲ ۔ ۱۴۳) سے معلوم ہوا کہ بیت المقدس کی طرف استقبال حکم الٰہی تھا. حالانکہ قرآن مجید میں یہ حکم مذکور نہیں.

③ عَلِمَ اللّٰهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ أَنْفُسَكُمْ (۲ ۔ ۱۸۷) سے معلوم ہوا کہ ابتداء میں رمضان شریف کی رات میں بھی جماع کرنا حرام تھا. یہ حرمت حدیث ہی سے تھی قرآن مجید میں اس کا ذکر نہیں۔

④ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ الخ (۳ ۔ ۱۲۳) اُحد کے موقع پر نازل ہوئی جس میں مذکور ہے کہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے انزالِ ملائکہ کا وعدہ فرمایا تھا. حالانکہ قرآن میں موقعہ بدر پر اس قسم کا کوئی وعدہ مذکور نہیں. معلوم ہوا کہ انزالِ ملائکہ کا وعدہ وحی غیر متلو سے تھا جو حدیث ہے ۔

⑤ قرآن میں انبیاء سابقین علیہم السلام کی احادیث مذکور ہیں جو حجیتِ حدیث پر واضح دلیل ہے. جب انبیاء سابقین علیہم السلام کی احادیث کا ان کی امتوں پر واجب الاتباع ہونا قرآن سے ثابت ہے تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہم پر کیوں واجب العمل نہ ہوگی ؟

⑥ قرآن کریم میں جا بجا أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ارشاد ہے. اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور فعل قابلِ اعتبار نہیں تو أَطِيْعُوا اللّٰهَ کے ساتھ أَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ کا لفظ بار بار کیوں ذکر کیا گیا ؟ قرآن میں کئی جگہ پر بار بار اطاعتِ رسول کی تاکید کی گئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی پر وعید شدید سنائی گئی ہے۔

⑦ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (۳ ۔ ۱۶۴) یہ آیت معنی اور مفہوم کے لحاظ سے قطعی طور پر محکم ہے. اس میں صاف دلالت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ کا کام ڈاک کے ہرکارے کی طرح

محض بلاغ ہی نہ تھا۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کتاب اور حکمت کے معلّم اور مسلمانوں کے لئے مزکّی بھی تھے۔ تعلیم الکتاب کا فرض جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ لگایا گیا تو آپ اس فرض کو کس طرح ادا کرتے تھے؟ کیا قرآن کے طلبہ (صحابہ) آپ سے کسی آیت کے بارے میں دریافت ہی نہ کرتے تھے؟ اور اگر کچھ دریافت کرتے تو کیا آپ ان کے جواب میں قرآن ہی کی کوئی آیت پیش فرما دیتے تھے؟ کیا یہ طریقِ تعلیم قرینِ قیاس ہوسکتا ہے کہ ایک معلّم کسی کتاب کی تعلیم دے تو طلبہ تلاوتِ متن اور سماع کے سوا کوئی بات دریافت ہی نہ کریں اور اگر کچھ دریافت کریں تو اُستاد اس کے جواب میں کتاب ہی کا متن پڑھ دے۔ اپنی زبان سے کچھ تشریح نہ کرے۔ معلّم کا فرض ہے کہ کتاب کے مجملات کی تفسیر اور تشریح کرے طلبہ کے اعتراضات اور خدشات کو حل کرے۔ کتاب کے مفہوم اور معنی کو واضح طور پر سمجھائے۔ اگر قرآن مجید کے لئے حدیث کی ضرورت ہی نہیں، ہر شخص اپنے دماغ سے قرآن سمجھ سکتا ہے تو پرویز (علیہ ما علیہ) نے "معارف القرآن" لکھ کر حماقت کا ثبوت کیوں دیا؟ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر تو قابلِ قبول نہ ہو، اور اس گستاخ (خاک بدہنش) کی تفسیر قبول ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً اپنے قول اور فعل سے قرآن کی تشریح فرماتے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کا تزکیہ کرتے تھے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور فعل قابلِ اعتبار نہیں تو معلّم الکتاب اور مزکّی کیسے ہوئے؟

⑧ قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خواب کا واقعہ مذکور ہے جس میں صریح دلیل ہے کہ نبی کا خواب بھی حجّت اور واجب العمل ہے۔ حالانکہ خواب وحی متلو نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہزار تمناؤں کے بعد آخر عمر میں اللہ تعالیٰ نے فرزند عزیز عطا فرمایا۔ پھر حالت رضاع ہی سے برسوں تک اکلوتے بیٹے کو وادی غیر ذی زرع میں چھوڑ کر فراق کے صدمے برداشت کئے مگر خلیل علیہ السلام کے مقام تسلیم و رضا کے امتحان کی ایک شدید ترین گھاٹی ناحال باقی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خواب کو وحی الٰہی یقین فرما کر بغیر کسی قسم کے تردّد کے تعمیلِ حکم کے لئے نہ صرف آمادہ ہوجاتے ہیں بلکہ لختِ جگر کو قربان کرنے کا عمل بھی نہایت مستعدی سے شروع کر دیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عزیز ترین اکلوتے بیٹے کے ذبح کا اقدام کرنا اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا فافعل ما تریٰ کے بجائے "فَافْعَلْ مَا تُؤْمَرُ" کہنا، اور اللہ تعالیٰ کا "قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا" اور "وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ" ارشاد فرمانا اور اس امتحان کو "بلاء مبین" سے تعبیر فرمانا، یہ جملہ امور واضح دلیل ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں ذبح ولد کا حکم ہوا تھا اور وہ حکم واجب العمل بھی تھا۔

⑨ كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ الخ میں تصریح فرمائی جارہی ہے کہ منافقین کو غزوۂ خیبر میں شرکت کی اجازت نہ دینے کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے کر دیا ہے حالانکہ اس آیت کے سوا اس فیصلہ کا ذکر قرآن میں کہیں نہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ فیصلہ وحی غیر متلو سے ہوا تھا۔

⑩ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (۱۶-۴۴) معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب تبیین و تشریح ہے۔

⑪ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ (۷۵-۱۹) سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کے بیان کا ذمہ لیا ہے اب غور طلب یہ امر ہے کہ اگر قرآن کا بیان خود قرآن ہی کی آیت سے کیا تو اس آیت کے لئے بھی بیان کی ضرورت ہوگی۔ کیونکہ بیانہ کی ضمیر کا مرجع کل قرآن ہے پس ہر جزء قرآن محتاج بیان ہوا۔ اب اگر ایک آیت کا بیان دوسری آیت سے ہوا تو اس دوسری آیت کا بیان کسی تیسری سے ہوگا، پھر وہ تیسری آیت بھی محتاج بیان، تو اس کے لئے چوتھی آیت ضروری ہوئی پس تسلسل یا دور لازم آئے گا اور یہ دونوں امر باطل ہیں اور باطل کو مستلزم امر خود باطل ہوتا ہے معلوم ہوا کہ قرآن کا بیان خود قرآن سے باطل ہے۔ پس قرآن کا بیان غیر قرآن سے ہوگا جو حدیث ہے۔

منکرین حدیث کا وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (القمر) سے استدلال باطل ہے۔ اس لئے کہ قرآن کے مضامین دو قسم کے ہیں ایک احکام، دوسرے توحید و رسالت کے دلائل اور انذار و تخویف کے مضامین اور تذکیر کے لئے امم سابقہ میں سے منکرین کے قصص۔ سو تیسیر قرآن باعتبار تذکیر کے ہے نہ باعتبار استنباط احکام کے، اس پر چند دلائل ہیں۔ (۱) وَلَقَدْ يَسَّرْنَا کو لِلذِّكْرِ سے مقید کرنا (۲) فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ کا ترتب تیسیر پر (۳) قصص انذار و تخویف کے ساتھ بار بار اس آیت تیسیر کا اعادہ (۴) اگر تیسیر کو عام لیا جائے تو یہ آیت معارض ہوگی آیات مذکورۃ الصدر سے جن سے معلم القرآن اور اس کی تبیین و تشریح کی ضرورت ثابت ہوئی۔ پس وجہ توفیق یہی ہوگی کہ تیسیر قرآن محض بحسب تذکیر ہے اور استنباط احکام میں قرآن معلم کی تبیین و تشریح کا محتاج ہے اس کے باوجود وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ سے تفکر و تدبر کی حاجت ظاہر فرمادی۔

⑫ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ (الی قولہ) نَبَّاَنِیَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ (۶۶-۳) اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک راز کے اخفاء کی تاکید کے باوجود جب ایک بی بی نے اس کا افشاء کر دیا تو اس کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تھی جو وحی غیر متلو سے تھی۔ کیونکہ قرآن میں اس کا کہیں ذکر نہیں۔

⑬ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ (۲-۱۸۵) میں فرمایا کہ احکام حج اللہ تعالیٰ کے بیان فرمودہ طریق کے مطابق ادا کرو۔ حالانکہ قرآن میں احکام حج کی تفصیل مذکور نہیں۔ سو اس آیت میں حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں احکام کی پوری تفصیل ہے۔

⑭ بہت سے انبیاء علیہم السلام کتاب کے بغیر مبعوث ہوئے ہیں۔ پس اگر قول رسول حجت نہیں تو

ایسے انبیاء علیہم السلام کی بعثت سے کیا فائدہ ؟

دلائل عقلیہ

① قرآن میں ہر چیز کا بیان اجمالاً ہے جس کی تشریح اور تفصیل حدیث میں ہے۔ نمازوں کے اوقاتِ خمسہ تعداد رکعات، فرائض اور واجبات کی تفاصیل، صوم و زکوٰۃ کے مفصل احکام، حج کے مناسک، قربانی وغیرہ، بیع و شراء، امورِ خانہ داری، ازدواجی معاملات اور معاشرت کے قوانین۔ ان سب امور کی تفصیل حدیث ہی سے ثابت ہے۔ پس حدیث کا انکار سارے نظام اسلامی سے یکسر ہاتھ دھو بیٹھنے کے مترادف ہے۔ اسی طرح بول و براز، کتے، گیدڑ وغیرہ کی حرمت کا قرآن میں ذکر نہیں۔ چنانچہ اسی اعتراض سے بچنے کے لئے منکرینِ حدیث ان جملہ اشیاء خبیثہ کی حلت کے قائل ہیں۔ بلکہ محمد صبیح ایڈوکیٹ لکھتا ہے کہ قرآن میں مذکورہ چار چیزوں کے سوا باقی ہر چیز کا کھانا فرض ہے کھانے سے انکار کر دینا گناہ اور خدا کے حکم کی معصیت ہے۔

(طلوعِ اسلام جون ۵۲ء)

یعنی کتا، گدھا، گیدڑ، بلی، چوہا حتی کہ پیشاب پاخانہ وغیرہ کا کھانا فرض ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ منکرینِ حدیث خدا کے حکم کی معصیت سے بچنے کے لئے فرض اور ثواب سمجھ کر مذکورہ چیزیں شبانہ روز مزے لے کر کھاتے ہوں گے (سوّد اللہ تعالیٰ وجوھہم)

② اگر احادیث کے راوی قرآن کے خلاف عجمی سازش کرنے والے تھے اس لئے حدیث قابلِ قبول نہیں تو قرآن بھی تو انہی وسائط سے ہم تک پہنچا ہے۔ پس قرآن پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے ؟ اگر کہا جائے کہ قرآن کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (۱۵-۹) تو ہم کہتے ہیں کہ خود اس آیت کی صداقت پر کیسے اعتماد ہوگا ؟ یہ بھی تو انہی لوگوں کی وساطت ہی سے ہم تک پہنچی ہے جو حدیث میں وسائط ہیں۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ قرآن کا اعجاز فی البلاغہ اس کی صداقت پر دال ہے کیونکہ اولاً تو قرآن کا معجز من حیث البلاغہ ہونا مختلف فیہ ہے۔ بعض نے اعجاز من حیث الاخبار عن المغیبات وغیرہ کا قول کیا ہے جس کی تصدیق مذکورہ وسائط ہی کے ذریعہ سے منقول ہے۔ ثانیاً قلیل تغیر اور بعض مواقع پر ترتیب کی تبدیلی سے اعجاز فی البلاغہ میں بظاہر کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ جیسا کہ "اَلَمْ اَعْهَدْ" پر مختصر المعانی میں بحث کی گئی ہے۔ ثالثاً اعجاز فی البلاغہ معیارِ صداقت تب ہوگا کہ تحدّی ثابت ہو اور آیات تحدّی مذکورہ وسائط ہی سے منقول ہیں۔ رابعاً تحدّی من حیث البلاغہ زمانۂ موجودہ میں تو معیارِ صداقت نہیں ہو سکتی۔ کیوں کہ تحدّی ایسی چیز کی مفید ہوگی

جس کا دنیا میں بہت زور و چرچا ہو۔ ظاہر ہے کہ دورِ حاضر میں علم البلاغہ کی بنسبت سائنس کا بہت زیادہ چرچا ہے۔ پس بلاغت کے لحاظ سے تحدی صرف زمانۂ تنزیل کے ساتھ مخصوص ہوگی اور اس وقت میں اہلِ بلاغت کا قرآن کے مثل سے عاجز ہوجانا قیامِ قیامت تک کے لئے صداقتِ قرآن پر دلیل ہوگا یعنی زمانہ حاضرہ میں صداقتِ قرآن پر یہ دلیل نہیں کہ ہم اس کے مثل سے عاجز ہیں بلکہ دلیل یہ ہے کہ بلاغت کے مشہور دور میں بڑے بڑے بلغاء اس کے مثل سے عاجز ہے اور یہ جملہ امور یعنی یہ کہ زمانۂ تنزیل دورِ بلاغت تھا اور یہ کہ اس زمانہ میں قرآن نے تحدّی من حیث البلاغہ کی تھی اور یہ کہ مشاہیر بلغاء قرآن کے مثل سے عاجز رہے تھے، انہی کے واسطہ سے منقول ہیں جن کو قرآن کے خلاف عجمی سازشی کہا جا رہا ہے۔

(۳) صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ و من بعدہم جمیع امتِ مسلمہ جو حدیث کو حجت تسلیم کرتی آئی ہے کیا اس میں ان سے اجتہادی غلطی ہوئی ہے۔ یا جان بوجھ کر ایسا کرتے رہے؟ اگر اجتہادی غلطی ہوئی یعنی حقیقت میں حدیث قابلِ اعتبار نہ تھی مگر اسلاف سے غلطی ہوگئی کہ وہ اسے قابلِ عمل سمجھتے رہے تو غور کرنے کا مقام ہے کہ ساری امت کے متقدمین اور متاخرین علماء و صلحاء تمام تر اسلاف اسی اجتہادی غلطی ہی میں صدیوں تک مبتلا رہے؟ کسی ایک فرد نے بھی اس غلطی کو محسوس نہ کیا؟ اور اگر اسلاف حدیث کو ناقابلِ اعتبار سمجھتے تھے اس کے باوجود جان بوجھ کر حدیثیں بیان کرکے قرآن کے خلاف سازشیں کرتے آئے ہیں تو اس امت میں سے مؤمن کون باقی رہا؟ صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ، محدّثین اور جمیع سلف صالحین تو نعوذ باللہ خاک بدہن گستاخ قرآن کے مخالف تھے کیا مذہبِ اسلام کی چودہ صد سالہ زندگی میں پہلا مؤمن صرف پرویز (علیہ ما علیہ) ہی ہے؟ جو دین چودہ سو سال تک صرف مخالفین اور دشمنوں کے قبضہ میں رہا ہو اتنی طویل مدت تک اس کا کوئی محافظ اور اسے قبول کرنے والا پیدا ہی نہ ہوا ہو، ایسے دین پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے؟

(۴) یہ امر دریافت طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اور سابقہ آسمانی کتابوں کو رسول کے واسطہ سے کیوں اتارا؟ اگر اللہ تعالیٰ ہر فردِ بشر کے پاس لکھی لکھائی کتاب بلا واسطہ رسول کے بھیج دیتے تو یہ صریح معجزہ ہونے کی وجہ سے زیادہ مؤثر ہوتا۔ کفار خود اس کے طالب بھی تھے کہ لکھی لکھائی کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر نازل ہو سو اگر یہ طریقہ اختیار کیا جاتا تو منہ مانگا معجزہ ہونے کے باعث زیادہ سببِ ہدایت ہوتا۔ مگر پھر بھی یہ طریقہ اختیار نہیں کیا گیا۔ بلکہ رسولوں کی معرفت کتابیں نازل فرمائیں اور رسول بھی صرف انسانوں میں سے منتخب فرمائے۔ کفار کہتے تھے کہ پیغام پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتے کیوں نہیں بھیجے تاکہ ہمیں احکام کے منزّل من اللہ ہونے کا یقین ہوجاتے اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتے ہیں

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا (۶-۹) وَلَوْ كَانَ فِى الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا (۱۷-۹۵) غرضیکہ سوال یہ ہے کہ تنزیلِ کتب کے لئے رسولوں کو واسطہ بنانے اور رسالت کے لئے بالخصوص انسانوں ہی کو منتخب کرنے پر اس قدر اصرار کیوں کیا گیا؟ اس کا جواب خود کلام اللہ میں موجود ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (نساء ۹) یعنی خدا نے جتنے رسول بھیجے ان کی بعثت کا مقصد صرف یہ رہا کہ وہ قوانینِ خداوندی کے مطابق حکم دیں اور خود قوانینِ الٰہیہ کے مطابق زندگی بسر کریں اور نازل شدہ احکام کو برت کر امت کے لئے ایک نمونہ قائم کر دیں تاکہ امت ان کا اتباع کرے اگر بلا واسطہ رسول کے احکام نازل کر دئے جاتے اور ان کی تفصیل وتشریح کرنے والا اور عملی جامہ پہنانے والا کوئی نہ آتا تو لوگ آیات کے مفہوم اور معانی میں اختلاف کرتے اور منشأ الٰہی سمجھنے میں غلطی کرتے ان کو سمجھانے والا کوئی نہ ہوتا۔ اس ضرورت کو تو کسی حد تک فرشتے بھی پورا کر سکتے تھے۔ مگر ان کے متعلق لوگ یہ خیال کرتے کہ فرشتے تو قوتِ شہوانیہ اور غضبیہ سے منزہ ہیں اور انسانی حوائج وضروریات سے مستغنی ہیں اس لئے تقویٰ اور طہارت وپاکیزگی کے احکام میں انسان فرشتے کی تقلید نہیں کر سکتا۔ انسان پیٹ رکھتا ہے، کھانے، پینے، پیشاب، پاخانہ کا محتاج ہے۔ شہوت اور غضب کی قوت رکھتا ہے۔ جذبات وداعیات اور امراض وعوارض کا شکار رہتا ہے۔ بیوی بچوں کے جنجال میں جکڑا رہتا ہے۔ اس لئے فرشتے کا اتباع انسان کے بس کا کام نہیں۔ لوگ کہہ سکتے تھے کہ ہم انسانی کمزوریاں رکھتے ہوئے فرشتے کی متقیانہ زندگی کی تقلید کیسے کریں؟ اس لئے ضروری تھا کہ رسول انہی جذبات وعوارضِ انسانیہ کے ساتھ زمین پر آتا۔ اسے بھی وہ تمام معاملات پیش آتے جو ایک عام انسان کو پیش آتے ہیں۔ تاکہ وہ قوانینِ الٰہیہ کے مطابق زندگی بسر کر کے دکھاتا کہ کس طرح انسان خدا کے نازل کردہ قوانین پر عمل کرے۔ قدم قدم پر لوگوں کو اپنے قول اور عمل سے ہدایات دیتا اور انہیں سمجھاتا کہ انسان زندگی کی پیچیدہ راہوں سے کس طرح بچ کر صراطِ مستقیم پر چل سکتا ہے۔ غرضیکہ لفظوں میں نازل کردہ احکام کو عملی جامہ پہنا کر امت کے لئے اسوۂ حیات قائم کر دیتا۔ بس یہی وجہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے صرف کتاب کو ہمارے لئے کافی نہ سمجھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کو اس کے ساتھ ہم پر لازم کر دیا۔

ابطالِ نظریۂ ثانیہ

اگر حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات صرف آپ کے زمانہ کے ساتھ خاص تھیں بعد میں حجت

نہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت قیام قیامت تک کے لئے عام نہیں۔ حالانکہ مندرجہ ذیل آیات اس کی تردید کررہی ہیں۔

(۱) اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ حکم قرآنی عام اور قیام قیامت تک کے لئے ثابت رہیگا اگر ہم پر قرآن حجت ہے تو قرآن کا یہ جملہ کیوں کر حجت نہ ہوگا؟

(۲) يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (۷ - ۱۵۸)

(۳) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۝ (۲۱ - ۱۰۷)

(۴) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (۳۴ - ۲۸)

(۵) تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا۝ (۲۵ - ۱)

(۶) مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۝ (۳۳ - ۴۰)

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ کتاب اللہ کو سمجھنے کے لئے معلم کی ضرورت ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی جدید معلم (رسول) نہیں آسکتا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات قیام قیامت تک کے لئے واجب الاتباع ہیں۔

(۷) رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ (۴ - ۱۶۵)
اگر حدیث ہم پر حجت نہیں تو ہم پر اتمام حجت کیسے ہوا؟ جو کہ بعثت سے مقصود ہے۔

دلائل عقلیہ

(۱) کتاب اللہ کے سمجھنے کے لئے معلم الکتاب کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو رسول کیوں مبعوث فرمایا گیا اور حضور کے اہل زمانہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول کیوں واجب الاتباع قرار دیا گیا؟ اور اگر معلم کی ضرورت ہے تو ہم ان تعلیمات رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کیسے مستغنی ہوسکتے ہیں۔ ہم تو خود بخود کتاب اللہ کو سمجھ سکیں اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کے لئے معلم کی ضرورت پڑے۔ ما بہ الفرق کیا چیز ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اہل لسان تھے، محاورات سے واقف تھے۔ ان کو مواقع تنزیل کا مشاہدہ اور شان نزول کا علم تھا خطاب الٰہی کے مخاطبین اولین تھے اس کے باوجود ان کے لئے تو معلم الکتاب کی ضرورت ہو اور ہمارے لئے کوئی ضرورت نہ ہو؟

(۲) وہ دلیل جو نظریہ اولی کی تردید میں دلائل عقلیہ کے تحت نمبر ۳ میں گذری۔ یعنی جمیع امت

جو حدیث کو آج تک قبول کرتی آئی ہے ان سے اجتہادی خطا ہوئی ہے یا کہ جان بوجھ کر قرآن کے خلاف سازشیں کرتے رہے ہیں۔ دونوں شقیں خلافِ عقل اور مردود ہیں۔

ابطالِ نظریۂ ثالثہ

منکرین حدیث کہتے ہیں کہ حدیث ظنی ہے اور ظن کی پیروی قرآن کی رو سے منع ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حدیث کی پیروی قرآن کی رو سے منع ہے۔ منکرین حدیث کا یہ استدلال محض دجل اور تلبیس ہے۔ لفظ ظن تین معنوں میں مستعمل ہے۔

① اٹکل یعنی بلا دلیل محض گمان اور تخمین۔

② شواہد و قرائن سے ظنِ غالب۔

③ علم یقینی نظری واستدلالی جو دلیل و برہان سے قطعی طور پر حاصل ہوا ہو۔ مندرجہ ذیل آیاتِ قرآنیہ میں لفظ ظن اسی علم یقینی کے معنی میں مذکور ہے

① يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُوا رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ○ (۲ - ۴۶)

② قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُوا اللَّهِ (۲-۲۴۹)

③ وَظَنَّ دَاوُدُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ (۳۸-۲۴)

④ كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ وَقِيلَ مَنْ رَاقٍ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ (۷۵-۲۸)

⑤ أَلَا يَظُنُّ أُولَئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ○ (۸۳ - ۵)

قرآن نے ظن بمعنی محض اٹکل و تخمین کی پیروی سے منع کیا ہے۔ احادیث کا سلسلہ محض اٹکل اور تخمین نہیں ہے پس احادیث کو ظن کے معنی ثانی (ظن غالب) اور معنی ثالث (علم یقینی استدلالی) کے لحاظ سے ظنی کہا جاتا ہے۔ بہت سی احادیث علم یقینی استدلالی کا فائدہ بھی دیتی ہیں۔ حافظ ابن حجر شرح نخبۃ الفکر میں فرماتے ہیں وقد یقع فیھا ای فی اخبار الاحاد المنقسمۃ الی مشھور وعزیز وغریب ما یفید العلم النظری بالقرائن علی المختار خلافا لمن ابی ذلک والخلاف فی التحقیق لفظی لان من جوز اطلاق العلم قیدہ بکونہ نظریا وھو الحاصل من الاستدلال ومن ابی الاطلاق خص لفظ العلم بالمتواتر وما عداہ عندہ ظنی۔ پھر حافظ نے خبر محتف بالقرائن موجب علم یقینی استدلالی کی چند انواع ذکر کی ہیں۔

① ما اخرجہ الشیخان فی صحیحیھما مما لم یبلغ حد التواتر ومالم ینتقدہ احد من الحفاظ ولم یقع التخالف بین مدلولیہ۔

۲ المشہور اذا کانت لہ طرق متباینۃ سالمۃ من ضعف الرُّواۃ والعلل۔

۳ المسلسل بالائمۃ الحفاظ المتقنین حیث لا یکون غریبًا۔

پس علم یقینی استدلالی تو ظاہر ہے کہ واجب الاتباع ہے۔ باقی رہیں وہ حدیثیں جو ظنِّ غالب کا فائدہ دیتی ہیں، سو شریعتِ مطہرہ نے ظنِّ غالب کو یقین کا حکم دے کر واجب الاتباع قرار دیا ہے۔ شرعی یقین کے لئے ثقہ عادل کی شہادت (کہیں ایک کی کہیں دو کی اور کہیں زیادہ کی) کافی ہے۔ سو وہ احادیث میں موجود ہے۔ اس لحاظ سے سب احادیث یقینی ہیں۔ ظنی اس لئے کہا جاتا ہے کہ مفید علم یقینی استدلالی ہیں۔ یا اس لئے کہ اکثر احادیث میں عقلاً احتمالِ خطا موجود ہے۔ شرعاً نہیں۔ غرضیکہ احادیث کو شرعًا ظنی اس لئے کہا جاتا ہے کہ جمیع احادیث مفید علم یقینی عقلی استدلالی ہیں اور اکثر احادیث موجب ظنِّ غالب ہیں۔ اور دنیا میں ظنِّ غالب پر عمل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ ہم رات دن اپنے جمیع معاملات میں ظنِّ غالب ہی پر عمل کرتے ہیں۔ دوا پیتے وقت شفا کا یقین نہیں ہوتا بلکہ زیادہ مضرت کا احتمال موجود ہے۔ ریل، کار، طیارہ اور بحری جہاز وغیرہ پر سوار ہوتے وقت ہمیں ان کی مشینری کا کوئی علم نہیں ہوتا۔ مشینری کے تمام پرزہ جات کی درستی کا کوئی یقین نہیں ہوتا۔ راستہ کے حوادث سے محفوظ رہنے کا یقین نہیں۔ طیارہ کے گرنے، ریل کے پٹڑی سے اتر جانے بحری جہاز کے غرق ہو جانے کا احتمال موجود ہے۔ معہٰذا ہم دن رات ان ذریعوں سے سفر کرتے ہیں۔ بازار سے گوشت خریدتے وقت اس کی حلت کا، دودھ، گھی، اناج، شکر وغیرہ کی پاکیزگی کا، پانی پیتے وقت، غسل اور وضو کرتے وقت اس کی طہارت کا ہرگز کامل یقین نہیں ہوتا اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔ عمر بھر ہر معاملہ میں قدم قدم پر ظنِّ غالب کی پیروی پر مجبور ہیں، ظن غالب کی پیروی کو چھوڑ دیا جائے تو انسان دنیا میں زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ سانپ کے پاس جانے سے ہمیں اس کے کاٹنے کا یقین نہیں اور کاٹنے کے بعد مرنے کا یقین نہیں، اسی طرح زہر پی لینے سے موت یقینی نہیں۔ معہٰذا ہم زہر پینے سے بچتے ہیں اور سانپ سے پرہیز کرتے ہیں۔ جب ہم شب و روز ہر معاملہ میں ظن غالب ہی پر عمل کرتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ حدیث کو ظنی ہونے کی وجہ سے ترک کر دیا جائے۔ قرآن یقینی ہے اور حدیث ظنّی۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ حدیث کو محض اٹکل اور تخمین سمجھ کر ناقابلِ عمل قرار دے دیا جائے۔ قرآن کے یقینی اور حدیث کے ظنی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کا ہر ہر لفظ تواتر سے ثابت ہونے کی وجہ سے یقینی بدیہی ہے۔ حدیث میں چونکہ روایت بالمعنیٰ جائز ہے اس لئے اس کے ہر لفظ کے متعلق قرآن جیسا یقین نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا حدیث یقینی استدلالی یا یقینی شرعی ہے۔ جیسا کہ ماں کا علم یقینی ہے اور باپ کا ظنی۔ کیوں کہ ماں کے متعلق قطعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ فلاں کی ماں ہے مگر باپ کے بارے میں اس یقین کے ساتھ حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

معہذا باپ کا علم یقینی شرعی ہے ۔

دلیلِ عقلی

جب یہ تسلیم کرلیا گیا کہ قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم قیام قیامت تک کے لئے واجب الاتباع ہے. مگر حدیث کا موجودہ ذخیرہ حجت اس لئے نہیں کہ ظنی ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے جب تعلیماتِ رسول کو ہم پر قیام قیامت تک کے لئے واجب الاتباع قرار دیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان تعلیمات کی حفاظت کے اسباب کیوں نہ پیدا فرمائے ؟ کیا یہ تکلیف مالا یطاق اور امت پر ظلم نہ ہوگا ؟ کہ ان اقوال کا اتباع ہم پر لازم کر دیا گیا جن کے علم کی تحصیل ہمارے لئے ناممکن ہے. غرضیکہ قولِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ کے لئے واجب الاتباع تسلیم کر لینے کے باوجود اسے ظنی ہونے کی وجہ سے حجت نہ سمجھنا اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت کرنے کے مترادف ہے : اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ ۔

منکرین حدیث کا یہ کہنا کہ حدیث تیسری صدی کے آخر میں لکھی گئی ہے. صاف دھوکہ دہی ہے، کیونکہ خود حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں حدیث کی کتابت شروع ہو چکی تھی. حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کتابتِ حدیث سے منع فرمانا ابتدائی دور میں اس لئے تھا کہ قرآن سے التباس نہ ہو جائے. اس وقت میں کتابتِ قرآن کا عام دستور تھا اور عوام قرآنی اسالیب سے اور اس کے معجزانہ انداز سے ابھی پورے مانوس نہ تھے کتابتِ حدیث سے منع کرنے کا یہ مقصد ہرگز نہ تھا کہ حدیث قابلِ اعتبار نہیں. اگر یہ مقصد ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث کے بیان کرنے سے بھی روک دیتے. حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا فلیبلغ الشاھد منکم الغائب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور اس کے بعد زمانہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں احادیث بیان کرنے کا عام رواج تھا. حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک خدمت پر بھیجتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ پہلے قرآن پر نظر کرونگا. پھر آپ کے قول وعمل سے استدلال کروں گا. پھر اجتہاد سے کام لوں گا. حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مسرت کا اظہار فرما کر حجیتِ حدیث کی تصدیق فرما دی. حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے "تسمعون ویسمع منکم ویسمع ممن یسمع منکم" (ابوداؤد. کتاب العلم) شروع میں اگرچہ عوام کو اختلاط بالقرآن کے خوف کی وجہ سے کتابتِ حدیث کی اجازت نہ تھی. تاہم خاص خاص لوگوں کو کتابت کی اجازت تھی. طبقات ابن سعد میں عبد اللہ بن عمرو بن العاص کا واقعہ مذکور ہے کہ آپ نے خدمت نبوی میں عرض کیا کہ جو حدیثیں میں نے آپ سے بالمشافہہ سنی ہیں ان کے لکھنے کی اجازت فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی. پھر عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا کہ صرف

حالتِ نشاط کی حدیثیں لکھوں یا کہ حالتِ غضب کی بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دہنِ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس منہ سے سوائے حق کے اور کچھ نہیں نکلتا۔ چنانچہ انہوں نے احادیثِ نبویہ کو جمع کیا اور اس کا نام "الصادقہ" رکھا۔ یہی واقعہ ابوداؤد کتاب العلم میں بھی ہے، ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے سب سے زیادہ حدیثیں یاد ہیں، مگر عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما لکھا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا "انہ کان یکتب ولا اکتب" (بخاری) مستدرک حاکم سے معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی احادیث کا لکھا ہوا ذخیرہ موجود تھا۔ چنانچہ حسن بن عمرو فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک حدیث سنائی تو آپ نے اس کا انکار کیا اور فرمایا کہ اگر تم نے مجھ سے یہ حدیث سنی ہے تو میری کتابوں میں موجود ہوگی چنانچہ آپ نے اپنی کتابوں میں تلاش کی تو یہ حدیث مل گئی۔ اس مقام پر منکرینِ حدیث نے دو اعتراض کئے ہیں۔ (۱) بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علم حدیث زیادہ تھا۔ حالانکہ روایات کا ذخیرہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ منقول ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بخاری کی روایت میں استثناء منقطع ہے۔ اس لئے اس کا سابقہ جملہ سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ نیز کثرتِ علم کثرتِ روایت کو مستلزم نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد عبداللہ بن عمرو زیادہ تر شام میں رہے ہیں۔ اور ابوہریرہ کا قیام مدینہ منورہ ہی میں رہا ہے۔ چونکہ دورِ اول میں علم کا مرکز مدینہ ہی میں تھا۔ لوگ تحقیقِ مسائل میں مدینہ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اس لئے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روایات بیان کرنے کا زیادہ موقع ملا۔ (۲) مستدرک حاکم میں ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لکھی ہوئی حدیثیں موجود تھیں اور بخاری میں ہے "لا اکتب" اس کا جواب یہ ہے کہ ابوہریرہ خود لکھنا نہ جانتے تھے۔ ان کے پاس جو ذخیرہ تھا وہ دوسروں سے لکھوایا گیا تھا۔ (فتح الباری جلد ۱ ص ۱۸۴)

جب لوگ قرآن کے معجزانہ اسلوب سے بخوبی واقف ہوگئے تو حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف کتابتِ حدیث کی اجازت دی بلکہ لکھنے کا حکم دیا۔ اور کئی صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دینی مسائل اور پیغمبرانہ ہدایات خود لکھوائیں۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبۂ ارشاد فرمایا اور ابوشاہ یمنی کی درخواست پر وہ خطبہ لکھوا کر انکو دیا۔ (مفتاح السنۃ و بخاری)

عمرو بن حزم کو یمن بھیجتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مفصل تحریری ہدایت نامہ دیا جس میں صدقات، دیات، فرائض وغیرہ کے احکام تھے (مفتاح السنۃ مصری ص۱۱)

طوفانِ نوح لانے سے اے چشم فائدہ ؟
دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں !

مختصر

مذکور تفصیل کے ضمن میں مطلوبہ سوالات کے جوابات بھی بخوبی ذہن نشین ہوگئے ہونگے۔ تاہم مختصراً مکرر تحریر ہیں۔

(۱، ۲) کسی امام کے مقلد کو دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرنا جائز نہیں۔ اس کے مفاسد اور اس سہولت پسندی میں دین کے نقصان کا مفصل بیان ماقبل میں ترکِ تقلیدِ شخصی کے ضمن میں آچکا ہے۔

(۳) "مآثر حکیم الامت" میں حضرت حکیم الامت کے ملفوظ کا حوالہ نہیں دیا گیا، حضرت تھانوی کا حکم تھا کہ جب تک میرے ملفوظات کی تصدیق فلاں، فلاں چند مخصوص لوگوں سے نہ کرالی جائے انھیں شائع کرنے کی اجازت نہیں۔ مآثر حکیم الامت کے اس ملفوظ کو یہ تصدیق حاصل نہیں، بالفرض اگر یہ ملفوظ حضرت تھانوی قدس سرہٗ کا انہی الفاظ سے ہو تو اسکا مطلب یہ ہو کہ جہاں اہلِ فتوی وتقوی اجتماعی غور و خوض کے بعد مذہب کے اصول و قواعد کی رو سے دوسرے مذہب پر عمل کی گنجائش پائیں تو اس کی اجازت دیدیں نہ یہ کہ کھلی چھٹی دیدی جائے کہ جو چاہے جس طرح چاہے عمل کرے، فافہم وتدبّر

(۴) تقلیدِ مطلق اور تقلیدِ شخصی پر لاتعداد کتب لکھی گئی ہیں جن میں سے مندرجہ ذیل کتب خاص اہمیت کی حامل ہیں

(۱) عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید	از شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ
(۲) الانصاف فی بیان سبب الاختلاف	" " "
(۳) "حجۃ اللہ البالغہ" میں بھی مفید مباحث ہیں	" " "
(۴) فتاوی رشیدیہ کتاب التقلید والاجتہاد	از حضرت گنگوہی قدس سرہ
(۵) ایضاح الادلہ	از حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ
(۶) الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد	از حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ
(۷) الکلام الفرید فی التزام التقلید	" " "

۸) فصل الخطاب فی مسألۃ ام الکتاب — از مولانا انور شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

۹) خیر التنقید فی سیر التقلید — از مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

۱۰) مقدمہ اردو ترجمہ المیزان الکبری للشعرانی — از مولانا محمد حیات سنبھلی

۱۱) فلسفہ تقلید واجتہاد — از قاری محمد طیب صاحب مدظلہم

فقط واللہ العاصم من جمیع الفتن الظاہرۃ والباطنۃ

رشید احمد

۴ر محرم سنہ ۱۳۹۶ ہجری

بضرورت عمل بمذہب غیر

سوال: ملفوظات شاہ عبدالعزیز صاحب (مطبوعہ پاکستان ایجوکیشنل پبلشرز لمیٹڈ، ۱۲ میری ویدر روڈ کراچی سنہ ۱۹۶۰ء) میں صفحہ ۹ پر حسب ذیل ملفوظ دیکھنے میں آیا:

"ایک مرید نے عرض کیا کہ اگر ضرورت کے وقت حنفی، شافعی کے قول پر عمل کرلیوے یا کسی دوسرے امام کے قول پر عمل کرلے کیا یہ صحیح ہوسکتا ہے؟ فرمایا کہ اگر کوئی ضرورت شرعی مجبور کرے تو جائز ہے، ورنہ نفسانی حیلہ کے تقاضے سے ایسا نہ کرنا چاہیے کہ مثلاً ایک امام کی تقلید کرتا ہے کسی مسئلہ میں عملاً دوسرے امام کا قول آسان اور سہل پایا، اسوقت اس کو ہی اختیار کرلیا۔ یہ بری بات ہے، میں نے اسکی تفصیل ایک فتوے میں لکھی ہے۔"

اس سلسلہ میں حسب ذیل امور دریافت طلب ہیں:

(۱) شرعی ضرورت سے کیا مراد ہے؟ اگر اس کی چند مثالیں تحریر فرمادی جائیں تو فہم مطلب میں سہولت ہوگی۔

(۲) یہ جو تحریر فرمایا ہے کہ "بری بات ہے" تو اس برائی کا شرعاً کیا درجہ ہے، ناجائز، مکروہ تحریمی یا مکروہ تنزیہی؟

(۳) کیا ہر عامی کو یہ اجازت دیدی جائے گی کہ وہ ضرورت کے وقت کسی دوسرے امام کے قول پر عمل کرے یا یہ ضروری ہے کہ مستند علماء مشورہ اور خوب غور وفکر کے بعد یہ فیصلہ فرمائیں

کہ وہ ضرورت شرعی ہے اور اس صورت میں دوسرے امام کے قول پر عمل کرنیکی اجازت ہے؟

بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

(۱) ضرورتِ شرعی سے مراد وہ ضرورت ہے جسے علماءِ راسخین فی العلم جو تقوی وطہارت کی صفاتِ عالیہ سے متصف ہوں ضرورت قرار دیں۔ اگر وہ واقعی یہ ضرورت سمجھیں کہ اس وقت مذہبِ غیر پر عمل کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے تو وہ ضرورت شرعی سمجھی جائے گی اور اسوقت مذہبِ غیر پر بقدر ضرورت عمل جائز ہوگا، ضرورت کی تعیین ہر مسئلہ اور واقعہ میں الگ ہوگی اور عوام تو عوام ہی ہیں، عام علماء کو بھی اس کی تعیین کی اجازت نہیں، اسکا فیصلہ صرف راسخین فی العلم متقی علماء ہی کر سکتے ہیں جو شاذ و نادر ہیں۔ اس کی واضح مثال مفقود کا مسئلہ ہے کہ علماء نے جب مذہبِ مالکیہ پر فتوی دینے کی ضرورت محسوس کی تو اسکا فتوی صادر فرمایا، لیکن اس میں احتیاط کے تمام پہلو مدِّ نظر رکھ کر یہ فیصلہ دیا گیا۔

حضرت تھانوی قدس سرہ العزیز تحریر فرماتے ہیں۔" اور ضرورت وہی معتبر ہے جس کو علماء اہلِ بصیرت ضرورت سمجھیں۔ و نیز یہ بھی ضروری ہے کہ فتوی دینے والا ایسا شخص ہو جس نے کسی ماہر استاد سے فن کو حاصل کیا ہو اور اہلِ بصیرت اس کو فقہ میں مہارتِ تامہ حاصل ہونے پر شہادت دیتے ہوں کما قال الشامی فی شرح عقود رسم المفتی فان المتقدمین شرطوا فی المفتی الاجتهاد وهذا مفقود فی زماننا فلا اقل من ان یشترط فیه معرفة المسائل بشروطها وقیودها التی کثیرا ما یسقطونها ولا یصرحون بها اعتمادا علی فهم المتفقه وکذا لابد من معرفة عرف زمانه واحوال اهله والتخریج فی ذلک علی استاد ماهر انتهی ص ۲۶ ۵ ، اور اس زمانہ پر فتن میں یہ دونوں باتیں جمع ہونا، یعنی کسی ایک شخص میں تدین کامل و مہارتِ تامہ کا اجتماع نایاب ہے اس لئے اس زمانے میں اطمینان کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ کم از کم دو چار محقق علماءِ دین کسی امر میں ضرورت کو تسلیم کر کے مذہبِ غیر پر فتوی دیں، بدون اسکے اسمیں اقوالِ ضعیفہ اور مذہب غیر کو لینے کی اجازت دی جائے تو اسکا لازمی نتیجہ ہدم مذہب ہے۔ کما لا یخفی (الحیلة الناجزہ ص ۱۴)

(۲) نفسانی حیلہ سے کسی مسئلہ کو چھوڑ کر دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرنا حرام اور ناجائز ہے اسلئے اس سے متعلق جو شاہ صاحب نے "بڑی بات ہے" فرمایا ہے اسکا مطلب بھی حرام و ناجائز ہی ہے مکروہ وغیرہ نہیں،

(۳) عوام کا تو کیا پوچھنا ہر عالم کو بھی ضرورت کے وقت مذہب غیر پر فتوی اور عمل کی اجازت نہیں۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

السبک الفرید ــــــــ

قال حکیم الامۃ قدس سرہ العزیز

"ضرورتِ شدیدہ اور ابتلاء عام کے وقت حنفیہ کے نزدیک دوسرے ائمہ کے مذہب کو اختیار کرکے اس پر فتوی دیدینا بھی جائز ہے لیکن عوام کو خود اپنی رائے سے جس مسئلے میں چاہیں ایسا کرلینے کی اجازت نہیں بلکہ بڑی احتیاط کی ضرورت ہے وذلک لما صرح بہ العلامۃ الشامی فی رسالتہ شرح المنظومۃ فی رسم المفتی، اور اس زمانے میں احتیاط اس طرح ہوسکتی ہے کہ جب تک محقق ومتدین علماء کرام میں سے متعدد حضرات کسی مسئلہ میں ضرورت کا تحقق تسلیم کرکے دوسرے امام کے مذہب پر فتوٰی نہ دیں اس وقت تک ہرگز اپنے امام کے مذہب کو نہ چھوڑے کیونکہ مذہب غیر کو لینے کے لئے یہ شرط ہے کہ اتباع ہوٰی کی بناء پر نہ ہو بلکہ ضرورت داعیہ کی وجہ سے ہو" (الحیلۃ الناجزۃ ص۶۲) فقط واللہ تعالی اعلم

رشید احمد

۱۲ ربیع الاول ۹۶ھ

بسم الله الرحمن الرحيم

وما توفيقي إلا بالله عليه توكلت وإليه أنيب

الهدايات المفيدة
لتنزيه
المدارس من العلوم الجديدة

الهدايا المفيدة

تاریخ تالیف ——— ۱۸ ربیع الاول ۱۳۸۹ھ
سن اشاعت ——— ۱۳۹۸ھ

عرصۂ
دراز
سے

مُختلف حلقوں کی طرف سے یہ سُوال اُٹھایا جا رہا ہے کہ مدارسِ دینیہ کے نصاب میں دُنیوی تعلیم بھی شامل کی جائے بعض دینی مدارس اس میں مُبتلا ہو بھی چُکے ہیں۔

اس رسالہ میں عقلِ سلیم اور ذاتی مُشاہدات و تجربات کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے کہ یہ اقدام مدارسِ دینیہ کے لئے تباہ کُن ہے، اور اس کے صحیح طریقِ کار کی نشاندہی کی گئی ہے۔

مکتبہ فاروق

مدارسِ دینیہ میں دُنیوی تعلیم دینا

سوال : کسی دارالعلوم کے طلبہ کو علومِ مقصودہ کے ساتھ مولوی فاضل اور ایم اے کرانا اور ضمناً و تبعاً ان کو دینی ماحول میں دیندار اساتذہ کے ذریعہ انگریزی زبان پڑھانا اور بعض علوم جدیدہ جیسے عالمی جغرافیہ، سائنس، فلسفہ و جدید نفسیات اور شہریت و عمران پڑھانا جائز خدمتِ خلق و رضاءِ حق کا ذریعہ ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

دیندار ماحول میں اور دیندار اساتذہ کی نگرانی میں علومِ جدیدہ کی تحصیل بنیت خدمتِ خلق و رضاءِ حق بلاشبہہ موجبِ اجر ثواب ہے مگر مدارسِ دینیہ میں ان علوم کا اجرا بتجربہ سے مضر ثابت ہوا ہے۔ اوّلاً اس لئے کہ بعض مدارس دینیہ میں علومِ جدیدہ کو تبعاً وضمناً جاری کیا گیا مگر چند روز ہی میں وہ مدرسہ سوائے علمِ دین کے باقی سب فنون کا مرکز بن گیا اور علمِ دین برائے نام رہ گیا، اور پھر چند ایام کے بعد علمِ دین کا نام بھی ختم ہوگیا اس کی بہت سی نظائر ہمارے سامنے موجود ہیں اس صورت میں مدرسہ کی زمین، عمارت اور متعلقہ سامان جو تعلیمِ دین کے لئے وقف تھا قیامت تک تعلیم دنیا اور بالواسطہ یا بلا واسطہ ہدمِ دین کے لئے استعمال ہوگا جسکا سارا وبال خشتِ اوّل رکھنے والے پر ہوگا، بالفرض ہدمِ دین کا باعث نہ بھی بنے تو بھی جو وقف علمِ دین کے لئے مخصوص تھا اسے علمِ دُنیا کے لئے مخصوص کردینے اور ہمیشہ کے لئے جہتِ وقف کے بدل دینے کا عذاب تو بہر کیف ہوگا، ثانیاً اگر بالفرض کسی مدرسہ دینیہ میں علمِ دین ہی غالب رہے تو اس استعداد کے طلبہ کہاں سے لائے جائیں گے جو علومِ دینیہ و دنیویہ دونوں میں مہارت حاصل کرسکیں۔ جب ان علومِ دینیہ میں استعداد حاصل کرنے والوں کی تعداد ایک فیصد سے زیادہ نہیں، اور علومِ جدیدہ کے طلبہ کا معیار تو اس سے بھی زیادہ گرا ہوا ہے، ثالثاً اگر بفرضِ محال لاکھوں میں سے کوئی ایک آدھ فرد دونوں علوم کا ماہر ہو بھی جائے تو کیا وہ علمِ دین کی کوئی خدمت کرے گا؟ حاشا وکلاّ اسے تو دُنیوی ہوس اور حبِّ مال وجاہ نہ صرف یہ کہ خدمت علمِ دین کا موقع نہیں دیتی بلکہ اس سے متنفر کردیتی ہے۔ چنانچہ اس کی کوئی نظیر پیش نہیں کیجا سکتی کہ دونوں قسم کے علوم میں کوئی ماہر فرد دین کی کوئی بنیادی معتد بہ خدمت کررہا ہو یہ صحیح ہے کہ ایسا آدمی اگر اخلاص سے دنیوی خدمت کرے تو وہ بھی باعثِ اجر ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ اگر اسے علومِ دنیویہ کی تعلیم نہ

دی جاتی تو وہ دین کی خدمت کرتا علومِ دنیویہ کی تعلیم نے اسے خدمتِ دین سے محروم کردیا پھر اس کے دعوائے اخلاص میں بھی شبہہ ہوتا ہے کہ حقیقت کا کچھ ذرّہ بھی ہے یا کہ محض نفسانی کید ہے اگر واقعی رضائے الٰہی مقصود ہوتی تو قدرت خدمتِ دین ہوتے ہوئے خدمت علومِ دنیویہ کو کیوں اختیار کیا؟ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ طلبِ مال وجاہ کے سوا کچھ مقصود نہیں۔ مشاہدہ ہے کہ عموماً ایسے حضرات کے قلب سے عمل کا اہتمام مٹ جاتا ہے بلکہ بیشتر کے تو نظریات بھی تبدیل ہوجاتے ہیں غرضیکہ مدارسِ دینیہ میں اگر ان علومِ جدیدہ کو ذرا سی بھی جگہ دی گئی تو خطرہ ہے کہ چند سال کے بعد ایک فرد بھی خدمتِ دین کرنیوالا نہ ملیگا اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائیں آمین۔

لہٰذا مدارسِ دینیہ کو برباد کرنے کی بجائے کالجوں کی اصلاح کی طرف توجہ کرنا چاہیئے، وہاں اساتذہ دیندار متعین کیے جائیں اور ماحول کو دیندار بنانے کی کوشش کی جائے، نصاب میں علمِ دین کا معتد بہ حصّہ رکھا جائے، مدارسِ دینیہ میں اگر قدیم نصاب محنت سے پڑھا پڑھایا جائے تو سوائے انگریزی زبان کے باقی تمام فنون دنیویہ میں بھی کالجوں کے طلبہ سے زیادہ استعداد پیدا ہوجاتی ہے چنانچہ فنون قدیمہ میں کچھ سوجھ بوجھ رکھنے والے بعض ایسے افراد ابتک بھی موجود ہیں کہ علومِ جدیدہ میں مہارت کے مدعی ان کے سامنے طفلِ مکتب معلوم ہوتے ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ حساب، اقلیدس (جیومیٹری) اور ہیئت وغیرہ ضروری علوم کو مدارسِ دینیہ سے اس طرح خارج کردیا گیا ہے کہ گویا یہ اُن کے نصاب میں کبھی داخل ہی نہ تھے، حقیقت یہ ہے کہ ان علوم کے سوا علمِ دین کی تکمیل ہی ناممکن ہے۔ اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو علومِ جدیدہ کوئی چیز ہی نہیں یہ سب علومِ قدیمہ ہی کا چربہ ہے وہ بھی ناقص اور نامکمل، انہی علوم قدیمہ کے نام جدید تجویز کردیئے گئے ہیں یا پھر متجددین مصنّفین نے کتبِ جدیدہ لکھ ڈالی ہیں جن میں علوم وہی قدیم ہیں اس جدید نام اور متجددیا کا فرملحد مصنّف کی جدید تصنیف کا طبائع پر بُرا اثر پڑتا ہے۔

غور فرمائیے کہ ہدایہ کے پڑھنے والے اور ہدایہ کا انگریزی ترجمہ "محمڈن لا" پڑھنے والے عمل اور سلامت طبع ونظر وفکر میں برابر ہوسکتے ہیں؟ یہ فرق "محمڈن لا" کو ہدایہ کا ترجمہ سمجھتے ہوئے ہے تو جہاں تصانیف کو مستقل بلکہ تحقیقِ جدید اور مصنف کو ترقی یافتہ قوم کا ہیرو سمجھا جائے اور ذہن اس سے اتنا مرعوب ہو کہ اس کی کسی تحقیق کو بنظرِ تنقید دیکھنا جرمِ عظیم ہو اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات میں تو معاذ اللہ شبہات پیدا ہوں، مگر مغربی مصنّف کی کسی بات میں شبہہ کی کوئی گنجائش نہ ہو تو ظاہر ہے کہ ایسے علوم حاصل کرنیوالوں کا انجام کیا ہوگا۔

الھدایات المفیدۃ ——— ۴

بیان مذکور سے بعض حضرات کے اس قیاس کا جواب بھی ہوگیا جو فرماتے ہیں کہ متقدمین بھی تو سرکاری زبان اور علوم دنیویہ پڑھتے پڑھاتے تھے اور ان میں مہارت رکھتے تھے، سو واضح ہو کہ متقدمین کی سرکاری زبان ایک مسلم قوم کی زبان تھی اور فنون کی کتب کے مصنفین بھی مسلمان تھے اور اساتذہ بھی، اور وہ خودداری وخوداعتمادی اور جمیع علوم وفنون میں سبقت وامتیاز کے اتنے اونچے مقام پر تھے کہ انہیں پوری دنیا کی اقوام ہیچ نظر آتی تھیں اس لئے ان پر سرکاری زبان سیکھنے یا دنیوی علوم و فنون حاصل کرنے میں کوئی خراب اثر پڑنے کا کوئی امکان نہ تھا وہ سرکاری زبان اور دنیوی علوم کو اپنے گھر کی چیز سمجھتے تھے۔ آج کے مسلمان کی طرح اغیار بلکہ ارباب کی دریوزہ گری اور جبین سائی کا تصوّر نہ رکھتے تھے بلکہ اسکے برعکس وہ پوری دنیا کے لئے چشمۂ فیض تھے دنیا بھر کی اقوام ان کے آستانوں سے بھیک مانگ کر آج ترقی کا ڈھنڈورا پیٹ رہی ہیں۔ غرضیکہ متقدمین کے لئے سرکاری زبان اور علومِ دنیویہ میں مہارت خودداری وخوداعتمادی اور تفوق واستغناء کا باعث تھی، اسکے برعکس سوئے قسمت سے آجکل انہی علوم کی بطرزِ جدید تعلیم ذہنی پستی اور اغیار کی غلامی واحتیاج کو قلب میں مکمل طور پر راسخ کر رہی ہے اور مسلمانوں کی گردن کو احسانِ اغیار کے بارِ عظیم سے اس طرح دبائے ہوئے ہے کہ ان کو اس سے نجات دلانے کیلئے کوئی نسخہ بھی کارگر نہیں ہو رہا۔ اسی غلامانہ ذہنیت اور احساسِ کمتری کا یہ کرشمہ ہے کہ پانچویں صدی کے مسلمان ابوریحان بیرونی سے استفادہ کرکے تو اغیار چاند اور زہرہ پر پہنچ رہے ہیں جسکا روس نے اعتراف کیا ہے مگر آج کے مسلمان ماہرین فلکیات دوسروں کی نقل میں بھی فحش غلطیاں کر رہے ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں یہ حیرت انگیز انکشاف ہوا کہ گرینچ کی شاہی رصد گاہ نے روشنی کی ابتداء کا جو وقت بتایا ہے اُسے پاکستان وہندوستان کے ماہرین فلکیات صبح صادق قرار دیکر اسکے مطابق جنتریاں مرتب کرکے ملک بھر میں شائع کر چکے ہیں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ متقدمین علومِ دنیویہ میں مہارت حاصل کرنیکے بعد بھی تقویٰ اور زہد کی بدولت نہ خدمتِ علم دین سے غافل ہوتے تھے اور نہ ہی انہیں کوئی عملی کوتاہی واقع ہوتی تھی، نظریاتی تبدیلی تو درکنار انمیں سے اکثر ہر قسم کی مہارت رکھنے کے باوجود فقر وفاقہ کے عالم میں بھی خدمتِ دین میں مشغول رہتے تھے اور اسی کو سعادت سمجھتے تھے۔ اور بعض نے دنیوی ترقی کی بھی تو بڑے بڑے مناصبِ جلیلہ پر فائز ہونے اور مقربین سلاطین ہونیکے بعد بھی انکے اعتقاد وعمل اور خدمتِ دین میں کوئی نقص نہ واقع ہوا بلکہ اس جاہ ومال کو مزید خدمتِ دین کا ذریعہ بنا کر دنیا کو بھی دین بنا دیا گیا اسکے برعکس آجکل ہوس اور حبِ مال وجاہ کا اسقدر غلبہ ہے کہ علومِ دنیویہ بطرزِ جدید حاصل کرنیکے بعد خدمتِ علمِ دین کا تصوّر بھی

ناممکن ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مدارسِ دینیہ میں علومِ دنیویہ خصوصاً حساب، ہیئت اور اقلیدس کی تعلیم اشد ضروری ہے مگر کتبِ قدیمہ کے ذریعہ، صرف اساتذہ کتب جدیدہ کا مطالعہ کریں کوئی کام کی بات پائیں تو طلبہ کو اس طریق سے سمجھائیں کہ کتبِ جدیدہ اور انکے مصنفین کا تفوق انکے ذہن میں نہ آنے پائے، اگر کتبِ قدیمہ ناکافی ہوں تو علماء دین جدید تصنیف کریں، اس سے بھی زیادہ ضروری یہ ہے کہ طریق تعلیم کی اصلاح کریں زیادہ کتابیں پڑھانے کی بجائے تمرین (عملی مشق) زیادہ کرائی جائے کسی کالج کے تعلیم یافتہ کی تصنیف خواہ وہ کتنا ہی صالح اور متقی کیوں نہ ہو طلبہ کے اذہان پر یہ اثر ضرور ڈالے گی کہ انھیں یہ علوم مغرب سے ملے ہیں، ان علوم کو اگر بذریعہ کتب جدیدہ مدارسِ دینیہ میں لایا گیا تو ایک طرف تو انکی اور اُنکے مصنفین کی خباثت کا بہت بُرا اثر پڑیگا اور اسکے ساتھ ساتھ نصرانیت سے ذہن مرعوب ہوگا اور دوسری طرف یہ نقصان ہوگا کہ غلبہ ہوس کی وجہ سے یہ لوگ عصری امتحانات دیکر خدمتِ دین کی بجائے حکومت کی ملازمت اختیار کریں گے جس میں خدمتِ دین سے حرمان کے علاوہ عملی و اعتقادی خرابیاں بھی عموماً پیدا ہوجاتی ہیں، اگر خدانخواستہ سب مدارس دینیہ نے یہ کارِ خیر شروع کردیا اور اپنا نیم پختہ مال سرکاری دفاتر اور دُنیوی منڈیوں میں بھیجنا شروع کردیا تو آئندہ علمِ دین کا کوئی مدرس پیدا ہونے کی کوئی توقع نہ رکھنا چاہیئے اور علمِ دین کو صرف چند روزہ مہمان ہی سمجھنا چاہیئے، ممکن ہے کہ قربِ قیامت میں رفعِ علمِ دین کا سبب یہی نظریہ بننے والا ہو، اللہ تعالیٰ ہمیں یہ وقت نہ دکھائیں، آمین۔ انگریزی زبان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسکے سیکھنے سے علماء دین کی خدمت زیادہ کرسکتے ہیں، یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ کونسا مسئلہ ہے جسکا حل انگریزی زبان پر موقوف ہے جبکہ مخالف وموافق ہر قسم کی کتب کے دفاتر اُردو میں موجود ہیں، اگر اسکا خدمتِ دین میں معین ہونا تسلیم بھی کرلیا جائے تو دیکھنا یہ ہے کہ اسکا کوئی مصداق بھی دنیا میں موجود ہے یا نہیں۔ اگر آپ اسکا جائزہ لیں کہ کیا کوئی انگریزی خواندہ عالمِ دین کی کوئی بنیادی خدمت کررہا ہے تو یقیناً اسے کالعدم ہی پائیں گے، اس سے میرا مقصود یہ ہرگز نہیں کہ انگریزی زبان سیکھنا ناجائز ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ دین کی کوئی خدمت اس پر موقوف نہیں، لہٰذا علماءِ دین کے لئے انگریزی زبان سیکھنا بے ضرورت اور غیر مفید ہے بلکہ اکثر طبائع کے لئے تو مضر ہے، آخر میں پھر گزارش ہے کہ مدارسِ دینیہ کو مسموم اور مولویوں کو مسٹر بنانیکے بجائے کالجوں کی اصلاح اور مسٹروں کو صحیح مسلمان بنانے پر پوری قوت صرف کرنا چاہیئے۔ فقط واللہ العالم

۱۸ ربیع الاوّل سنہ ۸۹ھ

بسم الله الرحمن الرحيم

إنّ الله يأمركم أن تؤدّوا الأمٰنٰت إلى أهلها

الكلام البديع

في

أحكام التوزيع

كتبه فاروق

الکلام البدیع

تاریخ تالیف ——— ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ

سنِ اشاعت ——— ۱۳۹۸ھ

عنوان:

- چندہ کی رقم کے احکام
- کیا چندہ کی رقم صرف ہونے تک معطی ہی کی مِلک رہتی ہے؟
- چندہ کی رقم پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟
- کیا معطی کے انتقال کی صورت میں اس رقم میں وراثت جاری ہوگی؟
- کیا معطی کو اپنی رقم واپس لینے کا اختیار رہے؟
- مدِّ زکوٰۃ کو دوسرے مصارف میں لگانے کے لئے مروّجہ حیلوں کی حقیقت

کتبہ فاروقی

چندہ کی رقوم کے احکام

سوال : مدارسِ دینیہ میں صدقاتِ واجبہ اور عطیات کی جو رقم جمع ہوتی ہے اس پر سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ فرض ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

بعض علماء کا خیال ہے کہ چندہ کی رقم جب تک صرف نہیں ہو جاتی اس وقت تک وہ معطی ہی کی ملک میں رہتی ہے اس بنا پر ان رقوم سے متعلق اشکالاتِ ذیل حل طلب ہیں۔

(۱) ان رقوم پر حولانِ حول کے بعد زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟

(۲) اگر زکوٰۃ فرض ہے تو اسے ادا کرنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ جبکہ ان کے مالکوں کا کچھ علم نہیں، اس لئے کہ اوّلاً تو چندہ دینے والوں کی فہرست بہت طویل ہوتی ہے جن میں سے بیشتر کا پتہ لگانا مشکل ہوتا ہے پھر چندہ کی سب رقوم ایک جگہ جمع ہوتی ہیں اور حسبِ موقع خرچ ہوتی رہتی ہیں، اس صورت میں یہ معلوم کرنا ناممکن ہے کہ اس میں کس شخص کی کتنی رقم ہے۔ کسی نے پچاس برس پہلے رقم دی تو ابتک اسکی بھی شرکت چلی آتی ہے اور آئندہ بھی یہ شرکت جاری رہے گی۔

(۳) چندہ دینے والوں میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو اسکے چندہ کی رقم اس کے ترکہ میں داخل ہوگی۔ لہٰذا ادارِ وصیت و قرض اور وارثوں کے حقوق اس سے متعلق ہونگے، وارثوں میں نابالغ اور مجنون بھی ہو سکتے ہیں جو ابراء و تبرع کے اہل نہیں۔ پس اس رقم کو واپس کرنا فرض ہوا اور یہ ۲ میں مذکورہ وجوہ سے ناممکن ہے۔

(۴) ہر چندہ دہندہ کو ہر وقت اپنی رقم کے استرداد کا حق ہوگا اور اس پر وہی اشکالات ہونگے جو ۲ میں بیان ہوئے۔

اب ان اشکالات کا حل تحریر کیا جاتا ہے۔

صدقاتِ واجبہ کی مدّ میں جمع شدہ رقم پر تو حولانِ حول کے بعد عدمِ وجوبِ زکوٰۃ ظاہر ہے اسلئے کہ اگر یہ رقم اصل مالک ہی کے پاس رہتی اور وہ کسی کو چندہ میں نہ دیتا تو بھی اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوتی حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر کسی کے ذمہ کئی سال کی زکوٰۃ باقی ہو تو سالِ اوّل میں واجب ہونے والی زکوٰۃ کی مقدار کُل مال سے وضع کرکے دوسرے سال باقی کی زکوٰۃ ادا کریگا۔

قال فی التنویر وسببہ ملک نصاب حولی تام فارغ عن دین لہ مطالب من جھۃ العباد وفی الشرح

سواء كان لله كزكوة وخراج ، وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ (قوله كزكوة) فلو كان له نصاب حال عليه حولان فلم يزكه فيهما لا تزكوة عليه فى الحول الثانى (رد المحتار ص۳ ج ۲)

مدِّ عطیہ کی رقوم مہتمم کی تحویل میں دیدینے کے بعد مُعطی کی مِلک سے خارج ہوجاتی ہیں ،

قال فى الهندية رجل اعطى درهما فى عمارة المسجد او نفقة المسجد او مصالح المسجد صح لانه وانﮧ كان لا يمكن تصحيحه تمليكا بالهبة للمسجد فاثبات الملك للمسجد على هذا الوجه صحيح فيتم بالقبض كذا فى الواقعات الحسامية (عالمگیریہ کتاب الوقف باب ۱۱ فصل ۲ ص۴۶۰ ج ۲) وفيها ايضاً متولى المسجد اذا اشترى بمال المسجد حانوتاً او داراً ثم باعها جاز اذا كانت له ولاية الشراء هذه المسألة بناء على مسألة اخرى ان متولى المسجد اذا اشترى من غلة المسجد داراً او حانوتاً فهذه الدار وهذه الحانوت هل تلتحق بالحوانيت الموقوفة على المسجد ومعناه انه هل تصير وقفا اختلف المشايخ رحمهم الله تعالىٰ قال الصدر الشهيد المختار انه لا تلتحق ولكن تصير مستغلا للمسجد كذا فى المضمرات (عالمگیریہ کتاب الوقف باب ۵ ص۴۱۸ ج ۲)

ان عبارات سے ثابت ہوا کہ عطیہ کی رقم معطی کی ملک سے خارج ہوکر مدرسہ کی مِلک ہوجاتی ہے، یہاں ملک بمعنی مختص ہے ورنہ حقیقت ملک غیر ذوی العقول کے لئے غیر معقول ہے ، ان رقوم کی نظیر غلۃ الوقف ہے ۔ پس رقوم عطیہ پر تو کوئی اشکال نہ رہا ، جب معطی کی مِلک ختم ہوگئی تو نہ وجوبِ زکوٰۃ کا سوال رہا نہ استرداد کا اور نہ ہی موت معطی کی صورت میں پیدا ہونے والے اشکالات رہے جس طرح معطی پر اس کی زکوٰۃ واجب نہیں اسی طرح مہتمم مدرسہ پر بھی اس سے زکوٰۃ نکالنا واجب نہیں لما مر انها بمنزلة غلة الوقف ،

اب صرف رقوم صدقہ میں استرداد اور موت متصدق پر وارد ہونے والے اشکالات رہ جاتے ہیں ، سو غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رقوم بھی مہتمم مدرسہ کی تحویل میں آنے کے بعد اصل مالک کی ملک سے خارج ہوجاتی ہیں اس لئے کہ اس حکم میں عطیہ صدقہ میں کوئی فارق ظاہر نہیں ، البتہ اس رقم کے مستحقین کو مالک بنانے سے قبل زکوٰۃ ادا نہ ہوگی ، خروج عن الملک ادا زکوٰۃ کو مستلزم نہیں ، مثلاً کسی نے دوسرے کو قرض دیکر یہ کہا کہ یہ رقم مجھے واپس کرنے کی بجائے میری طرف سے کسی مسکین کو بذکوٰۃ میں دیدیں اس صورت میں قرض دینے سے مُقرض کی مِلک ختم ہوگئی مگر ابھی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی ۔ غرضیکہ جس طرح مدِّ عطیہ مختص للمدرسہ ہوجانے کی وجہ سے معطی کی ملک سے خارج ہوجاتی ہے

ﮧ وفى بعض النسخ وان كان لا يمكن تصحيحه وقفا يمكن تصحيحه تمليكا بالهبة للمسجد واثبات الخ ۱۲ منه

اسی طرح مدّ صدقہ بھی مختص للمدرسہ ہے اگرچہ اسکے ایک خاص شعبہ کے لئے ہے ۔

غرضیکہ مدّ صدقہ بھی مالک کی ملک سے خارج ہو جاتی ہے اسلئے مدّ عطیہ کی طرح رقم صدقہ کے استرداد کا بھی حق نہ رہے گا اور موت متصدق کا اس پر بھی کوئی اثر نہ ہوگا، معہذا مزید احتیاط کے لئے مدّ صدقہ کی رقوم کو بذریعہ تملیک مدّ عطیہ میں شامل کرلیا جائے تو بہتر ہے، تملیک کی صحیح صورت یہ ہے کہ کوئی فقیر مہتمم کی ضمانت پر قرض لیکر مدرسہ کو عطیہ دے اور مہتمم مدّ زکوٰۃ سے اسکا قرض ادا کردے، عام طور پر جو حیلہ مروّج ہے وہ صحیح نہیں۔

بعض حضرات یہ تاویل کرتے ہیں کہ مہتمم طلبہ کا وکیل ہے لہٰذا مہتمم کے قبضہ میں آنیوالی رقوم خواہ عطیات ہوں یا صدقات معطی کی ملک سے نکلکر طلبہ کی ملک میں داخل ہو جاتی ہیں، یہ خیال بوجوہ ذیل باطل ہے

(۱) معطی کی نیت طلبہ کو مالک بنانے کی نہیں ہوتی بلکہ مجموعی طور پر دینی ادارہ پر خرچ کرنیکی نیت ہوتی ہے طلبہ کو بھی یہ علم نہیں ہوتا کہ وہ مدرسہ کے پورے خزانے کے مالک ہیں۔

(۲) جب اتنی رقم جمع ہو جائے کہ مجموعہ طلبہ پر تقسیم کرنے سے ہر شخص کا حصّہ بقدرِ نصاب ہو جائے تو اسکے بعد مہتمم کے لئے کسی سے مزید رقم مدرسہ کے لئے لینا جائز نہ رہے گا بلکہ حولانِ حول کے بعد ہر طالبِ علم پر زکوٰۃ فرض ہو جائے گی اور معطی کو اسکا علم ہونیکے باوجود اسنے زکوٰۃ دی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، قال فی العلائیۃ ولو خلط زکوٰۃ موکلیہ ضمن وکان متبرعا الا اذا وکلہ الفقراء، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ اذا وکلہ الفقراء) لانہ کلما قبض شیئا ملکوہ وصار خالطا مالہم بعضہ ببعض ووقع زکوٰۃ عن الدافع لکن بشرط ان لا یبلغ المال الذی بید الوکیل نصابا فلو بلغہ وعلم بہ الدافع لم یجزہ اذا کان الاٰخذ وکیلا عن الفقیر کما فی البحر عن الظہیریۃ، قلت وھذا اذا کان الفقیر واحدا فلو کانوا متعددین لابد ان یبلغ لکل واحد نصابا لان ما فی ید الوکیل مشترک بینہم فاذا کانوا ثلاثۃ وما فی ید الوکیل بلغ نصابین لم یصیروا اغنیاء فتجزی الزکوٰۃ عن الدافع بعدہ الی ان یبلغ ثلاثۃ انصباء (ردالمحتار ص۱۲ ج۲)

(۳) ہر طالبِ علم کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ جب چاہے مہتمم کی وکالت ختم کرکے اپنے حصّہ کی رقم کا مطالبہ کرے خصوصاً جب وہ مدرسہ چھوڑ کر جا رہا ہو۔

(۴) طالبِ علم کے انتقال پر اسکے حصّہ کی رقم اسکے ترکہ میں داخل ہوگی۔

(۵) مہتمم، اساتذہ اور مدرسہ کا پورا عملہ طلبہ کے تنخواہ دار ملازم ہونگے، اس نظریہ کے مطابق نہ تو مدرسہ کا نظم صحیح رہ سکتا ہے اور نہ ہی طلبہ کی صحیح تربیت ہوسکتی ہے، علاوہ ازیں طلبہ کے قلوب میں اساتذہ ۴۸

کی کیا وقعت ہوگی اور اس علم میں کیا نور ہوگا جو اُستاذ کو نوکر سمجھ کر حاصل کیا گیا ہو۔

یہ اشکالات اسلامی بیت المال پر وارد نہیں ہوتے اسلئے کہ ساعی کے قبضہ میں آنے والا مال اصل مالک کی مِلک سے خارج ہو جاتا ہے مگر فقیر کی مِلک میں داخل نہیں ہوتا، کتبِ فقہ میں اسکی تصریح ہے کہ بیت المال میں فقراء کا حق ہے اور حقِ مِلک عدم حقیقت مِلک کو مستلزم ہے، خروج الشئی عن ملک لا الی ملک کے نظائر موجود ہیں، جیسے وقف، بیع بالخیار اور ترکہ مستغرقہ بالدین۔

بحر زکوٰۃ الغنم کے آخر میں ہے ان الدفع الی المصدق لایزیل ملکہ عن المدفوع، یہ اس صورت میں ہے کہ تمام حول سے قبل زکوٰۃ دی ہو، اس صورت میں ساعی کو ولایت جبریہ حاصل نہیں بلکہ یہ معطی کا وکیل ہے اس لئے فقیر کو دینے سے قبل معطی کی ملک زائل نہیں ہوتی، مہتمم مدرسہ کو بھی اگرچہ ولایت جبریہ نہیں مگر اس میں اور اعطاء ساعی قبل تمام الحول میں یہ فرق ہے کہ اول میں عبارت وقف میں صَرف متعین ہے اور ثانی میں مطلقاً تصدق علی الفقراء مقصود ہے لہٰذا اول بحکم وقف ہونے کی وجہ سے مزیل ملک ہوگا جیسا کہ عالمگیریہ سے عطیۂ مسجد کا حکم گزرا، ثانی بحکم وقف نہیں اس لئے مزیل ملک نہیں،

رہا بیت المال پر یہ اشکال کہ بدون تملیکِ فقیر زکوٰۃ ادا کرنا کیسے صحیح ہو جاتا ہے؟

اسکا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ بیت المال میں خلافِ قیاس حقِ مِلک کو حکماً حقیقتِ مِلک قرار دیدیا گیا ہے جیسے کہ دَینِ قوی میں حقِ ملک کو حقیقتِ مِلک قرار دیکر دائن پر وجوبِ زکوٰۃ کا حکم دیا جاتا ہے۔

مدارس کے خزانے کو بیت المال پر قیاس کرنا صحیح نہیں، اسلئے کہ یہ خلافِ قیاس ہونیکی وجہ سے اپنے مورد پر منحصر رہے گا، علاوہ ازیں یہاں تو وجہ القیاس ہی موجود نہیں سلطان کی ولایت جبریہ عامہ پر مہتمم کی وکالتِ اختیاریہ خاصہ کو قیاس کرنیکا کوئی جواز نہیں، شامیہ کی گزشتہ عبارت "لانہ کما قبض شیئاً ملکوہ لہ" سے بھی ثابت ہوا کہ وکالتِ اختیاریہ ولایتِ جبریہ کے حکم میں نہیں۔ وجہ الفرق یہ ہے کہ اخذ زکوٰۃ کی ولایت جبریہ میں نفس اخذ ہی سے صحت زکوٰۃ کا حکم نہ لگانے میں حرج عظیم ہے۔

حاصل یہ کہ مدارس کی رقوم صرف خروج عن ملک المعطی میں بحکم بیت المال ہیں، اداءِ زکوٰۃ میں بحکم بیت المال نہیں، اس لئے بدون تملیکِ مستحقین زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اور مدرسہ کی دوسری ضروریات میں خرچ کرنا جائز نہ ہوگا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۴ ذی الحجہ ۹۵ھ

نظر ثانی؛ خزانہ مدرسہ بحکم بیت المال ہے، اس میں مالِ زکوٰۃ داخل ہونے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، معہٰذا تملیکِ طلبہ کے سوا کسی دوسرے مصرف میں لگانا جائز نہیں، تفصیل تتمہ میں ہے، ۲۰ ذیقعدہ ۱۴۰۴ھ

الکلام البدیع ———— ۶

بسم الله الرحمن الرحيم

وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ

صِيَانَةُ العُلَماء

عَنِ الذُّلِّ عِنْدَ الأغنِيَاء

كتبة فاروقي

صیانۃ العلماء

سنِ تالیف ________ سنہ ۱۳۹۶ھ

سنِ اشاعت ________ سنہ ۱۳۹۸ھ

اس دور میں دینی اقدار کے سقوط کا ایک نہایت ہی دردناک سانحہ یہ بھی ہے کہ دینی کاموں بالخصوص دینی مدارس کے لئے چندہ کرنے کا عام دستور یوں چل پڑا ہے کہ مدارس کے سفیر اہلِ ثروت کی دکانوں اور مکانوں پر جاجا کر خوشامد، تملّق اور الحاح و اصرار کے ساتھ دستِ سوال دراز کرتے ہیں، اہلِ ثروت ان کو ذلت کی نظر سے دیکھتے ہیں، بلکہ بسا اوقات ان کے لئے نازیبا الفاظ استعمال کرکے ان کی تذلیل کرتے ہیں، جو درحقیقت دینِ اسلام کی تذلیل ہے، یہ اتنا بڑا المیہ ہے کہ اس کے تصوّر سے بھی شرم سے آنکھیں جھک جاتی ہیں، اور دل پر آرے چلنے لگتے ہیں، دین اور علماءِ دین کی اس تذلیل و توہین میں اہلِ مدارس اور اہلِ ثروت دونوں برابر کے مجرم ہیں،

اس رسالہ میں ان دونوں طبقوں کے لئے صراطِ مستقیم کی ہدایت ہے، اللہ کرے کہ ایک عاجز کی درد میں ڈوبی ہوئی آواز کسی دل میں اتر جائے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو فکرِ آخرت عطا فرمائیں، آمین،

چندہ مانگنے کا مروّجہ طریقہ جائز نہیں

سوال: آجکل عام طور پر دینی مدارس میں یہ دستور ہوگیا ہے کہ چندہ کرنے کے لئے مستقل سفیر رکھے جاتے ہیں جو مختلف لوگوں سے ملاقات کرتے ہیں لوگوں کے مکانوں اور دکانوں پر پہنچتے ہیں، اور ان میں سے بیشتر کچھ نہ کچھ وصول کرنے کے لئے بیحد اصرار کرتے ہیں، بالخصوص ماہِ رمضان میں دینی مدارس کے سفیروں کی ٹولیاں نظر آتی ہیں جن کے خوف سے اکثر دکاندار پردہ میں چھپ کر بیٹھتے ہیں، کیا چندہ کرنیکا یہ طریقہ شرعاً درست ہے، حالانکہ یہ ایک قسم کا جبر ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مدارسِ دینیہ کے لئے آجکل چندہ کرنے کا جو طریقہ مروّج ہے جس کی قدرے تفصیل سوال میں لکھی گئی ہے یہ قطعاً ناجائز ہے، دینی کام کرنے والوں کو مستغنی رہنا چاہیئے استغناء اور دین کی عظمت کو برقرار رکھتے ہوئے از خود جتنی رقم کا انتظام ہوجائے اُسی قدر کام پر اکتفاء کریں۔ اور اگر چندہ کرنا ہی ہے تو عام خطاب کی گنجائش ہے۔ خاص خطاب ہرگز جائز نہیں، بعض دفعہ عام خطاب بھی بحکم خطاب خاص ہوتا ہے وہ اس صورت میں کہ عام مجلس میں کچھ خواص موجود ہوں، جو اس عام خطاب کے بعد کچھ رقم نہ دینے میں عار محسوس کرتے ہوں، تو یہ صورت بھی بحکم خطاب خاص ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔ خطابِ عام میں بھی زیادہ الحاح و اظہارِ احتیاج درست نہیں، بلکہ استغناء کے ساتھ اظہار مصرف پر اکتفاء کرنا چاہیئے۔

آجکل ایک عام دستور یہ ہوگیا ہے کہ اہلِ خیر کو کسی بہانے سے کہیں جمع کر کے ان سے رقم کا مطالبہ کیا جاتا ہے یہ طریقہ انفرادی طور پر کسی سے کچھ سوال کرنیکی بہ نسبت بھی زیادہ قبیح ہے۔ اس صورت میں مجمع میں رُسوائی سے بچنے کے لئے بادلِ نخواستہ چندہ دینا پڑتا ہے جو بلاشبہ جبر ہے اس لئے یہ طریقہ بالکل ناجائز اور حرام ہے۔

اگر کوئی شخص انفرادی طور پر کسی سے چندہ مانگتا ہے تو اُنکے آپس میں تعلق کی تین قسمیں ہیں (۱) وجاہت (۲) محبّت (۳) اجنبیت۔ اگر ایسے شخص کے پاس چندہ کرنے کے لئے گیا کہ جس پر اُس کی وجاہت کا اثر ہے خواہ وہ دینی مرتبہ کی وجہ سے ہو یا دُنیوی مال و دولت یا منصب کی بناء پر، یہ صورت ناجائز ہے اس لئے کہ اسمیں چندہ دہندہ جانے والے کی وجاہت سے متأثر ہوکر بادلِ ناخواستہ رقم دیتا ہے جو حلال نہیں لقولہ علیہ السلام لایحل مال امرئ مسلم الا بطیب

نفسہ (مسند الامام احمد رحمہ اللہ)

اور اگر بغیر کسی خاص تعلق اور رابطہ کے چندہ کرنے جاتا ہے تو اس میں اپنی توہین ہے اور اس سے بھی بڑھ کر اسلام کی توہین ہے اس لئے یہ بھی ناجائز ہے، باقی صرف محبت کا تعلق رہ گیا اسکی دلیل یہ ہے کہ آپس میں اسقدر بے تکلفی ہو کہ جس سے چندہ طلب کیا گیا وہ اپنی کسی مصلحت کی بنا پر چندہ نہ دینا چاہے تو اسے انکار کرنے میں ذرا بھی تکلف اور ندامت نہ ہو، اور اسکے انکار کرنے پر طلب کرنے والے کو ذرا بھی ناگواری نہ ہو، حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسی قسم کا تعلق محبت تھا، احادیث میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی کو کوئی مشورہ دیا انھوں نے قبول نہیں کیا نہ ان صحابی کو انکار کرنے میں کوئی رکاوٹ محسوس ہوئی اور نہ ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ان کا انکار ناگواری کا باعث بنا، غرضیکہ اس قسم کی بے تکلفی کا تعلق ہو تو چندہ کے لئے خطابِ خاص بھی جائز ہے. مگر آجکل ایسا تعلق عنقاء ہے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ آجکل خطابِ خاص بہرحال ناجائز ہے۔

اہلِ مدارس کی اس بے راہ روی اور دروازوں پر خاک چھاننے کی بنیاد تین چیزوں پر ہے

(۱) کام شروع کرتے ہی اپنے ذہن میں لمبا چوڑا نقشہ مرتب کرلیتے ہیں کہ اتنے طلبہ کے طعام اور قیام کا انتظام کیا جائے گا، اتنے کمرے بنیں گے، اتنی درسگاہیں ہونگی اتنے اساتذہ ہونگے، اتنا بڑا کتب خانہ ہوگا، حتیٰ کہ سنگِ بنیاد رکھنے سے قبل ہی دارالعلوم اور جامعہ جیسے نام تجویز ہو جاتے ہیں اب اتنے بڑے کام کے لئے سرمایہ موجود نہیں ہوتا تو اہل ثروت کے دروازوں پر بھیک مانگتے پھرتے ہیں اور دین کو ذلیل کرتے ہیں۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ ابتداءً مختصر سے کام کی بنیاد رکھی جائے، اسکے بعد جیسے جیسے اسباب پیدا ہوتے چلے جائیں کام کو اسی مقدار سے بڑھاتے جائیں۔ یعنی جتنی رقم اپنی اور دین کی عزت اور وقار کو باقی رکھتے ہوئے استغناء کے ساتھ حاصل ہو جائے صرف اسی قدر کام کا آغاز کیا جائے۔ آگے اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو وہ آپکے اس چھوٹے سے کام کو دارالعلوم اور جامعہ بھی بنا دیں گے، ورنہ انکی مرضی کے مطابق جتنا کام بھی ہوسکے اسی کو غنیمت سمجھا جائے۔ اسکا ظاہراً چھوٹا سا وجود بھی عند اللہ بہت بڑا ہوگا۔

(۲) مدرسہ کو ایسا مقصود بنالیا جاتا ہے کہ اس کی حفاظت و بقاء پر دین کو قربان کردیا جاتا ہے، حالانکہ اصل مقصود دین ہے۔ مدارس حفاظتِ دین کا ذریعہ ہیں۔ پس ذریعہ کی حفاظت پر

مقصود کو قربان کر دینا کتنا بڑا ظلم اور کیسی ناعاقبت اندیشی ہے۔ حدودِ شرع کے اندر اگر مدرسہ نہ چل سکے تو اسے بند کر دیا جائے، ہم اسکے مکلّف نہیں، دیوبند کے ایک بااثر رئیس نے دار العلوم کی مجلسِ شوریٰ کا رُکن بننے کا مطالبہ کیا، حضرت گنگوہی قدس سرہٗ اسے اس لائق نہ سمجھتے تھے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے مشورۃً لکھا کہ اس شخص کو رُکن نہ بنانے میں اس سے فساد کا خطرہ ہے اور رُکن بنانے میں کوئی خطرہ نہیں، کیونکہ اکثریت ہماری ہے۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے جواب تحریر فرمایا کہ اگر عند اللہ مجھ سے یہ سوال ہوا کہ نالائق کو رُکن کیوں بنایا؟ تو اس کا میرے پاس کوئی جواب نہ ہو گا اور رُکن نہ بنانے کی صورت میں زیادہ سے زیادہ یہی ضرر ہو سکتا ہے کہ مدرسہ بند ہو جائیگا میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اسکا یہ جواب دے سکوں گا کہ میں نے تو آپ کے حکم کی تعمیل کی اس پر اگر مدرسہ بند ہو گیا تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں، حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے اس تقویٰ کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ رئیس صاحب مدرسہ کے خلاف چیختے رہ گئے مگر دار العلوم مسلسل حیرت انگیز ترقی پر گامزن رہا۔

(۳) اللہ تعالیٰ پر توکل اور اعتماد کا فقدان، اگر اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد ہوتا اور "انا عند ظن عبدی بی" کے مطابق اللہ تعالیٰ سے حسنِ ظن ہوتا تو اس کریم کے دروازے کو چھوڑ کر دُنیا داروں کے دروازوں پر دھکے نہ کھاتے۔ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ غیب سے وہ معاملہ فرماتے کہ اہلِ ثروت ان کے دروازوں پر ناک رگڑتے۔ افسوس اور تعجب ہے کہ قرآن و حدیث کے پڑھنے پڑھانیوالوں کی نظریں ان تنصروا اللّٰہ ینصرکم ویثبت اقدامکم، ومن یتق اللّٰہ یجعل لہٗ مخرجاً ویرزقہ من حیث لا یحتسب، ومن یتوکل علی اللّٰہ فھو حسبہٗ، ومن یتق اللّٰہ یجعل لہٗ من امرہ یسرًا، ومن یھاجر فی سبیل اللّٰہ یجد فی الارض مراغماً کثیرًا وسعۃً ومن یستغن یغنہ اللّٰہ، ومن یستعفف یعفہ اللّٰہ جیسی نصوص پر کیوں نہیں پڑتیں، اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات ان کے دلوں میں کیوں نہیں اُترتے اور ان قطعی وعدوں پر انکو یقین کیوں نہیں آتا، اور دعا "اللّٰھم اجعلنی ممن توکل علیک فکفیتہ" کی توفیق کیوں نہیں ہوتی،

مرّوجہ طور پر چندہ کرنے کے فسادات و قبائح اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن اور اُن پر توکل و اعتماد کی تعلیم پر حضرت تھانوی قدس سرہٗ کا ایک وعظ "تأسیس البنیان علی تقوی من اللّٰہ ورضوان" ہے۔ نیز حضرت قدس سرہٗ کا ایک رسالہ "التوریع عن فساد التوزیع" بھی ہے جس میں چندہ کرنے کے مفاسد کے علاوہ رقوم چندہ کے مصارف کے مفاسد بھی بیان فرمائے ہیں اہلِ مدارس پر لازم ہے کہ ان دونوں رسالوں کو حرزِ جان بنالیں اور انکے مطالعہ کا معمول ہمیشہ

کے لئے جاری رکھیں۔ اپنے قول اور عمل، استغناء وخودداری سے اہلِ ثروت پر یہ حقیقت واضح کر دیں کہ اللہ کا دین تمہاری اعانت کا محتاج نہیں بلکہ تم محتاج ہو اور تمہاری اپنی ضرورت ہے کہ تمہاری رقوم کسی دینی کام میں لگ جائیں اس لئے اہلِ مدارس پر تمہارا کوئی احسان نہیں بلکہ اہلِ مدارس کا تم پر احسان ہے کہ تمہاری رقوم کو صحیح مصرف پر لگانے کا انتظام کرتے ہیں۔ علمِ دین کا مقام تو بہت بلند ہے کسی عامی مسکین کو صدقہ دینے والے کے بارے میں احیاء العلوم میں مشہور محدث امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نقل فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو ثواب کا اس سے زیادہ محتاج نہ سمجھے جتنا فقیر کو اپنے صدقہ کا محتاج سمجھتا ہے اُس نے اپنے صدقہ کو ضائع کر دیا اور وہ صدقہ اسکے منہ پر مار دیا جاتا ہے مگر یہاں یہ حالت ہے کہ اہلِ مدرسہ چندہ دینے والوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں کتنی بے غیرتی کی بات ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اہلِ ثروت کو اہلِ مدرسہ کا شکرگزار رہنا چاہیئے کہ انکی رقوم قبول کرکے اُن کی حفاظت کرتے ہیں اور صحیح مصرف پر لگاتے ہیں۔

اہلِ ثروت کو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے دین کی حفاظت کے لئے انکے خزانوں کی ضرورت نہیں، ھم الذین یقولون لا تنفقوا علیٰ من عند رسول اللہ حتیٰ ینفضوا وللہ خزائن السمٰوٰت والارض ولکن المنٰفقین لا یفقھون ۝ اگر تم لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے کتراؤ گے تو اللہ تعالیٰ خدمتِ دین کا کام کسی اور سے لے لیں گے۔ وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم، انشاء اللہ تعالیٰ دین کا کام بند نہیں ہوگا اگر بظاہر کوئی مدرسہ بند بھی ہو گیا تو درحقیقت وہ بند نہیں ہوا بلکہ اہلِ ثروت کی بے قدری اور ناشکری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ چشمہ کسی دوسری جگہ منتقل کر دیا ہے اور ان لوگوں کی اصلاح کو کسی دوسری جگہ کے ساتھ وابستہ فرما دیا ہے۔ جیسے کوئی نادان بچہ یا کوئی دیوانہ پھونکوں سے چراغ بجھانا چاہے تو چراغ کو اُٹھا کر کہیں دُور رکھ دیا جاتا ہے، اب کسی کو روشنی کی ضرورت ہو تو چل کر چراغ کے پاس جائے، حکومت نے کسی علاقہ سے انتظامیہ کا دفتر یا ہسپتال اُٹھا دیا تو یہ کام ختم نہیں کر دیا گیا بلکہ وہاں کے باشندوں کی نالائقی کی وجہ سے ان سے قرب کی سہولت اُٹھا کر ان کا انتظام یا علاج دُ کسی مقام سے وابستہ کر دیا ہے۔

علماء کا اہلِ ثروت کے سامنے ہاتھ پھیلانا اور زبان کھولنا تو درکنار کسی گوشۂ قلب میں بھی ان کی طرف میلان نہ پایا جائے، قلبی جھکاؤ کا بھی یہ اثر ہوتا ہے کہ ایسے علماء کی اہلِ ثروت کے قلوب میں عظمت باقی نہیں رہتی۔

دارالعلوم سے ایک منتہی طالب علم خواب کی تعبیر دریافت کرنے میرے پاس آئے، خواب میں دیکھا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ تشریف فرما ہیں، آپ کے سامنے ایک نہایت حسین نوجوان عورت بناؤ سنگار کرکے مزین لباس میں بیٹھی ہوئی ہے اور وہ اپنے کو امام کی بیوی ظاہر کررہی ہے اور خوشامد کررہی ہے کہ امام ایک نظر اس کی طرف دیکھیں مگر امام نہایت استغناء کے ساتھ کسی دینی کام میں مشغول ہیں۔

میں نے ان مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کو تعلیم سے فراغت کے بعد معاش کی فکر رہتی ہے؟ انھوں نے کہا کہ اس فکر میں بعض دفعہ نیند نہیں آتی، میں نے کہا کہ بس اس خواب میں اسی مرض کا علاج بتایا گیا ہے امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ جیسا علم حاصل کرو تو دنیا اپنی تمامتر زیب و زینت کے ساتھ تمہاری ایک نظر کی خواہشمند ہوگی اور تم کہوگے کہ مجھے ضرورت نہیں، علماء اللہ تعالیٰ پر اعتماد بحال کرکے "اتتہ الدنیا وھی راغمۃ"[۵] کا مشاہدہ کریں۔

عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ کے زیرنگیں ایک ریاست کا والی ہندو راجہ تھا وہ مرگیا، اسکا بیٹا نابالغ تھا، عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ اندازہ لگانے کے لئے کہ اس لڑکے میں حکومت کرنیکی صلاحیت ہے یا نہیں اسے طلب کیا، اتفاقاً آپ اسوقت حوض کے کنارے پر تھے، مزاحاً لڑکے کو بازوؤں سے پکڑ کر حوض پر لٹکا کر فرمایا، "چھوڑ دوں"؟ لڑکے نے کہا کہ "جس کا ہاتھ بادشاہ کے ہاتھ میں ہو اسے ڈوبنے کا کیا خوف"؟

ایک بنیئے کے بچے کو ایک مخلوق بادشاہ پر اتنا اعتماد، کاشکہ آج کے مسلمان کو مالک ارض وسماء پر ایسا اعتماد حاصل ہوجائے۔

ایک بہروپیہ کو زاہد کے روپ میں دیکھ کر عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار اشرفی نذرانہ پیش کی مگر اسنے صرف اہل اللہ کی نقل اُتارنے کی غرض سے اسے ٹھکرادیا، کاشکہ اہل ثروت کے دروازوں پر بھٹکنے والی نظریں اس بہروپیہ سے اہل اللہ کی نقل اُتارنے ہی کا سبق حاصل کرلیں۔

فقط واللہ الموفق لمرضیاتہ

۳ جمادی الآخرہ ۱۳۹۶ھ

ہمارے قصبہ میں مسجد کی تعمیر سے متعلق بندہ کے ایک خط کا عکس احباب نے لے لیا اور اسکی اشاعت کی خواہش ظاہر کی۔ موقع کی مناسبت سے آئندہ صفحات پر یہ عکس دیا جاتا ہے اہل مدارس کے لئے اللہ تعالیٰ اسے کحل الجواہر بنائیں۔ آمین۔

---

[۵] پوری حدیث رسالہ کے آخر میں عنوان "تتمہ" کے تحت درج ہے ۱۲ منہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رشید احمد
فون: ۶۱۲۳۳۶۱-۱

کفی بالموت واعظا
نصیحت کے لئے موت کا دھیان کافی ہے۔

ادب الکلام من محبت عشقیہ ملکیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، چند روز قبل نامۂ گرامی موصول ہوا مگر مختصر جواب بھی فی الفور نہ لکھ سکا اور مفصل کی فرصت نہ ملی، آج دو دن کی مصروفیات چھوڑ کر یہ جواب لکھ رہا ہوں، ایام حج میں بھی دعا کی توفیق ملتی رہی،

یا اللہ! ان عاشقین صادقین (حجاج) کے صدقہ، تیری محبت میں مستانہ وار ... کی بدحالی کے صدقہ، ان کی آہ و بکا، ملاوز ... کے صدقہ، اشک ریزی، درد دل و بیقراری کے صدقہ، ان کے نعرۂ عشق کے صدقہ، نعرۂ مستانہ (لبیک) کے صدقہ، ان کی پریشان حالی، پراگندہ بالی، برہنہ سری، عاشقانہ لباس اور غبار آلودگی کے صدقہ ۔

ادھر شور حج ... شکستہ مردے وانگ یتیماں
در تیرے تے کرن گدائی یا وچ حرم کریماں

یا اللہ! ان عشاق کے سوز قلب میں ہمیں بھی حصۂ وافر عطا فرما، آمین

آپ نے فرمایا کہ تحریر سید میں حصہ لینے والے اصحاب کو متوجہ کیا جائے اور صوفی غلام محمد کو بھی پیغام دیا جائے کہ وہ بھی ایسے اصحاب کو متوجہ کریں،

مجھے یقین ہے ..... میں نے کئی بار آپ سے لکھوا دیا ہے "یک بیں" ... کی صحبت نصیب نہیں ہوئی، ورنہ وہ بھی میرے کہنے پر مجبور ہو گئے ع چہ کنم چشم تنگ ہیں بلند ... گلہ ہے،

میں کیسے کہوں صوفی صاحب کو بھی ... یہ پیغام پہنچانے کی ہمت نہیں ہوتی، میرے رب کریم نے آج تک غیر کے سامنے زبان کھولنے سے میری زبان کی حفاظت فرمائی ہے، زبان تو کیا گوشۂ قلب کو التفات غیر کی طرف تحمل نہیں، یہ ورد رہتا ہے

چوں چشم ... رخ بختم سیاہ باد، گر در دلم بر دو جہاں ملک آرم
وانگہ ... خداوند ملک ... شب، من ملک ...

میرے ساتھ میرے رب کریم کا معاملہ یہ ہے کہ جب کبھی کسی چیز کی ضرورت سامنے آئی وہ کسی کو بھیج دیتے ہیں، وہ از خود تحقیق، خوشامد اور لجاجت سے پیشکش کرتا ہے اور میں انکار سے کر رہا ہوں، بعض تو لپٹ کر یوں کہتے ہیں "حضور دست بستہ عرض کرتا ہوں قبول فرمالیں"، میرے انکار سے بعض میرے رب کریم پر مبنی ہیں وہ ... کرتا ہوں، اگر ذرا سی بھی زکی نگاہ کرم بدلے تو میں در در

مسودوں پر دستخط کرانے لگوں اور نہ مجھے دستخط کرنے لگیں سے

تہی دل پر از راز کرن دیکھتا ہوں
تو دل کو پر از جام جم دیکھتا ہوں

ویسے تو دار الافتاء والارشاد کی پوری تاریخ ہی لطائف غیبیہ کا مجموعہ ہے یہ باب تو خاص عجیب ہے جب احسن الفتاوی کی ترتیب جدید کا آغاز ہوا تو یہ طے پایا کہ اس کی طباعت کسی تاجر کے سپرد نہ کی جائے، اس میں تیس چالیس ہزار کا تخمینہ بھی ہو چکا تھا، جو طبع کرنے پر چھاپہ میں ادا کرنے کا انتظام ہو گیا، لیکن اس سے قبل کہ اس کا اظہار کسی سے کیا گیا ہو بلکہ اس کام کے شروع ہونے سے قبل ہی بلکہ ارادہ کرنے سے پہلے ہی بندہ کو اللہ تعالی نے پوری رقم کا انتظام فرما دیا، دینے والوں نے خوشامد کر کر دی اور قبول کرنے پر شکر ادا کیا، اب کتاب کا کام تو بتدریج ہو رہا ہے شاید ابھی مزید دو تین سال لگ جائیں اور رقم پہلے سے اس کام کے لئے مخصوص ہو چکی ہے اس لئے مجھے یہ فکر دامنگیر ہے کہ جلد از جلد اس کو مصرف پر لگا دوں، اہل مدارس کو کتب دیتے وقت قیمت کی فکر رہتی ہے اور بہتا ہی رقم جلد کی صرف کرنے کی فکر میں تمام جلدیں تقسیم کرنے کا ارادہ کسی کو ہو تو رقم لانے کی فکر اور کسی کو ترجیح ہو گی، رقم دینے کی فکر رہی اصول ہے کہ اگر اللہ تعالی نے کسی کو بھیج دیا اور دینے والے خوش ہوں تو ساتھ کچھ رقم بیس کی تو تعمیر مسجد پر لگانے کا مشورہ دیدیا جاتا ہے گا، اور اگر آپ ہوں تو یہ اس کی دلیل ہوگی کہ اللہ تعالی کو زیادہ توسیع منظور نہیں، خود بخود شادی مطابق تعمیر کر لی جائے، بندہ نے اس رقم بطرف مسجد کی چار ہزار اور زمین در شعبہ کی رقم سے پانچ ہزار کھسوٹ کو ہزار تعمیر مسجد پر لگا دینے کو پرچہ بھی لکھا تھا، دو ہزار مزید شعبہ کی رقم سے بھی کی طرف لگا دی جائیں، دس ہزار سالانہ بیس ہزار ہیں جب زیادہ ہو، اور حسن دینیہ سے ارشاد مسودہ ارسال کر دوں، اس طرح ہم دونوں کی مجموعی رقم اکیس ہزار ہو گی، دس ہزار عتیق الرحمن ہیں بلاہ یہ رقم خود ہی تعمیر مکمل کی فکر میں، بہر کیف کام ہو تو مار ہے اللہ تعالی کو منظور ہو گا تو مزید توسیع کے اسباب غیب سے پیدا فرما دیں گے، سپردم بتو مایۂ خویش را، یہ معاملہ رہنا چاہئے کہ آمد "ومن یستغن یغنه الله ومن یستعفف یعفه الله"، اس وعدہ پر یقین رکھنا چاہئے،

مناسب خیال فرمائیں تو مدرسہ کا صرف وہ حصہ جو تعمیر مسجد سے متعلق ہے ..... کو منسلک کر دیا جائے، ورنہ رہے با مدعی مگوئید اسرار عشق و مستی ۔ بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی ، واللہ الحفیظ ،

ہم سب کی طرف سے سلام اور خصوصی دعاؤں کی درخواست سب کی طرف سے ہے

فقط والسلام

۹۶ھ

عہ حضرت مفتی صاحب مدظلہم العالی کی اہلیہ محترمہ ۱۲ آسیا آبادی

تشریح

بندہ کا معمول ہے کہ جب کبھی اس قسم کا کوئی مضمون لکھتا ہوں تو بغرض تربیت و تعلیم توکل اپنے گھر میں اور مدرسہ میں بالخصوص تمرین افتاء کے طلبہ کو سنا دیا کرتا ہوں، چنانچہ خط مذکور کی ایک نقل مدینہ طیبہ بھی بھجوا دی گئی جس کے ساتھ ہوائی جہاز سے ترسیل پر یہ تحریر کی گئی ہے:

"لازدیاد التوکل والاعتماد علی الرب الکریم والاستغناء التام عما سواہ"

طلبہ کو جب یہ خط سنایا گیا تو انہوں نے اس کا عکس لینے کی خواہش ظاہر کی، عکس لینے پر جس عزیز کو بھیجا گیا انکو بھی اس سے شوق ہوا، اس طرح رفتہ رفتہ یہ سلسلہ چل نکلا تو خط کے متعلق بعض امور کی تشریح کی ضرورت محسوس ہوئی جو درج ذیل ہے:

(۱) آباجی نعم مسجد کے متصل اپنے نام خرید کر بلا شرکت غیر کرنا چاہتے تھے، آخر میں مقصد اپنی زمین بنا کر ایک باغ فروخت کر کے سالہا سال کی رقم مخصوص فرمادی، ایک نفع بخش تجارت کا علم ہوا تو چند ماہ کے بعد اس میں یہ رقم لگا دی تاکہ اس کی منفعت بھی مسجد ہی پر خرچ کی جا سکے مگر بتقاضائے الٰہی تجارت میں اصل سرمایہ بھی ڈوب گیا، اس پر آباجی نے اپنی مکتوب میں نہایت اطمینان کا اظہار فرمایا اور یہ شعر تحریر فرمایا:

قیمت خود ہر دو عالم گفتۂ، نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

(۲) خط میں پنجابی شعر والا مضمون ہے کہ اس میں آپ نے سفر حج کے حالات و جذبات کو نظم فرمایا تھا، یہ نظم کافی ہے، بس ذرہ دل میں، شعر مذکور کا مطلب یہ ہے:

"ہم برہنہ ننگے سر یتیموں کی طرح پھرتے ہیں تیرے در پر گدائی کرنے کی خاطر ہیں، اے کریم توجہ عطا فرما"

(۳) مجھے اپنے نام کے پیڈ پر چھاپنا طبعاً ناگوار ہے، میرے کرایہ دار نے اصرار کیا کہ جب کرایہ وصول کرنے کی رسیدیں اس پیڈ پر لکھ کر دوں، انکی خاطر مجھے پیڈ چھپوانا پڑا،

(۴) میں نے پیڈ میں اپنا پتہ اس لئے نہیں چھاپا کہ میں مسافر ہوں جس کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے

مسافر در سرا مہماں شبے یکسر نمی ماند، اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند

اللہ تعالیٰ ہم سب کو فناء دنیا و استحضار آخرت اور شوق وطن کی دولت سے نوازیں، آمین

"آباجی کا جواب"....... نے کہا آپ کو بھی اطلاع کر دیں، ہم اپنی جماعت میں سے اظہار کر دیں، مجھے یہ بات اچھی معلوم ہوئی، مگر ان ند کنیز سے لکھ دی، الحمدللہ یہ میرے مذاق کے مطابق آنعزیز نے عمل کر کے دل خوش کر دیا،

۱۷۔۱۲۔۹۶ھ

۲۳ ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ

رسالہ "صیانۃ العلماء" ابھی کتابت کے بعد تصحیح کے مراحل ہی طے کر رہا تھا کہ عزیزِ محترم مولوی احتشام الحق آسیاآبادی کا خط موصول ہوا جو ان کی بستی آسیاآباد (بلوچستان) میں حال ہی میں جاری کردہ مدرسہ دینیہ کی طرف توکل علی اللہ والاستغناء عما سواہ کی برکت سے جذب قلوب کی خبر پر مشتمل تھا نگاہِ عبرت جو کے لئے اسے بھی رسالہ صیانۃ العلماء کا جز بنایا جاتا ہے۔

اس مدرسہ کے مختصر کوائف کا بیان برکات توکل کے اظہار اور تحصیل توکل کے لئے زیادہ نافع ہوگا

① یہ مدرسہ بلوچستان کے ایسے پسماندہ اور دور افتادہ علاقہ میں ہے کہ جس کی بیچارگی کا اندازہ بدون مشاہدہ کے نہیں کیا جاسکتا۔

② یہ مدرسہ بالکل نومولود ہے، اس کی عمر ابھی صرف چند ماہ کی ہے۔

③ اس مدرسہ کو جاری کرنے والے مولوی احتشام الحق بالکل نوفارغ نوجوان ہیں، حال ہی میں دارالافتاء والارشاد کے شعبۂ تمرین افتاء سے فارغ ہوئے ہیں جنکا تا حال نہ علمی حلقوں میں کوئی مقام ہے اور نہ ہی کوئی دنیوی وجاہت۔

④ علاقہ کے دنیادار بے دین عناصر نے مدرسہ کے لئے بہت بھاری رقوم پیش کیں مگر مولوی صاحب نے قبول نہ کیں، جب وہ اس طرح مولوی صاحب کو رام نہ کرسکے تو کئی جھوٹے مقدمات دائر کردیئے، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے مولوی صاحب کو بری کرادیا۔

⑤ چند روز قبل مولوی صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ کچھ بااثر اہل ثروت مدرسہ سے تعاون کی پیش کش کر رہے ہیں اسے قبول کروں یا نہیں؟ میں نے ان لوگوں کے کچھ کوائف معلوم کرنے کے بعد ان کی امداد قبول کرنے سے مولوی صاحب کو منع کردیا۔

ان کوائف کو سامنے رکھ کر اب مولوی صاحب کے خط میں توکل کی برکات کا مشاہدہ فرمائیں۔

از تربت مکران

مجتبیٰ ومحبوبی حضرت اقدس دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

طالبِ خیر بخیر وعافیت ہے امّا بعد

کل مدرسہ کے لئے ایک صاحب نے -/۳۲۳۷ روپے قطر (عربین گلف) سے بھیجے ہیں، ایسے ہی اس سے قبل بھی متعدد بار مسقط اور دوسرے بعض ملکوں سے کچھ لوگوں نے رقوم بھیجی ہیں۔ اسی طرح آج ایک خط عرب کے کسی علاقے سے آیا ہے اس میں لکھا ہے کہ چند ہزار کی رقم مدرسہ کے لئے میرے پاس ہے،

مَیں مارچ[عہ] کے ماہ میں بھیجدوں گا، ان حضرات میں سے بعض کو مَیں جانتا ہوں اور بعض کو نہیں جانتا لیکن وہ مجھے جانتے ہیں۔ اوّل الذکر اور جن کے خط کا ذکر کیا ہے ان دونوں کو مَیں جانتا ہوں، دیندار ہیں ڈاڑھی بھی رکھتے ہیں۔ آپ کی مجلس میں بھی کئی بار حاضر ہوئے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ ان حضرات کی بھیجی ہوئی رقوم اب تک مَیں نے لی ہیں کیا ان حضرات اور دوسرے ایسے لوگوں کی رقم مدرسہ کے لئے قبول کرلیا کروں یا نہیں؟ یا اس سلسلہ میں ان حضرات سے کچھ شرائط مقرر کروں اور وہ کیا؟ واضح رہے کہ اتنا گمان غالب ہے کہ اتنی رقم یہ حضرات اپنی طرف سے نہیں دے رہے ہیں اندازہ یہ ہے کہ مدرسہ کے لئے چندہ وغیرہ کے ذریعہ سے یہ رقم حاصل کی ہوگی۔

نمبر۲۔ نیز بعض لوگوں نے عرب ممالک سے لکھا ہے کہ آپ کے (راقم کے) بعض جاننے والے مدرسہ کے لئے ہمارے پاس ماہانہ یا ہنگامی طور پر رقم دینے کے لئے آتے ہیں آپ کوئی رسید بک ارسال کریں تاکہ ان کو رسید بھی دیدی جائے، نیز رقوم کا حساب بھی سہولت سے رکھا جاسکے، اس سلسلے میں بھی حضرت والا سے مشورہ کی درخواست ہے۔ والسلام

دعاؤں کا طالب

احتشام الحق آسیا آبادی

۲۲ صفر سنہ ۱۳۹۷ ہجری

جواب

رشید احمد

۵ ربیع الاوّل سنہ ۹۷ ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیز محترم زیدت معالیکم

وعلیکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اللہ تعالیٰ کا لوگوں کے قلوب کو مدرسہ کی اعانت کیطرف متوجہ فرمانا اور دینی کام کے لئے غیب سے اسباب پیدا فرمانا ان کا بہت بڑا کرم ہے، ہم جیسے نالائقوں پر ان کے اتنے بڑے کرم کی خبر پڑھ کر فرطِ ندامت و فرطِ مسرّت سے مرکب کیفیت کے غلبہ سے میری آنکھوں سے اشک جاری ہوگئے اور بے ساختہ اسی حال میں سجدہ میں گر پڑا۔

یااللہ! تیرے اس کرم کے صدقہ سے ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ ہماری ناچیز مساعی اور جہد المقل کو قبول فرما اور ہمارے تمام اقوال، افعال، نیّات، ارادات، خطرات اور جملہ حالات کو اپنی مرضی کے مطابق بنالے، ماضی کی طرح مستقبل میں بھی صرف اپنا ہی محتاج رکھ، غیر کی احتیاج سے حفاظت فرما، ہمارے قلب کی توجہ کو اپنی ذات پر اس طرح مرکوز فرمادے کہ قلب کے کسی گوشے

عہ لفظ مارچ نقل کرتے وقت اسلامی مہینوں کے استعمال کی اہمیت سے متعلق حضرت والا کی تقریر پھر تازہ ہورہی ہے ۱۲ آس

میں بھی غیر کا گذر نہ ہو سکے اللّٰھم اقذف فی قلبی رجاءک واقطع رجائی عمن سواک حتیٰ لا ارجوا احدا غیرک آمین ۔

خذوا فؤادی وفتشوہ وقلبوہ کما تریدوا

فلن تحسوا بہ سواکم زدتم علی الحضور زیدوا

رسید ٹکٹ بھیجنے میں کوئی حرج نہیں۔ معطین اور مرغّبین کی شرائط درج ذیل ہیں، نقل کرکے احباب کو ارسال کردیں۔

شرائط معطین :

① صحیح العقیدہ ہوں۔

② ذریعہ معاش حلال ہو۔

③ ان سے کبھی احسان جتلانے کا خطرہ نہ ہو

④ کبھی کسی ناجائز یا نامناسب کام میں آپ سے تعاون کی درخواست کرنیکا اندیشہ نہ ہو۔

شرائط مرغّبین :

① صرف ایسے احباب سے ذکر کریں جن کے ساتھ بے تکلفی اور خلوص محبت کا ایسا تعلق ہو کہ وہ کچھ نہ دینے میں اپنی سبکی محسوس نہ کریں اور ترغیب دینے والے کو قطعاً کوئی ناگواری نہ ہو۔

② ترغیب میں شانِ استغنار کا مظاہرہ ہو۔

③ الحاح و اصرار سے بالکلیہ احتراز کریں۔

④ کسی کے سامنے ایک بار ذکر آنے کے بعد دوبارہ ہرگز نہ کہیں۔

⑤ وجاہت سے کام نہ لیں۔

⑥ کسی ایسے شخص سے نہ کہیں جو کسی وجہ سے ان کا محتاج یا زیر بار ہو۔

⑦ دینے والوں کا شکریہ ہرگز ادا نہ کریں بلکہ شکریہ کی بجائے انھیں جزاکم اللہ تعالیٰ کی دعا دیں۔

ان شرائط سبعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ کوئی شخص مُرغّب کی وجاہت یا اس کی طرف اپنی حاجت یا غلبۂ مروّت یا نہ دینے میں شرمندگی و خفّت وغیرہ کے باعث نہ دے بلکہ ظن غالب حاصل ہو جائے کہ طیبِ خاطر و شرح صدر سے دے رہا ہے۔ نیز دینے والا یہ سمجھ جائے کہ وہ کسی پر کوئی احسان نہیں کر رہا بلکہ اسمیں اسکا اپنا فائدہ ہے وفقنا اللہ الجمیع لما یحب ویرضیٰ، آمین

آپ کے نام قطر دوحہ سے دو ہزار روپے کا ڈرافٹ اور یونائیٹڈ بنک سے ایک لفافہ آیا ہوا ہے انھیں کیا کیا جائے؟ فقط والسّلام علیکم

تتمہ ــــ التوکّل و التقوی

القرآن

- رب المشرق والمغرب لا الٰہ الا ھو فاتخذہ وکیلاً ۰
- ان تنصروا اللّٰہ ینصرکم ویثبت اقدامکم ۰
- ان ینصرکم اللّٰہ فلا غالب لکم وان یخذلکم فمن ذا الذی ینصرکم من بعدہٖ وعلی اللّٰہ فلیتوکل المؤمنون ۰
- ما یفتح اللّٰہ للناس من رحمۃ فلا ممسک لہا وما یمسک فلا مرسل لہ من بعدہٖ ط
- ولو انھم اقاموا التوراۃ والانجیل وما انزل الیھم من ربھم لاکلوا من فوقھم ومن تحت ارجلھم ۔ الآیۃ
- ولو ان اھل القری اٰمنوا واتقوا لفتحنا علیھم برکات من السماء والارض ۔ الآیۃ
- ومن یھاجر فی سبیل اللّٰہ یجد فی الارض مراغما کثیرا وسعۃ ط

وقال صلی اللّٰہ علیہ وسلم المھاجر من ھجر ما نھی اللّٰہ عنہ

- ومن یتق اللّٰہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب ط ومن یتوکل علی اللّٰہ فھو حسبہ ۔ الآیۃ
- ومن یتق اللّٰہ یجعل لہ من امرہ یسرا ۰
- ویٰقوم استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ یرسل السماء علیکم مدرارا ویزدکم قوۃ الی قوتکم ولا تتولوا مجرمین ۰
- استغفروا ربکم انہ کان غفارا ۰ یرسل السماء علیکم مدرارا ویمددکم باموال وبنین ویجعل لکم جنّٰت ویجعل لکم انھارا ۰

الحدیث

- عن انس بن مالک رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

من كانت الآخرة همه جعل الله غناه فى قلبه وجمع له شمله واتته الدنيا وهى راغمة ومن كانت الدنيا همه جعل الله فقره بين عينيه وفرق عليه شمله ولم يأته من الدنيا الا ما قدر له (ترمذی)

○ عن عمر بن الخطاب رضى الله تعالى عنه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لو انكم كنتم توكلون على الله حق توكله لرزقتم كما ترزق الطير تغدو خماصا وتروح بطانا (ترمذی)

○ عن ابى ذر رضى الله تعالى عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال الزهادة فى الدنيا ليست بتحريم الحلال ولا اضاعة المال ولكن الزهادة فى الدنيا ان لا تكون بما فى يديك اوثق بما فى يد الله (ترمذی)

○ عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما قال كنت خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم يوما فقال يا غلام احفظ الله يحفظك احفظ الله تجده تجاهك واذا سألت فاسأل الله واذا استعنت فاستعن بالله واعلم ان الامة لو اجتمعت على ان ينفعوك بشیء لم ينفعوك الا بشیء قد كتبه الله لك ولو اجتمعوا على ان يضروك بشیء لم يضروك الا بشیء قد كتبه الله عليك رفعت الاقلام وجفت الصحف (احمد و ترمذی)

○ عن ابى ذر رضى الله تعالى عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال انى لاعلم اٰية لو اخذ الناس بها لكفتهم ومن يتق الله يجعل له مخرجا ويرزقه من حيث لا يحتسب (احمد وابن ماجة)

○ عن عمرو بن العاص رضى الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان قلب ابن اٰدم بكل واد شعبة فمن اتبع قلبه الشعب كلها لم يبال الله باى واد اهلكه ومن توكل على الله كفاه الشعب (ابن ماجة)

○ عن ابى هريرة رضى الله تعالى عنه ان النبى صلى الله عليه وسلم قال قال ربكم عز وجل لو ان عبيدى اطاعونى لاسقيتهم المطر بالليل واطلعت عليهم الشمس بالنهار ولم اسمعهم صوت الرعد (احمد)

○ عن ابى هريرة رضوان الله تعالى عنه قال دخل رجل على اهله فلما رأى ما بهم من الحاجة خرج الى البرية فلما رأت امرأته قامت الى الرحى فوضعتها والى التنور فسجرته ثم قالت اللهم ارزقنا فنظرت فاذا الجفنة قد امتلأت قال وذهبت الى التنور فوجدته ممتلئا قال فرجع الزوج قال اصبتم بعدى شيئا قالت امرأته نعم من ربنا وقام الى الرحى فذكر ذلك للنبى صلى الله عليه وسلم فقال اما انه لو لم يرفعها لم تزل تدور الى يوم القيامة (احمد)

○ عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الرزق لیطلب العبد کما یطلبہ اجلہ (ابونعیم فی الحلیۃ)

○ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایہا الناس لیس من شیء یقربکم الی الجنۃ ویباعدکم من النار الا قد امرتکم بہ ولیس شیء یقربکم الی النار ویباعدکم من الجنۃ الا قد نہیتکم عنہ وان الروح الامین نفث فی روعی ان نفسا لن تموت حتی تستکمل رزقہا الا فاتقوا اللہ واجملوا فی الطلب ولا یحملنکم استبطاء الرزق علی ان تطلبوہ بمعاصی اللہ فانہ لا یدرک ما عند اللہ الا بطاعتہ (شرح السنۃ)

○ عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ غزا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبل نجد فلما قفل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قفل معہ فادرکتہم القائلۃ فی واد کثیر العضاہ فنزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتفرق الناس فی العضاہ یستظلون بالشجر ونزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تحت سمرۃ فعلق بہا سیفہ ونمنا نومۃ فاذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدعونا واذا عندہ اعرابی فقال ان ہذا اخترط علی سیفی وانا نائم فاستیقظت وہو فی یدہ صلتا قال من یمنعک منی فقلت اللہ ثلاثا ولم یعاقبہ وجلس (متفق علیہ) وفی روایۃ ابی بکر الاسماعیلی فی صحیحہ فسقط السیف من یدہ ۔ الحدیث

○ واعلم ان ما اصابک لم یکن لیخطئک وما اخطاک لم یکن لیصیبک (کنز العمال)

○ وعقد الامام البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ بابا فی برکۃ الغازی فی مالہ حیا ومیتا وذکر فیہ قصۃ الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المجاہد من جاہد نفسہ (ترمذی)

○ ومن یستغن یغنہ اللہ ومن یستعفف یعفہ اللہ (بخاری)

○ اللّٰہم اجعلنی ممن توکل علیک فکفیتہ واستہداک فہدیتہ واستنصرک فنصرتہ

○ اللّٰہم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منک الجد

○ اللّٰہم اکفنی بحلالک عن حرامک واغننی بفضلک عمن سواک،

○ اللّٰہم اقذف فی قلبی رجاءک واقطع رجائی عمن سواک حتی لا ارجو احدا غیرک،

○ لا یفتح عبد باب مسالۃ الا فتح اللہ علیہ باب فقر (احمد وترمذی)

○ من جعل الہموم ہما واحدا ہم المعاد کفاہ اللہ ہم دنیاہ ومن تشعبت بہ الہموم احوال الدنیا لم یبال اللہ فی ای اودیتہ ہلک (ابن ماجۃ)

بسم الله الرحمن الرحيم

وقال الذين اوتوا العلم ويلكم ثواب الله خير لمن امن وعمل صالحا ولا يلقاها الا الصابرون ○

القول المتين

فی

شرح اطلبوا العلم ولو بالصين

اَلْقَوْلُ الْمَتِیْن

اشاریہ

- تحقیق حدیث اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّیْنِ
- تفسیر اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الآیۃ
- علم عقل کی روشنی میں
- سیاست
- طبِّ قدیم و جدید
- حفظانِ صحت
- تعمیرات
- کیمیکل
- علم المکاشفہ
- فنِ زلزلہ پیما
- فنِ معدنیات
- فنِ موسمیات
- فنِ معلوماتِ سیلاب
- فنِ غوطہ زنی
- فنِ تیراکی
- فنِ پرواز
- فنِ دفاع
- فنِ کسبِ معاش
- فنِ تخریجِ اوقات
- ذکرِ چین

تحقیقِ حدیث اُطلبُوا العِلمَ وَلَو بِالصِّین

سوال: کیا اطلبوا العلم ولو کان بالصّین حدیث ہے، اگر یہ حدیث ہے تو اسکا کیا مطلب ہے؟ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ چین نہ زمانۂ نبوت میں علمِ دین کا مرکز رہا ہے اور نہ آج ہے اسلئے یہاں جس علم کے حاصل کرنیکا حکم ہے وہ علم دنیوی ہے۔ اس بارے میں وضاحت فرمائیں کہ اس سے کیا مراد ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصّواب

اطلبوا العلم ولو بالصین فان طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم، عق، عد، ھب وابن عبدالبر قال البیہقی متنہ مشہور واسنادہ ضعیف وقد روی من اوجہ کلہا ضعیفۃ، وقال المزی لہ طرق ربما یصل بمجموعہا الی الحسن (فیض القدیر ص۵۴۲ ج۱) وقال العزیزی ھو حدیث حسن لغیرہ. (السراج المنیر ص۲۱۳ ج۱) بعض متشددین کا قول وضع صرف الفاظ روایت سے متعلق ہے، اس کا مفہوم یعنی ممالک بعیدہ سے طلب علم کا حکم قرآن وحدیث کی دوسری نصوص سے ثابت ہے۔

حدیث کا مطلب:

انسان کو اللہ تعالیٰ نے دو قوتیں عطا فرمائی ہیں۔ ایک کسی کام کے جاننے کی قوت اور دوسری اسکے کرنے کی قوت اور عقلاً جاننا کرنے سے مقدم ہے، سب سے پہلے انسان کو کسی چیز کا علم حاصل ہوتا ہے جس سے رغبت یا نفرت وخوف پیدا ہوتا ہے اور یہی رغبت یا خوف کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا موجب بنتا ہے، گویا کہ انسانی زندگی کی گاڑی کو چلانے کے لئے "علم" مدارِ عمل ہے، اور ظاہر ہے کہ جو مدار زندگی ہوگا وہ افضل ہوگا۔

دوسری بات یہ سمجھنے کی ہے کہ کسی انسان کے لئے جس طرح اس کی دُنیوی زندگی اہم ہے اس سے کئی گُنا زیادہ اُخروی زندگی کی اہمیت ہے بلکہ دُنیوی زندگی کی اہمیت اگر ہے تو صرف اس لحاظ سے کہ وہ مزرعۃ الآخرۃ یعنی آخرت کی زندگی کو درست کرنیکا وقت اور مقام ہے۔

تیسرا مقدمہ یہ جان لیا جائے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصد یہی ہے کہ انسان جو دنیوی علائق میں پھنسا ہوا ہے اور خواہشاتِ نفسانیہ کی آماجگاہ ہے اسکی اُخروی زندگی کو سنوارنے کے طور طریقے بتائیں۔ نبوت من حیث النبوّۃ صفت علمیہ ہے، نیز نبی کے لغوی معنی بھی خبر دینے والے کے ہیں، یعنی احکامِ الٰہیہ کی خبر دیتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جس کو خود علم نہ ہوگا،

وہ دوسروں کو کیا خبر دیگا۔

ان تینوں مقدمات کو ذہن نشین کرنے کے بعد یہ سمجھ لیجئے کہ علماء کو ورثۃ الانبیاء فرمایا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ علمِ نبوی علم شرع کو کہا جاتا ہے لہٰذا اس حدیث میں اور دوسری احادیث میں جہاں علم کا لفظ آیا ہے وہاں اس سے مراد علم شرع ہی ہے۔ اور عالم سے مراد علم شرع کا جاننے والا، وارث کو اپنے مورث کی ہر متروکہ چیز سے حصّہ ملا کرتا ہے پس جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر صفت سے حصّہ نہ ملا ہو وہ وارثِ نبی بھی نہیں ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ دنیوی فنون حاصل کرنے سے علمِ نبوی اور صفاتِ نبویہ سے حصّہ نہیں مل سکتا۔

انسان اور علم:

وحی الٰہی اور رسالت و نبوت کی دولت سارے عالم میں صرف انسان کے حصّہ میں آئی، وحی علمِ الٰہی کے اُتارنے کو کہا جاتا ہے اور یہی علم دیگر انسانوں تک پہنچانے کے لئے حضرات انبیاء علیہم السّلام کو دیدیا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ علمِ الٰہی کی نعمت سے صرف انسان کو نوازا گیا، گویا علم الٰہی انسان کی بنیادی خصوصیت اور امتیازی شان ہے اور کسی چیز کی خصوصیت وہی ہو سکتی ہے جو دوسری اشیاء میں نہ پائی جا سکتی ہو۔

نتیجہ یہ نکلا کہ اصل انسان اس محسوس مجسمہ کا نام نہیں بلکہ اس جوہر کا نام ہے جو اس میں ودیعت رکھا گیا ہے اور وہ علمِ الٰہی ہے۔ بازار میں پلاسٹک کی بنی ہوئی انسانی صورتیں چند ٹکوں میں مل جاتی ہیں۔ اس طرح جو علمِ الٰہی سے محروم ہے وہ لاکھ انسانیت کا دعوی کرے لیکن حقیقت میں اس کی قدر و قیمت پلاسٹک کی بنی ہوئی مورت سے زیادہ نہیں۔ اسی کے متعلق ارشاد ہے ؎

گر بصورت آدمی انساں بُدے — احمد و بوجہل ہم یکساں بُدے
اینکہ می بینی خلافِ آدم اند — نیستند آدم غلافِ آدم اند!
از بروں چو گورِ کافر پُر حلل — واندروں قہرِ خدائے عزّ وجل

اللہ تعالیٰ نے خود وضاحت فرما دی ہے کہ علم و عمل جو انسان کے لئے وجہ امتیاز و شرف ہے وہ صرف ایسا علم اور عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا سبب اور عذابِ آخرت سے بچنے کا ذریعہ ہو۔ فرمایا، انّا عرضنا الامانۃ علی السّمٰوٰت والارض والجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منھا وحملھا الانسان، انّہ کان ظلومًا جھولًا لیعذّب اللہ المنٰفقین والمنٰفقٰت والمشرکین والمشرکٰت ویتوب اللہ علی المؤمنین والمؤمنٰت وکان اللہ غفورًا رحیمًا۰

القول المتین ——— ۴

آیت کی تفسیر سے قبل اسکے الفاظ کی تشریح ضروری ہے۔

عرض : امتحانِ استعداد وصلاحیت

امانۃ : علم وعمل

اباء : فقدان صلاحیت و استعداد

حمل : وجود صلاحیت و استعداد

ظلم : عدم العمل عما من شأنہ ان یکون عاملا

جھل : عدم العلم عما من شأنہ ان یکون عالما

خلاصۂ تفسیر :

اللہ تعالیٰ نے علم وعمل کی امانت کے لئے پوری دُنیا میں سے صرف انسان کو اسلئے منتخب فرمایا کہ اسکے سوا دوسری کسی مخلوق میں اسکے تحمل کی استعداد وصلاحیت نہ تھی" انہ کان ظلوما جھولا " اس کی تعلیل ہے۔ یعنی علم کا مکلف اسے بنایا جاسکتا ہے جس میں فی الحال علم موجود نہ ہو مگر بالقوۃ استعداد وصلاحیت ہو، ایسے ہی عمل کا حکم اسے دیا جاسکتا ہے جس میں حال میں عمل نہ ہو مگر بالقوۃ عمل کی استعداد موجود ہو، اگر زمانۂ حال میں علم و عمل موجود ہے تو اس کا حکم تحصیل حاصل ہے۔ اور اگر استعداد ہی نہ ہو تو وہ تکلیف مالایطاق ہے اور یہ دونوں امر باطل ہیں، غرضیکہ انسان میں علم وعمل بالفعل موجود نہ تھا مگر اسکی استعداد موجود تھی اور دوسرے کسی مخلوق میں اس کی استعداد ہی موجود نہ تھی اسلئے شرف امانت کے لئے انسان کو منتخب فرمایا گیا۔

لیعذّب الآیۃ میں لام عاقبت کے لئے ہے یعنی انسان کے حملِ امانت کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض اللہ تعالیٰ کی رضا کے مستحق ہوئے اور بعض عذاب کے،

اس سے یہ ثابت ہوا کہ یہاں امانت سے وہ علم وعمل مراد ہے جو صرف انسان کا خاصہ اور طرۂ امتیاز ہے اور ظاہر ہے کہ وہ علم دین ہی ہے، اس لئے کہ دنیوی علم وعمل میں انسان کے ساتھ ہر جاندار شریک ہے۔ علاوہ ازیں لیعذّب الخ میں بھی اس کی صراحت ہے کہ یہاں وہ علم وعمل مراد ہے جو آخرت میں کام آنے والا ہو اور وہ علمِ دین ہی ہے۔

یہ امر اہلِ اسلام میں متواتر مسلّم اور بدیہی چلا آرہا ہے کہ اصل علم صرف علمِ دین ہی ہے اور علماء صرف علماءِ دین ہی کو کہا جاتا ہے مگر اس دَورِ پُرفتن میں جس طرح دوسری بہت سی ضروریات

دین اور متواترات و مسلّمات کا انکار کیا جانے لگا ہے اور اسلام کے بدیہی اور متفق علیہ حقائق میں شکوک شبہات پیدا کرکے انھیں نظری، استدلالی اور مباحث اختلافیہ کی فہرست میں لاکر ان پر دلائل اور بحث و مباحثہ کے دروازے کھولے جارہے ہیں اسی طرح ظلمت جدیدہ (نئی روشنی) سے مسموم مسلمان کو آج علم اور علماء کا بدیہی اور پوری اُمت میں مسلّم مفہوم سمجھانے کے لئے دلائل کی ضرورت ہے اسلئے ہم اوپر بقدر کفایت بیان کر دینے کے باوجود قرآن و حدیث سے چند ایسے شواہد پیش کرتے ہیں جن سے یہ حقیقت بے غبار ہو جاتی ہے کہ اصطلاح شرع میں لفظ علم صرف علمِ دین ہی کیلئے استعمال کیا جاتا ہے

(۱) انا عرضنا الامانة علی السمٰوٰت والارض والجبال فابين ان يحملنها واشفقن منها وحملها الانسان انه كان ظلوما جهولا ٥ (۳۳-۷۲) اِس آیت کی تشریح اوپر گزر چکی ہے اس کی اہمیت کے پیشِ نظر اسکا اعادہ کیا گیا ہے۔

(۲) فاعلم انه لا اله الا الله واستغفر لذنبك وللمؤمنين والمؤمنٰت ط (۴۷-۱۹)

اس آیت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کی وساطت سے آپ کی اُمت کو شرعی علم و عمل کی تحصیل کا حکم دیا گیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ باب العلم قبل القول والعمل کے تحت اس آیت کو لاکر فرماتے ہیں فبدأ بالعلم وقال الحافظ رحمه الله تعالى اى حيث قال فاعلم انه لا اله الا الله ثم قال واستغفر لذنبك والخطاب وان كان للنبي صلى الله عليه وسلم فهو متناول لامته واستدل سفيان بن عيينه بهذه الأية على فضل العلم كما اخرجه ابو نعيم فى الحلية فى ترجمته من طريق الربيع ابن نافع عنه انه تلاها فقال الم تسمع انه بدأ به فقال اعلم ثم امره بالعمل وينتزع منها دليل ما يقوله المتكلمون من وجوب المعرفة (فتح البارى ص۱۴۷ ج۱)

(۳) انما يخشى الله من عباده العلماء (۳۵-۲۸)

قال الحافظ رحمه الله تعالى اى يخاف من الله من علم قدرته وسلطانه وهم العلماء قاله ابن عباس رضى الله تعالى عنهما (فتح البارى ص۱۴۷ ج۱)

حبر اُمّت رئیس المفسّرین حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے "علماء" کے لقب کو منحصر کردیا ہے ایسے لوگوں میں جن کے قلوب معرفت و خشیت الٰہیہ سے معمور ہیں۔

(۴) وقال الزمخشرى (فى قوله تعالى انما يخشى الله من عباده العلماء) المراد العلماء الذين علموه بصفاته وعدله وتوحيده وما يجوز عليه وما لا يجوز فعظموه وقدروه وخشوه حق خشيته ومن ازداد به علما ازداد منه خوفا ومن كان عالما به كان آمنا وفى الحديث اعلمكم

..الله اشد کوله خشية وقال رجل للشعبی افتنی ایها العالم قال العالم من خشی الله (عمدة القاری ص۲۱ ج۲)

⑤ وقالوا لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعير (۶۷ - ۱۰)

قال الحافظ رحمه الله تعالى وهذه اوصاف اهل العلم فالمعنى لو کنا من اهل العلم لعلمنا ما يجب علينا فعملنا به فنجونا (فتح الباری ص۱۴۰ ج۱)

⑥ قال العينی رحمه الله تعالى (فی تفسير قوله تعالى لو کنا نسمع او نعقل الآية) والمعنى لو کنا من اهل العلم لما کنا من اهل النار (ثم قال) ان المراد من العقل العلم ههنا فان الکفار لو کان لهم العلم لما دخلوا النار (عمدة القاری ص۴۲ ج۲)

⑦ وتلك الامثال نضربها للناس وما يعقلها الا العالمون (۲۹ - ۴۳)

قال العينی رحمه الله تعالى ای وما يعقل الامثال المضروبة الا العلماء الذين يعقلون عن الله وروی جابر رضی الله عنه ان النبی صلى الله عليه وسلم لما تلا هذه الآية فقال العالم الذی عقل عن الله فعمل بطاعته واجتنب سخطه (عمدة القاری ص۴۲ ج۲)

⑧ وقل رب زدنی علما (۲۰ - ۱۱۴)

قال الحافظ رحمه الله تعالى واضح الدلالة فی فضل العلم لان الله تعالى لم يأمر نبيه صلى الله عليه وسلم بطلب الازدياد من شیء الا من العلم والمراد من العلم العلم الشرعی الذی يفيد معرفة ما يجب على المکلف من امر دينه فی عباداته ومعاملاته والعلم بالله وصفاته وما يجب له من القيام بامره وتنزيهه عن النقائص ومدار ذلك على التفسير والحديث والفقه (فتح الباری ص۱۳۰ ج۱)

⑨ فوجدا عبدا من عبادنا آتيناه رحمة من عندنا وعلمناه من لدنا علما (۱۸ - ۶۵)

یہاں علم سے علم الاسرار والمکاشفہ مراد ہے جو شرعی علم وعمل میں رسوخ پر مرتب ہوتا ہے۔

قال العلامة الآلوسی رحمه الله تعالى ای علما لا يکتنه کنهه ولا يقادر قدره وهو علم الغيوب واسرار العلوم الخفية (ثم قال) قال العارف بالله تعالى الشيخ عبد الوهاب الشعرانی عليه الرحمة فی کتابه المسمى بالدرر المنثورة فی بيان زبد العلوم المشهورة ما لفظه واما زبدة علم التصوف الذی وضع القوم فيه رسائلهم فهو نتيجة العمل بالکتاب والسنة (روح المعانی ص۳۰۳ ج۱۵)

⑩ وقال الذين اوتوا العلم ويلکم ثواب الله خير لمن آمن وعمل صالحا ولا يلقاها الا الصابرون ۵ (۲۸ - ۸۰)

اس میں دنیاداروں کے مقابلہ میں فناء دنیا کا استحضار اور فکر آخرت رکھنے والوں کو اہل علم

کہا گیا ہے۔

قال العلامة الآلوسی رحمه الله تعالیٰ وقال الذين اوتوا العلم ای باحوال الدنيا والآخرة كما ينبغی ومنهم يوشع عليه السلام وانما لم يوصفوا بارادة ثواب الآخرة تنبيهاً على ان العالم باحوال النشأتين يقتضی الاعراض عن الاولى والاقبال على الاخرى حتماً وان تمنى المتمنين ليس الا لعدم علمهم بهما كما ينبغی (ولا يلقاها الا الصابرون) على الطاعات وعن المعاصی والشهوات (روح المعانی ص۱۲۶ ج ۲۰)

(۱۱) ولقد آتينا داؤد وسليمان علما (۲۷-۱۵)

ای آتينا كل واحد منهما طائفة من العلم لائقة به من علم الشرائع والاحكام وغير ذلك مما يختص بكل منهما كصنعة لبوس ومنطق الطير وخصها مقاتل بعلم القضاء وابن عطاء بالعلم بالله عزوجل ولعل الاولى ما ذكرا وعلما سنيا غزيرا الخ (روح المعانی ص۱۵۳ ج ۱۹)

اسمیں اگر لفظ علم کو صنعت لبوس اور منطق الطیر کو بھی شامل تسلیم کرلیا جائے تو بھی ہمارے مدّعی کے خلاف نہیں بلکہ اس کے لئے مؤید ہے کیونکہ حضرت داود وسلیمان علیہما السّلام کو یہ دونوں علوم بطور معجزہ عطا فرمائے گئے تھے جو انکے ساتھ مختص تھے، اور معجزہ سے اسلام کی حقانیت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ لہٰذا جو علم بطور معجزہ دیا گیا وہ نتیجہ کے لحاظ سے علم شرع میں داخل ہے،

(۱۲) ولوطاً آتيناه حكماً وعلماً (۲۱-۷۴)

(۱۳) ففهمناها سليمان وكلاً آتينا حكماً وعلماً (۲۱-۷۹)

(۱۴) قال الذی عنده علم من الكتاب انا آتيك به قبل ان يرتد اليك طرفك (۲۷-۴۰)

یہ قائل خود حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں یا آپ کے کوئی خادم یا کوئی فرشتہ، بہرصورت یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ ہے لہٰذا یہاں علم سے علم الٰہی مراد ہے۔

(۱۵) واوتينا العلم من قبلها وكنا مسلمين ○ (۲۷-۴۲)

یہاں علم سے اللہ تعالیٰ کی معرفت، حضرت سلیمان علیہ السّلام کی نبوّت اور اسلام کی حقانیت کا علم مراد ہے۔

قال العلامة الآلوسی رحمه الله تعالیٰ معناه واوتينا العلم بكمال قدرة الله تعالیٰ وصحة نبوته (الى قوله) وكنا مؤمنين من ذلك الوقت (روح المعانی ص۲۰۸ ج ۱۹)

(۱۶) قل هل يستوی الذين يعلمون والذين لا يعلمون ط (۳۹-۹)

قال العلامة الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ (ھل یستوی الذین یعلمون) فیعملون بمقتضی علمہم ویقنتون اللیل سجداً ورکعاً یحذرون الآخرۃ ویرجون رحمۃ ربہم (والذین لا یعلمون) فیعملون بمقتضی جہلہم وضلالہم (الیٰ قولہ) ویعلم مما ذکرنا ان المراد بالذین یعلمون العاملون من علماء الدیانۃ (ثم قال) وان العلم الذی لا یترتب علیہ العمل لیس بعلم عند اللہ تعالیٰ (ثم قال) وحمل الذین یعلمون علی العاملین من علماء الدیانۃ علی ما سمعت مما لا ینبغی ان یختلف غیرہ لتکثیر الفائدۃ (روح المعانی ص۲۲۳ ج ۲۳)

والیٰ ھذہ الآیۃ لمح ابن درید فی ابیات لہ ؎

اھلاً وسھلاً بالذین احبہم	واودھم فی اللہ ذی الآلاء
اھلاً بقوم صالحین ذوی التقی	غر الوجوہ وزین کل ملاء
یسعون فی طلب الحدیث بعفۃ	وتوقر وسکینۃ وحیاء
لہم المھابۃ والجلالۃ والنھی	وفضائل جلت عن الاحصاء
ومداد ما تجری بہ اقلامہم	ازکی وافضل من دم الشھداء
یا طالبی علم النبی محمد	ما انتم وسواکم بسواء

(۱۷) ولقد اٰتینا لقمان الحکمۃ (۳۱-۱۲)

قال اللہ تعالیٰ ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً ه وقال رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین نتیجہ یہ نکلا کہ حکمت سے مراد تفقہ فی الدین ہے ۔

قال الامام ھی عبارۃ عن توفیق العمل بالعلم ثم قال وان اردنا تحدیدھا بما یدخل فیہ حکمۃ اللہ تعالیٰ فنقول حصول العمل علی وفق المعلوم (روح المعانی ص۸۲ ج ۲۱)

(۱۸) وانہ لذو علم لما علمناہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون (۱۲-۶۸)

ای لتعلیمنا ایاہ بالوحی ونصب الادلۃ حیث لم یعتقد ان الحذر یدفع القدر حتی یتبین الخلل فی رأیہ عند تخلف الاثر او حیث بت القول بانہ لا یغنی عنہم من اللہ تعالیٰ شیئاً فکانت الحال کما قال (روح المعانی ص۱۹ ج ۱۳)

(۱۹) یرفع اللہ الذین اٰمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات (۵۸-۱۱)

قال العینی رحمہ اللہ تعالیٰ والمعنی یرفع اللہ الذین اٰمنوا واوتوا العلم علی الذین اٰمنوا فقط ولم یؤتوا العلم درجات فی دینہم اذا فعلوا ما امروا بہ (عمدۃ القاری ص۳ ج ۲)

قال الحافظ رحمه الله تعالى فى تفسير قوله تعالى يرفع الله الخ وفى صحيح مسلم عن نافع بن عبد الحارث الخزاعي وكان عامل عمر رضي الله تعالى عنه على مكة انه لقيه بعسفان فقال له من استخلفت فقال استخلفت ابن ابزى مولى لنا فقال عمر استخلفت مولى قال انه قارى لكتاب الله عالم بالفرائض فقال عمر رضي الله عنه اما ان نبيكم صلى الله عليه وسلم قد قال ان الله يرفع بهذا الكتاب اقواما ويضع به آخرين، (فتح البارى ص۱۳۱ ج۱)

وقال العلامة الآلوسى رحمه الله تعالى (والذين اوتوا العلم) الشرعى (درجات) اى كثيرة جليلة كما يشعر به المقام وعطف الذين اوتوا العلم على الذين آمنوا من عطف الخاص على العام تعظيما لهم بعدهم كانهم جنس آخر ولذا اعيد الموصول فى النظم الكريم (روح المعانى ص۳۰ ج۲۸) تمام (۲۱۱۸۱)

(۲۰) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان العلماء هم ورثة الانبياء ورثوا العلم من اخذه اخذ بحظ وافر ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے علماء کو علم شریعت ہی ملا ہے۔ واخرج الترمذی وغیرہ ان الانبياء لم يورثوا دينارا ولا درهما وانما ورثوا العلم وفى معناه قوله صلى الله عليه وسلم العلم ميراثى وميراث الانبياء قبلى، مسند الفردوس للديلمى (كنوز الحقائق ص۹۱ ج ۲)

(۲۱) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من سلك طريقا يطلب به علما سهل الله له طريقا الى الجنة (بخارى ص۱٦ ج۱)

قال الحافظ رحمه الله تعالى (قوله طريقا) نكرها ونكر علما ليتناول انواع الطرق الموصلة الى تحصيل العلوم الدينية وليندرج فيه القليل والكثير۔ (قوله سهل الله له طريقا) اى فى الآخرة او فى الدنيا بان يوفقه للاعمال الصالحة الموصلة الى الجنة وفيه بشارة بتسهيل العلم على طالبه لان طلبه من الطرق الموصلة الى الجنة (فتح البارى ص۱۴۲ ج۱)

(۲۲) قال العينى رحمه الله تعالى (قوله علما) انما نكره ليتناول انواع العلوم الدينية وليندرج فيه القليل والكثير (قوله سهل الله له) اى فى الآخرة او المراد منه وفقه الله للاعمال الصالحة فيوصله بها الى الجنة (عمدة القارى ص۴۱ ج ۲)

(۲۳) وقال النبى صلى الله عليه وسلم من يرد الله به خيرا يفقهه فى الدين (بخارى ص۱٦ ج۱)
اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قرآن وحدیث میں جس علم کی فضیلت آئی ہے وہ صرف تفقہ فی الدین ہے۔

(۲۴) وانما العلم بالتعلم (بخارى ص۱٦ ج۱)

قال الحافظ رحمه الله تعالى هو حديث مرفوع ايضا اورده ابن ابى عاصم والطبرانى من حديث معاوية رضي الله تعالى عنه ايضا بلفظ يا ايها الناس تعلموا انما العلم بالتعلم والفقه بالتفقه ومن

یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین، اسنادہ حسن لان فیہ مبھما اعتضد بمجیئہ من وجہ اٰخر وروی البزار نحوہ من حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ موقوفا ورواہ ابونعیم الاصبھانی مرفوعا وفی الباب عن ابی الدرداء وغیرہ فلا یغتر بقول من جعلہ من کلام البخاری والمعنی لیس العلم المعتبر الا المأخوذ من الانبیاء وورثتھم علی سبیل التعلم (فتح الباری ص۱۴۸ ج ۱)

حدیث مذکور سے جیسے یہ ثابت ہوا کہ اصطلاح شرع میں صرف علم دین ہی کو علم کہا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ علم دین صرف وہ معتبر ہے جو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور انکے وارثین علماء عظام سے بالمشافہہ تعلیم وتعلّم کے ذریعہ حاصل کیا جائے، یہ حدیث آجکل کے ان متجددین کی جڑیں کاٹ رہی ہے جو گھر بیٹھے عربی زبان سے معمولی واقفیت حاصل کرکے نہ صرف عالم بلکہ مفسّر ومجدّد اور مفکرِ اسلام بن گئے ہیں۔ اللّٰھم خذھم اخذ عزیز مقتدر۔

(۲۵) قال العینی رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرح قولہ صلی اللہ علیہ وسلم (انما العلم بالتعلم) بفتح العین وتشدید اللام وفی بعض النسخ بالتعلیم ای لیس العلم المعتد الا المأخوذ عن الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام علی سبیل التعلم والتعلیم فیفہم منہ ان العلم لا یطلق الا علی علم الشریعۃ ولھذا لو اوصی رجل للعلماء لا ینصرف الا الی اصحاب الحدیث والتفسیر والفقہ (عمدۃ القاری ص۲۳ ج ۲)

(۲۶) عن ابی التیاح عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من اشراط الساعۃ ان یرفع العلم ویثبت الجھل وعن قتادۃ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقل العلم ویظھر الجھل (بخاری ص۱۸ ج ۱) وعن سالم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقبض العلم ویظھر الجھل (بخاری ص۱۹ ج ۱)

وعن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اللہ لا یقبض العلم انتزاعا ینتزعہ من العباد ولکن یقبض العلم بقبض العلماء حتی اذا لم یبق عالما اتخذ الناس رؤسا جھالا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا (بخاری ص۲۰ ج ۱)

وروی احمد والطبرانی من حدیث ابی امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لما کان فی حجۃ الوداع قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم خذوا العلم قبل ان یقبض او یرفع فقال اعرابی کیف یرفع فقال الا ان ذھاب العلم ذھاب حملتہ ثلاث مرات (فتح الباری ص۱۴۵ ج ۱)

ان روایات سے ثابت ہوا کہ قرب قیامت میں علم مرتفع ہو جائیگا، حالانکہ علوم دنیویہ روز افزوں ترقی پذیر ہیں البتہ علم دین روز بروز کم ہوتا جارہا ہے۔ اسباب علم کی فراوانی، مطبوعات کی کثرت اور تصانیف کی بھرمار کے باوجود علم کی حقیقت اور اسمیں تعمّق بہت سرعت سے زوال پذیر ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ احادیث مذکورہ میں صرف علم دین کو علم سے تعبیر کیا گیا ہے اور بقیہ تمام تر علوم دنیا کی ترقی کو ظہور جہل قرار دیا گیا ہے۔

(۲۷) کتب عمر بن عبد العزیز الی ابی بکر بن حزم انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فاکتبہ فانی خفت دروس العلم و ذھاب العلماء ولا یقبل الا حدیث النبی صلے اللہ علیہ وسلم ولیفشوا العلم ولیجلسوا حتی یعلم من لا یعلم فان العلم لا یھلک حتی یکون سرًا (بخاری ص۲۰ ج۱)

اس میں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث کو علم سے تعبیر فرمایا ہے اور حفاظت حدیث کو حفاظتِ علم کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

(۲۸) نقل العلاء رحمہ اللہ تعالیٰ عن سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابیاتًا فی فضل العلم

ما الفضل الا لاھل العلم انھم علی الھدی لمن استھدی ادلاء

ووزن کل امرئ ما کان یحسنہ والجاھلون لاھل العلم اعداء

ففز بعلم ولا تجھل بہ ابدا الناس موتی واھل العلم احیاء

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اہل علم کی وجہ فضیلت یہ بیان فرما رہے ہیں کہ وہ اُمت کے لئے ہادی اور رہبر ہیں۔ وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ وأل فی العلم للعھد ای العلم الشرعی الموصل الی الآخرۃ (قولہ والجاھلون) ای بالعلم الشرعی فیشمل العالمین بغیرہ بل ھم اشد عداوۃً لعلماء الدین من العوام (رد المحتار ص۳۸ ج۱)

(۲۹) خود حدیث زیر بحث " اطلبوا العلم" الخ بھی یہی بتا رہی ہے کہ اس میں علم دین مراد ہے اس لئے کہ اس میں صیغۂ امر ہے جو بدوں قرینہ صارفہ وجوب کے لئے آتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ طلب علم ہر مسلم پر فرض ہے۔ اسی حدیث کے آخر میں اس کی تصریح بھی ہے "فان طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم" اور ظاہر ہے کہ علوم دنیویہ کی تحصیل کو ہر مسلم مرد عورت کے لئے ضروری اور فرض قرار دینے کا دنیا میں کوئی احمق بھی قائل نہیں۔

ہم نے یہ چند مثالیں تحریر کی ہیں جو معمولی توجہ سے سامنے آگئیں ورنہ جنھوں نے قرآن و حدیث کو پڑھا اور سمجھا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ جہاں کہیں بھی علم کا لفظ مطلقًا بولا گیا ہے اس سے علم شرع ہی مراد ہے۔ فمن شاء فلیراجع الی کتب الشرع والمطولات فی الحدیث والتفسیر والفقہ۔

علم عقل کی روشنی میں

عقلی حیثیت سے بھی اگر دیکھا جائے تو علم سے دُنیوی علوم مراد لینا کسی طرح بھی صحیح نہ ہوگا، جس کی متعدد وجوہ ہیں۔

① نظر شرع میں علوم شرعیہ کے مقابلے میں دنیوی علوم صنعت وغیرہ اتنے ناقص ہیں کہ ان کو علم کہا ہی نہیں جا سکتا، اس لئے کہ پوری کائنات کی وجہ تخلیق یہ ہے کہ انسان ان سے استفادہ کرے لقولہ تعالیٰ ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعًا ○ جب سب چیزیں انسان کے لئے بنائی گئی ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ خود انسان کی وجہ تخلیق کیا ہے؟ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے لقولہ تعالیٰ وما خلقت الجنّ والانس الا لیعبدون ○ سو معلوم ہوا کہ سارے عالم کی پیدائش سے اصل مقصد عبادت ہے اور عبادت کا علم علم شرع ہے۔ پس علم کا فرد کامل چونکہ علمِ دین ہے اس لئے علی الاطلاق جب علم کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے علمِ دین ہی مراد ہوگا اسی طرح جب قرآن و حدیث میں علم کا لفظ علی الاطلاق آتا ہے تو اس سے علم شرع ہی مراد ہوتا ہے

② فخر موجودات محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد اُمور دُنیا کی تعلیم نہیں بلکہ امور متعلقہ بالآخرۃ کی تعلیم ہے اس لئے آپ کی اصطلاح میں علم سے مراد بھی وہی ہوگا جو آپ کی بعثت کا مقصود ہے۔

③ جو علم انسان کا خاصہ ہے وہ علم دین ہے، کیونکہ صرف علم دین ہی میں انسان کی انفرادیت ہے، دوسرے علوم میں انسان کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ ہر حیوان دُنیوی علوم کو بقدر ضرورت جانتا ہے، بلکہ انسان سے زیادہ جانتا ہے اور کئی علوم انسان نے حیوانات سے سیکھے ہیں چنانچہ ذیل میں ہم کئی مثالوں سے ان حقائق پر روشنی ڈالتے ہیں۔

سیاست:

سیاست اور انتظامی اُمور میں انسان دیگر جانوروں پر برتری کا دعویٰ نہیں کر سکتا، شہد کی مکھیاں جب چھتہ بناتی ہیں تو اسمیں ہشت پہلو سوراخ اور خانے بنا کر اپنے قلعہ کی تعمیر کرتی ہیں، اس قلعہ کی تقسیم اس طرح ہوتی ہے کہ ایک حصّے میں شہد بنایا جاتا ہے، ایک حصّے میں بچّے پلتے ہیں اور ایک حصّے میں بڑی مکھیاں رہائش پذیر ہوتی ہیں، نیز ان کا ایک امیر بھی

ہوتا ہے جس کو عربی میں "یعسوب" کہتے ہیں وہ ان سب کی نگرانی کرتا ہے، چنانچہ اگر ایک مکھی کسی زہریلے پتے پر بیٹھ کر اسکا رس شہد میں ملانے کی کوشش کرتی ہے تو فوراً اسے مار کر اسکا سر کاٹ دیا جاتا ہے، شہد کے کسی چھتے کے پاس جاکر دیکھئے کسی کا سر کٹا ہوا اور کسی کی کمر ٹوٹی ہوئی ملے گی۔ پھر امیر کی اطاعت کا یہ عالم ہے کہ مجرم کو سزائے موت دینے پر دوسری مکھیوں میں بغاوت یا ایجی ٹیشن کا جذبہ نہیں اُبھرتا۔

سیاست میں بطخوں کی تنظیم اور اطاعت تو قابلِ تقلید ہے، جب سب بطخیں سو جاتی ہیں تو ان کا امیر ایک ٹانگ پر ساری رات جھیل میں کھڑا ہو کر نگرانی کرتا ہے، خطرے کی صورت میں آواز لگاتا ہے۔ پہلی ہی آواز پر ساری قوم خطرے سے آگاہ ہو جاتی ہے اور سب پر تول لیتی ہیں دوسری آواز پر پرواز شروع کر دیتی ہیں۔ امیر سب کے آگے آگے چلتا ہے اور باقی بطخیں دو قطاریں بنا کر پیچھے پیچھے اُڑتی ہیں۔ امیر جدھر کو رُخ کرلے ادھر کو باقی قوم چل دیتی ہے، اس سے انکا ایک دوسرے پر کامل اعتماد بھی ظاہر ہے۔

آج کی متمدن دُنیا اس سے بڑھکر تنظیم و سیاست کا مظاہرہ کر کے دکھا دے۔

طبِّ قدیم و جدید

(۱) طبِ قدیم و جدید دونوں علم احتقان (حقنہ) اور علم تلقیح (انجکشن) میں ایک بگلے کی رہینِ منت ہیں۔ حکیم جالینوس نے کسی بگلے کو پریشانی کی حالت میں دیکھا تو محسوس کیا کہ اس کے پیٹ میں درد ہے، تھوڑی دیر کے بعد ایک دوسرے بگلے نے چونچ میں آبِ نمکیں بھرا اور اسکی مَقْعَدْ میں داخل کر دیا جس سے اس کو کھُل کر اجابت ہوگئی اور درد جاتا رہا، جالینوس مکان پر آیا تو ایک قولنج کا مریض آ پہنچا، جالینوس نے اس پر بگلے سے حاصل کردہ حکمت کا تجربہ کیا جو بہت مفید ثابت ہوا، جالینوس نے بگلے سے عمل احتقان سیکھا اور اسی پر قیاس کرتے ہوئے طبِ جدید نے انجکشن ایجاد کیا اسی لئے انجکشن کو عمل الطائر کہا جاتا ہے۔ غرضیکہ طبِ جدید و قدیم دونوں بگلے کی شاگرد ہیں۔

(۲) حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہم نے اپنا چشم دید واقعہ بیان فرمایا، لکھتے ہیں کہ تقسیم سے قبل مجھے ایک ہندو ریاست اندر گڈھ میں بارہا جانیکا اتفاق ہوا، وہاں میرے بعض اعزہ اونچے عہدوں پر ممتاز تھے، اس ریاست میں بندروں کے مارنے کی ممانعت تھی اس لئے

بندروں کی تعداد ہزاروں کی حد تک تھی، بندروں کی جبلّت میں شرارت اور چالاکی بلکہ ایذارسانی داخل ہے اسلئے وہ کافی نقصان کرتے تھے۔ کبھی برتن اُٹھا کر بھاگ جاتے کبھی کپڑا اُٹھا لیجاتے اس لئے ایک بار ہم نے سوچا کہ کوئی تدبیر کرنی چاہیئے، اسلئے ہم نے ایک روپے کا سنکھیا خریدا اور اُسے آٹے میں ملایا اور روٹیاں بنواکر چھت پر پھیلا دیں تاکہ وہ کھائیں اور مرتے جائیں، اس لئے ہم روٹیاں چھت پر ڈال کر خود ایک گوشے میں بیٹھ کر منتظر رہے کہ اب بندر آکر ان روٹیوں کو کھائیں گے اور مریں گے، کچھ بندر آئے مگر ان روٹیوں سے دُور کھڑے ہو کر دیکھنے لگے کہ یہ کیا نیا حادثہ پیش آیا کہ روٹیاں بکھری ہوئی پڑی ہیں یقیناً اس میں کچھ بات ہے ورنہ روٹیاں یُوں نہیں بکھیری جاسکتیں اس لئے روٹی کو غور سے دیکھا پھر سُونگھا، بالآخر انھوں نے روٹی کو ہاتھ نہیں لگایا اور چلے گئے، ہم سمجھے کہ تدبیر فیل ہوگئی لیکن بندروں کا یہ چالاک قافلہ جاکر پھر اپنے ساتھ اور بندروں کو لایا اور چودہ پندرہ موٹے بندر ان کے ہمراہ آئے اور روٹیوں کے ارد گرد گھیرا ڈال کر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد ایک آگے بڑھا اور اُس نے روٹیوں کو سونگھا، پھر دوسرا آگے بڑھا اُسنے ایک روٹی توڑی اور اسکے ٹکڑوں کو سونگھا اور روٹیاں چھوڑ کر سب بھاگ گئے۔

اب ہمیں یقین ہوگیا کہ یہ سب کچھ سمجھ گئے ہیں اور ہماری ساری تدبیر ناکام ہوگئی، مگر تھوڑی ہی دیر بعد تقریباً ساٹھ ستر بندروں کا ایک قافلہ آیا اور ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک ٹہنی تھی جن میں ہرے ہرے پتے تھے انھوں نے آکر پہلے تو روٹیوں کو توڑا، انکے ٹکڑے کئے، گویا پوری جماعت میں یہ اُصول پیشِ نظر تھا کہ ؎

نیم نانے گر خورد مردِ خُدا
بذلِ درویشاں کُند نیمے دگر

بندر بانٹ تو مشہور ہے، آخر کار اُنھوں نے وہ ٹکڑے باہم بانٹ لئے اور ہر ایک نے ایک ایک ٹکڑا کھا کر اُوپر سے وہ پتے چبا لئے جو ہر ایک اپنے ساتھ لایا تھا، اور دندناتے ہوئے چلے گئے اور ہم دیکھتے رہ گئے، اپنا آٹا بھی گیا، کپڑا تو پہلے ہی جا چکا تھا اور اوپر سے وقت بھی ضائع ہوا

(انسانیت کا امتیاز ص۳۴)

اب بھی اگر انسان اپنا یہ کمال ظاہر کرے کہ ہم طبیب ہیں اور جڑی بوٹیوں کے خواص جانتے ہیں تو یہ غلط ہوگا کیونکہ بندر بھی تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم بھی طبیب ہیں ہم جڑی بوٹیوں سے علاج کرتے ہیں، بلکہ زہر تک کا تریاق ہم کو معلوم ہے، ایسے ہی دیگر جانوروں میں بھی معالج اور اطباء موجود ہیں۔ ۳۰

اگر انسانوں کے معالجین اور جانوروں میں کچھ فرق ہے تو صرف اتنا ہو سکتا ہے کہ انسان کو زیادہ دوائیں معلوم ہیں اور ان کو کم، مگر اس سے انسان کی بڑائی ثابت نہیں ہوتی اس لئے کہ ان کو انسان کی بہ نسبت امراض بھی تو کم پیش آتے ہیں غالباً وجہ یہ ہے کہ عام انسانوں سے عام جانوروں کو اُصولِ طب زیادہ معلوم ہیں، اکثر جانور حفظ ماتقدم کے اُصولوں پر عمل کر کے بیماری کو روک دیتے ہیں اس طرح سے ضرورت دوا ہی باقی نہیں رہتی۔

اسی طرح سب حیوانات اپنی غذا میں بھی مضر اور مفید چیزوں کا علم رکھتے ہیں، اگر کوئی مضر چیز کسی وجہ سے اندر چلی جاتی ہے تو ان کو اسکا فاذ زہر بھی معلوم ہے چنانچہ کتا کوئی مضر چیز کھالیتا ہے تو وہ کسی طرح سے قے کر کے اسے نکال دیتا ہے۔

ہم نے گھوڑے کو بارہا دیکھا کہ منہ میں لگام ہونے کی حالت میں گھاس کھا رہا ہے، اس کے منہ میں گھاس کے اُلجھے ہوئے تنکوں میں اگر کوئی ایک تنکا اسکے لئے مضر ہوتا ہے تو وہ اسے لگام منہ میں ہونے کے باوجود ان اُلجھے ہوئے تنکوں میں سے نکال باہر کر دیتا ہے۔

حفظِ صحت

علم حفظ صحت کے اصول میں سے ورزش بہت اہمیت رکھتی ہے اور اس کا دستور سب جانوروں میں مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ یوگ آسنوں کے موجد رشی منی اور یوگی ہر جاندار کی حرکات کو غور سے دیکھ کر اس کی ورزش کا طریقہ سیکھتے تھے، اس طرح انسان نے جانوروں سے چوراسی لاکھ آسن سیکھے جن میں سے صرف چوراسی آسن مشہور ہیں،

تعمیرات

ہر جانور اپنی حیثیت کے مطابق اپنے لئے محفوظ اور آرام دہ مکان تیار کرتا ہے، سردی، گرمی، بارش آندھی اور دشمنوں سے حفاظت ان سب چیزوں کی رعایت ان کے مکان میں ہوتی ہے گویا کہ دشمن سے حفاظت کے لئے ایک طرف مضبوط تہ خانہ ہے تو دوسری جانب سردی، گرمی کی شدت سے حفاظت کے لئے ائرکنڈیشنڈ، زنبور کا بنایا ہوا مکان اس کی واضح مثال ہے۔

بیا چڑیا کا گھونسلہ دیکھئے، اس کی بُناوٹ کو دیکھئے کیسی بہترین بناوٹ ہے اور ایسا مضبوط کہ ہوا کے جھکڑ چلیں، موسلا دھار بارش ہو کیا مجال ہے کہ اسکا گھونسلہ شاخ کو چھوڑ دے اور

پھر اس میں انڈوں اور بچوں کی حفاظت کس حد تک ہوتی ہے۔ شہد کی مکھی کا مکان دیکھئے، بچے دینے کے کمرے الگ اور شہد پیدا کرنے کی جگہ الگ ہے۔ تتیا کا مکان بھی اسی قسم کا ہوتا ہے۔

کیمیکل

شہد کی مکھی کس طریقے سے مختلف درختوں کی پتیوں، پھلوں اور پھولوں سے مختلف قسم کے وٹامن حاصل کر کے کیمیاوی طور پر اس میں کیا تصرف کرتی ہے کہ وہ بہترین عمدہ، لذیذ اور صحت بخش غذا کی صورت میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

علم المکاشفہ:

محنتِ شاقہ اور طویل مجاہدات کے بعد بعض لوگوں کو توجہ نفس اور مسمریزم وغیرہ میں کامیابی ہوتی ہے مگر حیوانات بدون کسی قسم کے مجاہدہ اور مشق کے بعض حالات کو معلوم کر لیتے ہیں چنانچہ حیوانات کے لئے کشفِ قبور احادیث سے ثابت ہے۔

فنِ زلزلہ پیما:

ماہرین زلزلہ پیما آج تک قبل از وقت زلزلے کی کوئی یقینی اطلاع نہیں دے سکے، مگر بھیڑ بکری اور دوسرے حیوانات قبل از وقت اسے محسوس کر لیتے ہیں اور چلانا شروع کر دیتے ہیں۔

فنِ معدنیات:

آجکل معدنیات کے پیچھے پوری دنیا لگی ہوئی ہے، زمین کھود کر ارضی خزانوں کی تلاش میں مصروف ہے مگر آج سے ہزارہا سال قبل ہُدہُد نے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام سے درخواست کی تھی کہ اسے اپنے لشکر کے ہمراہ رکھا کریں اسلئے کہ اسے زمین کی گہرائیوں میں پانی کے خزانے نظر آتے ہیں۔

فنِ موسمیات:

بارش اور آندھی وغیرہ کیلئے محکمۂ موسمیات والوں کی پیشگوئی بسا اوقات غلط بھی ہو جاتی ہے، ان کا اعلان ظنِ غالب کی بنیاد پر ہوتا ہے مگر چیونٹی اور دیگر حشرات الارض کو اسکا ایسا علم ہوتا ہے کہ وہ قبل از وقت اپنے انڈے اور غذائی سامان وغیرہ محفوظ مقامات پر منتقل کر لیتے ہیں۔

فنِ معلوماتِ سیلاب:

سیلاب سے متعلق بھی ماہرینِ فن کوئی یقینی پیشگوئی نہیں کر سکتے مگر دریاؤں کے قریب

بسنے والے جانور سیلاب سے قبل اپنے اپنے انڈے بچے اور دوسرا سامان دُور محفوظ مقامات میں منتقل کر دیتے ہیں۔

فنِّ غوطہ زنی :

انسان غوطہ زنی میں کتنا ہی ماہر ہو مگر دریائی جانوروں کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

فنِّ تیراکی :

کون انسان ہے جو تیرنے میں مچھلی وغیرہ دریائی جانوروں کا مقابلہ کرسکے۔

فنِّ پرواز :

انسان کتنی ہی پرواز کرے، پرندوں کا مقابلہ نہیں کرسکتا، نیز اس انتہائی ترقی کے زمانے میں بھی کوئی طیارہ یا بحری جہاز جبتک کسی نشان کو سامنے نہ دیکھ رہا ہو محض قطب نما سے زاویہ قائم کرکے سیدھا نہیں جا سکتا، بلکہ مقامِ مطلوب کا مقامِ روانگی سے جو زاویہ قائم کرکے چلتا ہے وہ زاویہ دونوں مقامات کے درمیان خطِ مستقیم پر چلنے سے قدم قدم پر بدلتا ہے اسلئے اگر کوئی چیز ایک ہی زاویہ قائم کرکے روانہ ہو تو وہ مقامِ مطلوب تک پہنچنے کی بجائے قطب مقناطیسی کے گرد چکّر کاٹتی رہے گی، اس بنا پر زاویہ کی مدد سے رفتار کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) خطِ مستقیم کے زاویے کی بہ نسبت اتنا بڑا زاویہ رکھا جاتا ہے کہ جہاز چکّر کاٹ کر مقامِ مطلوب پر پہنچ جائے

(۲) خطِ مستقیم کے زاویے پر روانگی شروع کی جاتی ہے پھر ہر ساٹھ میل کے بعد دائیں یا بائیں ایک میل ہٹ کر اس فرق کو نکالا جاتا ہے،

مگر پرندے دُور دراز کا سفر بغیر کسی قطب نما کی مدد کے براہِ راست طے کرتے ہیں، خصوصاً شہد کی مکھی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ثم کلی من کل الثمرٰت فاسلکی سبل ربک ذللاً الآیۃ، اس سے ثابت ہوا کہ رب کریم کی شانِ تربیت نے شہد کی مکھی کی پرواز کے لئے بہت دُور دراز کے راستے مسخر فرما دیئے ہیں، مکھیوں کے ماہرین اسکا مشاہدہ بتاتے ہیں۔

فنِّ دفاع :

حیوانات کے دفاعی مکانوں کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے، مزید برایں دشمنوں سے اپنی حفاظت کے طریقے بھی اللہ تعالیٰ نے ہر حیوان کو القاء فرمائے ہیں۔

فنِّ کسبِ معاش :

جہاں تک کسبِ معاش کا تعلق ہے یہ ایک بدیہی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انکو علمِ معاشیات

میں وہ کمال عطا فرمایا ہے کہ آجکل کے ماہرینِ معاشیات کو اس کا عشرِ عشیر بھی نصیب نہیں، نیز حیوانات کو اللہ تعالیٰ نے توکّل کی کتنی بڑی دولت عطا فرمائی ہے، اوّل تو کئی حیوانات پرندے وغیرہ ایسے ہیں کہ وہ کل کی فکر نہیں رکھتے، اور بعض حیوانات جیسے چیونٹی وغیرہ ذخیرہ جمع کرتے ہیں تو ان کو بلا شبہہ یہ بھی خوب معلوم ہے کہ کس جگہ ان کو رکھا جائے تاکہ سردی گرمی کے اثر اور دشمنوں کی لوٹ مار سے انکی حفاظت ہو سکے، غرضیکہ اس فن میں بھی حیوانات کو یدِ طولیٰ حاصل ہے۔

فنِّ تخریجِ اوقات :

مُرغ کو دیکھا ہوگا کہ وہ بغیر لمبی چوڑی حسابی تخریجات کے کس طرح اوقات کا پتہ دیتا ہے، خاص طور پر ظہر، صبح صادق، صبح کاذب اور آدھی اور تین چوتھائی رات میں تو ٹھیک وقت پر بانگ دیتا ہے حتّٰی کہ بعض دیہاتوں میں رات کے اوقات بالخصوص سحری کا دار و مدار مُرغ کی آواز پر ہوتا ہے۔

یہ فنون دنیویہ کی چند ایسی مثالیں ذکر کی گئی ہیں جنکا ہر شخص مشاہدہ کر رہا ہے ورنہ ماہرینِ حیوانات تو خدا جانے حیوانات کے کن کن کمالات کی اطلاع پا چکے ہیں، معہٰذا انکی معلومات سے مجہولات زیادہ ہیں غرضیکہ دُنیا کے علوم و فنون میں سے کسی کو بھی لے لیں اور خود انصاف سے فیصلہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ان علوم و فنون میں کوئی ایسا نہیں جسمیں انسان منفرد ہو بلکہ ان تمام علوم میں انسان کے ساتھ حیوان بھی شریک ہے، اسلئے قرآن و حدیث میں جس علم کی تعریف کی گئی ہے اور جسے انسان کا زیور بلکہ وجہِ امتیاز بتایا گیا ہے وہ علم ایسا ہونا چاہیئے جسمیں انسان منفرد ہو اور وہ علم دین ہی ہے جیسا کہ ہم پیچھے وضاحت سے ذکر کر چکے ہیں۔

(۳) کسی بھی علم کی شرافت معلوم کی شرافت کی وجہ سے ہوتی ہے جیسا کہ سُنار اور موچی کا علم شرافت میں متفاوت ہے، علوم شرعیہ کی معلومات قرآن و حدیث ہیں اور علوم دُنیا کی معلومات صنعت و حرفت وغیرہ ہیں، اور ظاہر ہے کہ قرآن و حدیث اللہ و رسول کی تعلیمات ہیں اس لئے وہ صنعت و حرفت پر شرافت کے لحاظ سے بہت فوقیت رکھتی ہیں تو ان کا علم بھی اعلیٰ و اشرف ہوگا اور حدیث میں اسی اعلیٰ و اشرف علم کی فضیلت وارد ہوئی ہے۔

(۴) دنیوی علوم کا ماحصل یہ ہے کہ اس دُنیا کی عارضی زندگی سنور جائے، گویا علوم دنیویہ عارضی زندگی کا موقوف علیہ ہیں، بخلاف علومِ اسلامیہ کے کہ وہ وطن اور ہمیشہ کی زندگی کا موقوف علیہ ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جو وطن اور دائمی زندگی کا موقوف علیہ ہے وہ اعلیٰ و اشرف ہوگا۔

(۵) دُنیوی علم اپنے ہم جنس انسانوں میں زندگی گزارنے اور انکے ساتھ تعلقات اور رابطہ رکھنے کا ذریعہ ہے اور علمِ آخرت اپنے خالق اور احکم الحاکمین کیساتھ تعلق اور رابطہ کو استوار رکھنے کا ذریعہ ہے اسی سے انکی رضا

حاصل ہوتی ہے اسلئے بندہ اور خالق میں جو فرقِ مرتبہ ہے وہی علمِ دنیا وعلمِ دین میں ہے ان وجوہ کی بنا پر علمِ آخرت کو کمال اور علمِ دنیا پر شرف حاصل ہے اسلئے جہاں مطلق علم بولا جاتا ہے اس سے اس کا فردِ اشرف واکمل یعنی علمِ دین مراد ہوتا ہے۔

اصطلاحِ شرع میں صرف علمِ دین کے ساتھ لفظِ علم کا اختصاص اس حد تک عام معروف و مشہور ہے کہ اہلِ اسلام میں قبل از اسلام کے لئے زمانۂ جاہلیت اور کافر کے لئے جاہل کی اصطلاح عام زبان زد ہے۔ کتبِ بلاغت میں یہ مثال بکثرت مذکور ہے قول الجاھل انبت الربیع البقل و شفی الطبیب المریض، ابوجہل مشہور دانشور ہونے کی وجہ سے ابوالحکم کے لقب سے معروف تھا مگر دولتِ ایمان سے حرمان کی وجہ سے ابوجہل بن گیا۔ عام مقولہ ہے "علمے کہ بحق رہ ننماید جہل است"

وقال العارف الرومی رحمہ اللہ تعالیٰ ؎

فکر آں باشد کہ بکشاید رہے　　　راہ آں باشد کہ پیش آید شہے

ذکرِ چین:

حقیقتِ مذکورہ دلنشین ہوجانے کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ حدیث میں ذکرِ چین کا کیا مطلب؟ چین عہدِ رسالت میں بھی علمِ دین سے عاری تھا اور بعد میں بھی اب تک وہاں سے علمِ دین کی تحصیل کا کچھ مطلب نہیں بنتا اور نہ ہی آئندہ کے لئے اس کی کوئی توقع نظر آتی ہے۔

اسکا جواب یہ ہے کہ یہ اشکال جس طرح علمِ دین سے متعلق پیدا ہوتا ہے اسی طرح علمِ دنیا مراد لینے پر بھی یہی اشکال لازم آتا ہے، اسلئے کہ علومِ دنیویہ میں بھی چین کو کوئی خصوصیت حاصل نہیں بلکہ دوسرے ممالک کو چین پر ہمیشہ فوقیت رہی ہے۔ بالفرض علومِ دنیویہ میں چین کی کوئی برتری تسلیم بھی کرلی جائے تو بھی حقیقت وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی، یعنی کلامِ محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم میں علم سے علمِ دین ہی مراد ہے اور چین کا ذکر صرف بُعدِ مسافت میں تمثیل کے طور پر ہے۔ مقصد یہ ہے کہ علمِ دین کی تحصیل میں خواہ کتنا ہی طویل سفر کرنا پڑے اور کتنی ہی مشقت برداشت کرنی پڑے تو بھی اس فریضہ میں تساہل کی کوئی گنجائش نہیں، عام محاورہ میں اس قسم کے کلام سے بُعدِ مسافت میں تمثیل مراد ہوتی ہے نہ کہ اس مقام کی تعیین، کما ھو ظاھر علی من تتبع وتفکر فی کلام الناس، وھذا ھو الحق الصریح لمن شاء ان یکون النجیح۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۸ رجب سنہ ۹۵ھ

بسم الله الرحمن الرحيم

وما توفيقي إلا بالله عليه توكلت وإليه أنيب

كشف الغطاء

عن

حقيقة اختلاف العلماء

اختلاف العلماء کی تحقیق

(اقتباس از تقریر صحیح بخاری)

علماء کے اختلاف کا ختم ہوجانا ناممکن ہے اور اس کی تمنّا رکھنے والا بہت بڑا احمق ہے، اسلئے کہ علماء کا اتفاق صرف اس صورت میں ہوسکتا تھا کہ قرآن و حدیث میں ہر شخص کے متعلق ہر فعل کی ہر کیفیت کا حکم منصوص ہو، اور یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ دُنیا میں انسان غیر محصور ہیں اگرچہ غیر متناہی نہیں پھر ہر شخص کے افعال غیر محصور اور ہر فعل کی کیفیات اور احکام غیر محصور، پس اگر اتنی مفصّل کتاب نازل کردی جاتی جس میں ہر ہر جزئیہ مذکور ہو تو وہ اتنی ضخیم ہوتی کہ نہ تو اس کی حفاظت ممکن ہوتی اور نہ اس کا نقل کرنا انسان کی قدرت میں ہوتا اور نہ ہی اس سے استفادہ کی کوئی صورت ممکن ہوتی، غیر محصور انسانوں میں سے اپنا نام تلاش کرنا ہی مشکل ہوجاتا، پھر اپنے غیر محصور افعال کے غیر محصور احکام میں سے کسی حکم کا تلاش کرنا ناممکن ہوتا۔ پس ایسی کتاب کا نازل کرنا کہ اس سے انسان استفادہ نہ کرسکے اور اس کی حفاظت سے بھی عاجز ہو یہ ایک عیب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ میں عیب کا ہونا ناممکن ہے۔ لہٰذا اختلاف کا مٹنا بھی ناممکن ہے اور ناممکن کی تمنا کرنے والا احمق ہوگا۔ پس ضروری ہوا کہ قرآن و حدیث میں جزئیات کے بجائے کُلّیات مذکور ہوں جن سے ہر ہر جزئیہ کا حکم مستنبط کیا جائے اور کُلّیات سے استنباط میں انسان کی عقل و فہم کا دخل ہوتا ہے، اور انسانوں کی عقول مختلف ہیں جس کی وجہ سے مسئلہ میں اختلاف پیدا ہوجاتا ہے بعض دفعہ جزئیہ ایک ہوتا ہے اور کُلّیات بھی فریقین میں مسلم ہوتے ہیں مگر اختلاف اسمیں ہوتا ہے کہ یہ جزئیہ کس کلی کے تحت درج ہے۔ اس کی مثال یُوں سمجھیں کہ جج کے پاس کسی مقدمہ میں مُدعی اور مدعیٰ علیہ کے وکلاء اختلاف کرتے ہیں، حالانکہ جزئیہ بھی ایک ہے، جس پر دونوں بحث کر رہے ہیں اور جن قوانین سے اپنے نظریے کو ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ قوانین بھی ایک ہی حکومت کے اور فریقین کے ہاں مسلّم ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود دونوں وکیلوں میں یوں اختلاف ہوتا ہے کہ مدعی کا وکیل کہتا ہے کہ فلاں قانون کی رُو سے اس جزئیہ میں مدعیٰ علیہ کو سزا ہونی چاہیئے اور مدعیٰ علیہ کا وکیل یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ جزئیہ اس قانون کے تحت نہیں آتا جو مدعی کے وکیل نے بیان کیا ہے بلکہ دوسرے قانون سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے جس کے لحاظ سے مدعیٰ علیہ بری ہوتا ہے۔ غرضیکہ ان دونوں کی بحث اسمیں ہوتی ہے کہ یہ جزئیہ کس کلّیہ کا فرد ہے اور کونسا قانون اس پر منطبق ہوتا ہے۔ ہم شب و روز دیکھتے ہیں کہ وکلاء کی بحثیں اسی طرح جاری رہتی ہیں اور دونوں وکیل حکومت کے مجاز ہوتے ہیں۔ ان کے اختلاف پر نہ ہی فریقین کو اعتراض ہوتا ہے اور نہ ہی دوسرے

لوگ اسے بُرا سمجھتے ہیں اور نہ جج اُن کے اختلاف پر ناراض ہوتا ہے، نہ حکومت انھیں اختلاف سے روکتی ہے بلکہ انھیں خوب بحث کرنیکا اور دلائل بیان کرنیکا موقع دیا جاتا ہے، اور جو وکیل زیادہ بحث کرتا ہے اُسے داد ملتی ہے۔ اسکے بعد جج دونوں میں سے جس کے دلائل کو راجح پاتا ہے اسی کی جانب فیصلہ دیدیتا ہے مگر دوسرے وکیل کی نہ اجازت سلب کی جاتی ہے اور نہ اس کو سزا دیجاتی ہے اور نہ ہی اسے بُرا سمجھا جاتا ہے بلکہ آئندہ مقدمات میں پھر اسے بدستور بحث کرنے کی اجازت ہوتی ہے، بعینہٖ یہی مثال علماء کی ہے کہ جزئیہ معینہ پر کونسا کلیہ منطبق ہوتا ہے اسمیں ان کا اختلاف ہو جاتا ہے۔ دُنیا میں اختلاف وکلاء کے علاوہ اور بھی کئی قسم کے اختلافات ہم دیکھتے اور سُنتے رہتے ہیں، مثلاً سیاسی اختلاف اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اسمبلیوں میں بعض دفعہ کرسی بازی تک کی نوبت آجاتی ہے۔ اسی طرح علم العلاج میں بھی بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایلوپیتھی۔ ہومیوپیتھی۔ یونانی اور ویدک وغیرہ کے تو اصول ہی مختلف ہیں۔ چنانچہ ایلوپیتھی میں علاج بالضّد ہوتا ہے اور ہومیوپیتھی میں علاج بالمثل۔ پھر ہر طریقۂ علاج میں مرض کی تشخیص اس کے اسباب اور تجویز دوا اور خوراک پرہیز اور دوا کی مقدار، دوا کی خوراکوں کی تعداد اور دوا کے طریقۂ استعمال میں اختلاف ہوتا ہے، خواہ ایک ہی طریقہ کے دو ماہرین کو یعنی دو ڈاکٹروں یا دو حکیموں کو دیکھا جائے تو وہ بھی آپس میں مختلف ہونگے مگر اس کے باوجود اس اختلاف کو کوئی بُرا نہیں کہتا اور اختلاف کرنے والوں پر کوئی اعتراض نہیں کرتا اور ان کے اختلافات کو دیکھ کر کوئی علاج نہیں چھوڑ دیتا بلکہ جس حکیم یا ڈاکٹر پر اعتماد ہوتا ہے اسی سے علاج کروایا جاتا ہے۔ علماء کا اختلاف اس سے بہت کم درجہ رکھتا ہے اس لئے کہ ان کے اصول متحد ہیں۔ معہٰذا اس اختلاف کو بُرا کہا جاتا ہے اور علماء کو طعن کا ہدف بنایا جاتا ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہمیں کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کس عالم کی بات مانیں، حقیقت میں یہ نتیجہ ہے دین اور علم دین کی طرف سے بے توجہی اور بے رغبتی کا۔ علاج جسمانی کی اہمیت ہے اس لئے ڈاکٹروں کا اختلاف علاج سے مانع نہیں بنتا۔ اس کے برعکس باطنی امراض کے علاج کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی دین کی قلب میں اہمیت نہیں اس لئے اختلافِ علماء کو حیلہ بنایا جاتا ہے۔ یہانتک اس کا بیان تھا کہ اختلاف ہونا لازمی امر ہے اور اس کا مٹانا ناممکن ہے، آگے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اختلاف کی تین قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ فریقین کا نقطۂ نظر رضائے الٰہی ہو، ہر شخص یہ خیال کرے کہ جو میں کہتا ہوں اس میں دین کا فائدہ ہے اور فریقِ مخالف کا جو نظریہ ہے اس میں دین کا ضرر ہے اس صورتمیں جانبین پر یہ اختلاف فرض ہوتا ہے جس میں جانبین کو ثواب ملتا ہے اگر یہ اختلاف کو چھوڑ دیں تو گنہگار ہونگے۔

دوم یہ کہ جانب واحد کا مقصد رضائے الٰہی ہو اور دوسری جانب صرف اتباعِ ہوٰی کی خاطر

اختلاف کر رہی ہو۔ مثلاً ایک شخص دوسرے کو نماز کی تلقین کرتا ہے اور منکرات سے روکتا ہے، نہ رکنے کی صورت میں اس سے اختلاف کرتا ہے اور دوسرا شخص صرف اس لئے اسکا مخالف ہے کہ یہ اسے منکرات سے کیوں روکتا ہے؟ تو پہلے شخص پر یہ اختلاف واجب ہے اور دوسرے پر حرام۔

سوم یہ کہ دونوں خواہشاتِ نفسانیہ کی بنا پر اختلاف کر رہے ہوں۔ یہ اختلاف جانبین کے لئے حرام ہے۔ اور اس کا ترک واجب ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اختلاف قسم اوّل کا اختلاف تھا۔

جوازِ اختلاف کی شرائط:

(۱) اختلاف کے محمود ہونے کی شرط اوّل یہ ہے کہ اسکا منشأ رضائے الٰہی ہو۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ اختلاف کرنے والے کا نظریہ بداہت کے خلاف نہ ہو۔ مثلاً کوئی شخص اونٹ کو بکری کہنے لگے اور یہ کہے کہ میری تحقیق یہی ہے۔ میں اپنی دیانت واخلاص سے یہی سمجھتا ہوں، اس کے باوجود اس اختلاف کو محمود نہیں کہا جا سکتا بلکہ مذموم ہے۔

مَآ اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِىْ کے خلاف قول کرنا بھی اسی میں داخل ہے۔ اس لئے کہ جس طرح قرآن اپنے مفہوم میں سنت کا محتاج ہے بعینہٖ اسی طرح کتاب وسنت دونوں اپنے مفہوم میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے محتاج ہیں۔ یعنی کتاب وسنت کا مفہوم وہی لیا جائے گا جو صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سمجھا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہٹ کر کتاب وسنت کا مفہوم سمجھنا ضلال ہے، اس پر مختصر دلائل یہ ہیں۔

(۱) اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں صراطِ مستقیم کی تفسیر صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے کی گئی ہے۔ الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی تفسیر صِرَاطَ اللهِ یا صِرَاطَ الرَّسُوْلِ یا صِرَاطَ الْقُرْاٰنِ سے نہیں کی گئی اس لئے کہ لوگ اس کے مفہوم میں اختلاف کرتے اور ہر شخص اپنے متعیّن کردہ مفہوم کو صراطِ قرآن قرار دیتا لہٰذا صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے وضاحت کر دی کہ صراطِ مستقیم سے مراد منعم علیہم بندوں کا راستہ ہے جو ایک جماعت ہے۔

(۲) وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ، اس میں بھی سبیل اللہ کی بجائے سبیل المؤمنین فرمایا گیا۔

(۳) قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِىْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِىْ، اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے سَبِيْلِىْ کے بعد اَنَا پر مَنِ اتَّبَعَنِىْ کا عطف فرما کر اس کی وضاحت فرما دی

کہ سبیل رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہے جس کی طرف آپ کے متبعین یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم دعوت دے رہے ہیں۔

④ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ عَضُّوْا عَلَیْهَا بِالنَّوَاجِذِ۔ سُنَّتِیْ کے بعد سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ کا ذکر کرنا کھلی دلیل ہے کہ سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہی ہوگی جو خلفا راختیار کریں گے، یعنی یہ عطف تفسیری ہے، اور اس کے سوا اس کے دوسرے کوئی معنی نہیں ہوسکتے۔

⑤ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ ناجی فرقہ وہ ہے جو مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ کے مطابق ہوگا، اگر سنت اپنے مفہوم میں صحابی کی محتاج نہ ہوتی تو صرف مَا اَنَا عَلَیْهِ کہدینا کافی تھا وَاَصْحَابِیْ کا لفظ بیکار ہو جاتا ہے۔

⑥ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ النجوم امنة للسماء اصحابی امنة لامتی (رواہ مسلم)

⑦ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مغفور لہم ہونا نصِّ قرآنی سے بھی ثابت ہے۔ فرماتے ہیں وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی اور دوسری جگہ فرمایا اَلَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰی اُولٰٓئِکَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ۔ دونوں آیتوں کے ملانے سے نتیجہ یہ نکلا کہ کُل صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ناجی ہیں۔

⑧ یہ امر عقلاً بھی ظاہر ہے کہ قرآن وحدیث کا مفہوم وہی متعین ہوگا جو صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سمجھا اس لئے کہ متکلم کی مراد سمجھنے میں چند امور کا دخل ہوتا ہے۔ مثلاً اہلِ زبان ہونا۔ متکلم کی حالت سے باخبر ہونا۔ متکلم سے ظاہری اور باطنی قرب ہونا۔ کلام کے شانِ ورود سے واقف ہونا۔ یعنی یہ کلام کس محل اور کس موقع پر اور کس وقت واقع ہوا؟ اور متکلم کے لہجہ کو سُننا۔ اس کے ہاتھ اور چہرہ کے آثار کو دیکھنا خصوصاً اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سمجھنے میں تقدس و تقوی اور باطن کی طہارت اور نورِ قلب نہایت ضروری ہے۔

یہ سب امور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں بدرجہ اتم موجود تھے۔ اسی لئے جب کوئی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے کسی حکم کی مزید تاکید بیان کرنا چاہتے ہیں تو روایت کرتے وقت یوں فرماتے ہیں۔ ابصرتہ عینای وسمعتہ اذنای ووعاہ قلبی۔

ان لوگوں کا اہلِ حق سے اصولی اختلاف ہے جو قرآن و حدیث کو صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تفسیر کا محتاج نہیں سمجھتے جیساکہ پرویز قرآن کو حدیث کا محتاج نہیں سمجھتا۔

کتاب اللہ وسنتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ہم قافیہ کرنے کے لئے میں اس جماعتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو رجال اللہ سے تعبیر کیا کرتا ہوں۔ اور یہ لفظ ماخوذ ہے رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ سے۔

③ جوازِ اختلاف کی تیسری شرط یہ ہے کہ اختلاف کرتے وقت الاھم فالاھم کا خیال رکھا جائے۔ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مابین اختلاف کے زمانے میں قیصر روم نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے اپنے کو مطمئن سمجھ کر ایران کے کچھ حصّہ پر قبضہ کرنا چاہا جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولایت میں تھا اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملک روم کو لکھا، واللہ لئن لم تنتہ وترجع الی بلادک یا لعین لاصطلحن انا وابن عمی علیک ولاخرجنک من جمیع بلادک ولاضیقن علیک الارض بما رحبت، وفی جمھورۃ رسائل العرب وبلغ معاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان صاحب الروم یرید قصد بلاد الشام ایام صفین فکتب الیہ تاللہ لئن تممت علی ما بلغنی لاصالحن صاحبی ولاکونن مقدمۃ الیک ولاجعلن القسطنطینیۃ الحمراء حممۃ سوداء ولانزعنک من الملک نزع الاصطفلینۃ ولاردنک اریسا من الارارسۃ ترعی الدوابل وفی روایۃ کما کنت ترعی الخنانیص،

غرضیکہ اہم اختلاف کے ہوتے ہوئے ادنیٰ اختلافات کو چھوڑ کر متحد ہو جانا ضروری ہے۔ اَللّٰهُمَّ اَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِنَا وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا وَانْصُرْنَا عَلٰى عَدُوِّكَ وَعَدُوِّنَا، آمین

رشید احمد

اواخر شعبان سنہ ۸۶ ہجری

بسم الله الرحمن الرحیم

الانبیاء اخوة من علات امهاتهم شتی ودینهم واحد (متفق علیه)

★

تنبیہ المغفلین
فی
بیان التفاضل بین المرسلین

تفاضل انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام

(اقتباس از تقریر صحیح بخاری)

عام طور پر واعظین کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تفضیل دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر بیان کرتے ہیں اور اس میں ایسی چیزیں بیان کرتے ہیں جو فی نفسہ غلط ہیں، اور اگر کوئی چیز صحیح بھی تسلیم کرلی جائے تو بھی اس طریقے سے فضیلت بیان کرنا جو دوسرے نبی کی تنقیص پر شامل ہو جائز نہیں. اس بارے میں بظاہر احادیث متعارض نظر آتی ہیں چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا تخیروني على الانبياء اور فرمایا لا تفضلوا انا خیر من یونس بن متی حالانکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مقامات پر اپنی فضیلت بیان فرمائی چنانچہ فرماتے ہیں انا سید ولد آدم ولا فخر اور فرمایا انا صاحب اللواء یوم القیمۃ وآدم تحت لوائی اور فرمایا کنت نبیا وآدم بین الماء والطین ، حدیث شفاعۃ میں بھی آپ نے اپنی فضیلت سب انبیاء علیہم السلام پر بیان فرمائی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ایک قصیدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پڑھا جس میں آپ کو سب انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی گئی ہے مولانا جامی رحمہ اللہ نے بھی اس قصیدہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے ؎

زجودش گر نبودے راہ مفتوح بجودی کے رسیدے کشتئ نوح

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قصیدہ پر انکار نہیں فرمایا، ان روایاتِ متعارضہ میں وجہ تطبیق یہ ہے کہ طرزِ بیان اگر ایسا ہے کہ وہ کسی نبی کی تنقیص کا موہم نہ ہو تو جائز ہے اور جہاں ایک نبی کا دوسرے نبی سے مقابلہ کرکے ایک کو ترجیح دی جائے چونکہ اس میں دوسرے نبی کی تنقیص ہوتی ہے اس لئے جائز نہیں جن مواقع پر آپ نے اپنی تفضیل سے منع فرمایا ہے وہ ایسے ہی تقابل کے مواضع تھے چنانچہ لا تخیروني على الانبياء اس وقت فرمایا جبکہ ایک یہودی کا مسلمان سے جھگڑا ہوا مسلمان نے کہا واللہ الذی اصطفی محمدا صلی اللہ علیہ وسلم علی العالمین اور یہودی نے کہا واللہ الذی اصطفی موسیٰ علیہ السلام علی العالمین تو اس مسلمان نے یہودی کے طمانچہ مار کر کہا علی محمد ایضاً؟ وہ یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لیکر آیا، آپ نے سارا واقعہ سنا تو فرمایا لا تخیروني على الانبياء ، غرضیکہ جہاں دو نبیوں میں تقابل ہو رہا ہو جس میں ایک کی تفضیل دوسرے کی تنقیص کو مستلزم ہو، اس قسم کی تفضیل سے منع فرمایا،

واعظین عموماً مندرجہ ذیل وجوہ فضیلت بیان کرتے ہیں۔

(۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے،

اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر لاٹھی مار کر پانی نکالا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے پانی نکلا جبکہ آپ نے ایک پیالہ میں ہاتھ ڈالا تو پانی کا فوارہ پھوٹ پڑا۔ پتھر سے پانی نکلنا کچھ بعید نہیں۔ پتھروں سے تو چشمے نکلتے ہی ہیں، انگلیوں سے یعنی انسان کی ہڈی اور گوشت سے چشمہ جاری ہو جانا یہ بڑا کمال ہے۔

(۲) کوہ طور پر اللہ تعالیٰ کی تجلی دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم عرش پر تشریف لے گئے اور بلا حجاب اللہ تعالیٰ کو دیکھا مگر بیہوش نہیں ہوئے۔

(۳) موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لیکر جا رہے تھے کہ فرعون کے لشکر نے تعاقب کیا، بنی اسرائیل نے جب دیکھا کہ سامنے دریائے نیل ہے اور پیچھے فرعون کا لشکر ہے تو گھبرائے۔ اسوقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا انّ معی ربّی سیھدین۔ اس کلام میں ایک نقص تو یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نفس کو لفظ رب پر مقدم کیا اور دوسرا یہ کہ رب کی معیت صرف اپنے ساتھ بیان کی اور قوم کو چھوڑ دیا۔ اس کے برعکس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غار ثور میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے جواب میں فرمایا لا تحزن ان اللہ معنا اس میں اللہ کے لفظ کو مقدم فرمایا اور معنا کہہ کر معیتِ الٰہیہ کو عام رکھا صرف اپنے ساتھ مختص نہیں کیا۔

(۴) حضرت نوح علیہ السلام نے بددعا کر کے ساری قوم کو غرق کرا دیا، اس کے برعکس طائف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے کہ اگر حکم ہو تو میں ان لوگوں کو ان دو پہاڑوں کے درمیان کچل دوں۔ آپ نے فرمایا کہ میں رحمۃٌ للعالمین بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

یہ وجوہ ترجیح اگر صحیح ہوتیں تو بھی ان کا اس طریقہ سے بیان کرنا جائز نہ ہوتا اس لئے کہ اسمیں دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تنقیص ہے۔ ایک بھائی کی تعریف یوں کیجائے کہ وہ اسکے دوسرے بھائی کی تنقیص کو متضمن ہو تو باعثِ مسرت ہونے کی بجائے غیظ و غضب کا سبب ہوتی ہے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہ وجوہ فضیلت جو اوپر بیان کی گئی ہیں فی نفسہٖ غلط ہیں۔

(۱) اس میں موسیٰ علیہ السلام کی بھی تنقیص ہے اور ساتھ ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تنقیص ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی تنقیص تو ظاہر ہے کہ وہ معجزہ جسے اللہ تعالیٰ نے بار بار بطور امتنان ذکر فرمایا ہو اس کے متعلق یہ کہدینا کہ کوئی بڑی بات نہیں کتنی بڑی جرأت ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص یوں ہے کہ کسی روایت سے یہ ثابت نہیں کہ آپ کی انگلیوں سے پانی نکلا بلکہ حقیقت اس واقعہ کی یوں ہے کہ آپ نے پانی میں ہاتھ رکھا جس کی برکت سے وہ پانی زیادہ ہو گیا اور انگلیوں کے درمیان سے اُبھرتا ہوا نظر آ رہا تھا تو معجزہ کا دعوی کر کے اسے ثابت نہ کر سکنا موجب تنقیص ہے۔ لہذا یہ وجہ ترجیح و تفضیل دوستیٔ نادان کی حیثیت رکھتی ہے۔

(۲) گھر میں بیٹھ کر کوئی بات کر لینا سہل ہے۔ کمال تو یہ ہے کہ خصم کے سامنے بات کریں۔ غور کیجئے کہ اگر ہم یہی وجہ ترجیح کسی یہودی کے سامنے بیان کریں اور وہ جواب میں یوں کہدے کہ ہمارا نبی اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر بیہوش ہوا اور تمہارا نبی ایک دفعہ جبرئیل علیہ السلام کو دیکھ کر بیہوش ہوگیا تو ہمارے پاس سوائے ندامت کے اسکا کیا جواب ہوگا؟ حقیقت یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو تجلّی عالمِ دُنیا میں ہوئی تھی اور عالمِ دُنیا کے قویٰ ضعیف ہیں جو تجلی الٰہی کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جبرئیل علیہ السلام کو دیکھکر بیہوش ہوجانا اسی وجہ سے تھا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج پر تشریف لے گئے تو آپ کو وہاں کے حالات دکھانے کے لئے اُس عالم کے مناسب قویٰ عنایت کر دیئے گئے تھے چنانچہ معراج سے قبل آپ کا شقِّ صدر اور غسل بمارِ زمزم اسی لئے کیا گیا تھا کہ آپ میں عالمِ اعلیٰ کی قوت پیدا ہوجائے لہٰذا ایک عالم کو دوسرے پر قیاس کرنا جہالت ہے اور پھر قصۂ معراج میں عرش سے تجاوز کر جانا وغیرہ بہت سی خرافات ایسی بیان کی جاتی ہیں جو اصولِ شریعت کے خلاف ہیں اور رؤیتِ باری تعالیٰ میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف[ع] ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں من زعم انہ رای ربہ فقد اعظم علی اللہ الفریۃ

(۳) یہ ایسی غلطی ہے کہ اس میں بعض مصنّفین بھی مبتلا ہوگئے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور موسیٰ علیہ السلام دونوں کا کلام اپنی اپنی جگہ بلاغت کے اعلیٰ معیار پر ہے اور اپنے اپنے مواقع و محل کے عین مناسب ہے۔ اگر موسیٰ علیہ السلام اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا کہہ دیتے تو کلام میں بلاغت نہ رہتی۔ ایسے ہی اگر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ فرماتے تو موقع کے غیر مناسب ہونے کی وجہ سے کلام بلیغ نہ رہتا۔ تعجب ہے علامہ تفتازانی پر کہ فنِ فصاحت و بلاغت میں تصنیف کر رہے ہیں اور اسی میں غلطی کر رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو کلامِ موسیٰ علیہ السلام پر ترجیح دے رہے ہیں۔ غالباً یہ غلطی علامہ بیضاوی سے بھی ہوئی ہے اب ذرا تفصیل ملاحظہ ہو جس سے ثابت ہوگا کہ ہر نبی کا کلام اپنے موقع میں نہایت بلیغ ہے حضرت موسیٰ کی قوم اسقدر ضعیف الایمان واقع ہوئی تھی کہ اللہ کے حکم سے اللہ کے نبی کے ساتھ جا رہے ہیں اور نبی بھی ایسا کہ اسکے معجزات صرف معقول نہیں تھے بلکہ محسوس مبصر تھے جس سے کم عقل آدمی بھی یقین حاصل کر سکتا ہے۔ اس حالت میں ان لوگوں کو اپنی گرفتاری کا وہم تک نہ آنا چاہیئے تھا مگر انھوں نے لشکرِ فرعون کو دیکھتے ہی وسوسہ تو کیا یقینی طور پر کئی تاکیدات کے ساتھ حکم لگا دیا اِنَّا لَمُدْرَکُوْنَ لفظ اِنَّا اور لام تاکید اور جملۂ اسمیہ لاکر اس یقین کے استحکام کو ظاہر کیا، اب قابلِ غور مقام ہے کہ ایسی قوم جسے خدا و رسول کے وعدے پر اطمینان نہ ہو اور وہ اس کے خلاف کا یقین رکھتی ہو اور اسے تین تاکیدات سے بیان کر رہی ہو

ع قول رؤیت راجح ہے ۱۲ منہ

یعنی یقیناً یقیناً یقیناً پکڑ لئے گئے تو ایسی قوم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت اور مدد کیسے ہو سکتی ہے؟ لہٰذا موسیٰ علیہ السلام نے "اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ" میں بغرض حصر "مَعِیَ" کو مقدم کیا اور ضمیر متکلم مفرد لائے کہ میرے ساتھ ہی میرے رب کی معیت ہے اس کی برکت سے تم بھی بچ جاؤ گے، ورنہ تم تو اس لائق ہو کہ یا تو فرعون کے ظلم کا شکار ہو جاؤ یا دریا میں غرق ہو جاؤ تو مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ رب کی معیت صرف میرے ساتھ ہے تم اس معیت کے لائق نہیں ہو۔ پس اگر "اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا" فرماتے تو خلافِ مقصود ہوتا لہٰذا کلام بلاغت کے معیار سے بالکل گر جاتا، اس کے برعکس غارِ ثور میں صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کامل تھا اور بطور وسوسہ جو یہ لفظ زبان پر آئے کہ اگر کفار ذرا جھک کر دیکھیں تو ہمیں پکڑ سکتے ہیں، اوّلاً یہ صرف وسوسہ کے درجہ میں تھا جس پر مواخذہ نہیں، ثانیاً یہ کہ اس وسوسہ کا منشار خوف علی النفس نہیں تھا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر خوف تھا جو دلیل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کمال محبت اور کمال ایمان کی، چنانچہ لَا تَخَفْ کی بجائے لَا تَحْزَنْ اس کی وضاحت کر رہا ہے اس لئے کہ خوف نفس پر ہوتا ہے اور حُزن کسی محبوب چیز کے جُدا ہونے پر ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو خوفِ نفس نہیں تھا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جُدا ہو جانے کا خطرہ تھا، لہٰذا آپ نے اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا فرما کر واضح کر دیا کہ صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان اتنا کامل ہے کہ جیسے اللہ کی معیت میرے ساتھ ہے ایسے ہی ان کے ساتھ بھی ہے۔ اگر اس موقع پر آپ "اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ" فرماتے تو مقصود ادا نہ ہوتا اور کلام میں بلاغت نہ رہتی۔

(۴) حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں یہ کہنا کہ انھوں نے بددعا کے ذریعہ قوم کو تباہ کرا دیا، یہ قرآن سے بےخبری کا نتیجہ ہے قرآن کریم میں اگر حضرت نوح علیہ السلام کے قصّہ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو قوم پر بڑی شفقت تھی اور کسی صورت میں بھی انھیں ان کا ہلاک ہونا پسند نہ تھا، چنانچہ فرماتے ہیں "لَا تَبْتَئِسْ بِمَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ" اس سے معلوم ہوا کہ نوح علیہ السلام کو قوم کی بدعملی پر دُکھ ہوتا تھا جو شفقت اور محبت کی دلیل ہے دشمن کی بدعملی پر دُکھ نہیں ہوا کرتا بلکہ مسرّت ہوتی ہے۔ ساڑھے نو سو سال تک نوح علیہ السلام ان کی بدعملی پر دُکھ اُٹھاتے رہے، ساڑھے نو سو سال کی مدّت قابلِ غور ہے۔ کہنے میں آسان ہے مگر اتنی مدت تک بدعملیاں دیکھتے رہنا اور اس پر غمناک ہوتے رہنا پھر بھی صبر و استقلال کا دامن نہ چھوڑنا بہت بڑا معجزہ ہے۔ اس کے باوجود جب ان کے غرق کا حکم ہوتا ہے تو نوح علیہ السلام بہت اصرار اور الحاح سے ان کی سفارش کرتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے لَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اِنَّھُمْ مُّغْرَقُوْنَ، ثابت ہوا کہ نوح علیہ السلام نے سفارش

کی تھی جس سے روکا جا رہا ہے، اور بلاغت کا تقاضا ہے کہ انکار کی شدت کے مطابق جواب میں شدت اور تاکید ہوتی ہے۔ یعنی جواب کی تاکید انکار کی تاکید پر دلیل ہوتی ہے، لَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا میں کس قدر تاکیدات ہیں۔ اوّل یہ کہ لا تشفع کے بجائے لَا تُخَاطِبْنِي فرمانا بہت بڑی تاکید ہے کہ ان کے بارے میں مجھ سے کوئی بات مت کرو اور فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا سے ان کی قباحتِ شان کو ذکر کر کے نوح علیہ السلام کو سمجھانا، پھر لفظ اِنَّ اور جملہ اسمیہ سے مؤکد کرنا یہ سب امور اس پر دال ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کا انکار یعنی شفاعت پر اصرار بہت شدید تھا مگر اس کے باوجود یہ شفاعت قبول نہیں ہوئی اور غرق کا حکم محکم ہو گیا مگر اس کے باوجود بھی نوح علیہ السلام اس تاک میں رہے کہ کہیں سے سفارش کا کوئی موقع اور کوئی حیلہ مل سکے چنانچہ اپنے بیٹے سے متعلق ذرا سی گنجائش پائی تو فوراً سفارش کر دی۔ اسے شفقتِ پدری کا خاصہ نہیں کہا جا سکتا۔ اولاً اس لئے کہ نبی کا تعلق ساری امت کے ساتھ باپ جیسا ہوتا ہے۔ ثانیاً اس لئے کہ اولاد اگر انکار کرتی ہے تو اس پر غیظ و غضب دوسروں کی بہ نسبت زیادہ ہوتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کو جب بیٹے کے انکار پر بھی اتنی شفقت تھی تو دوسروں پر تو اس سے زیادہ ہوگی۔ غرضیکہ بیٹے کی سفارش اس حیثیت سے نہیں تھی کہ وہ بیٹا ہے بلکہ اس وجہ سے تھی کہ کسی اور کے لئے کوئی گنجائش باقی نہ رہی تھی۔ اس کے بعد بیٹے کی سفارش میں بھی جب حضرت نوح علیہ السلام کو سخت تنبیہ کی گئی اور بار بار سفارش کرنے پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا احتمال گذرا تو اس کے تدارک کے لئے اور اپنی رضا کو اللہ تعالیٰ کی رضا میں فنا کرنے کے لئے عرض کیا لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا، تو یہ دعا اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے تھی۔ اور اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ نوح علیہ السلام کی بددعا سے ہی یہ عذاب آیا ہے تو کئی افراد بلکہ کئی قبائل پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بددعا کرنا بھی ثابت ہے۔ پس بددعا کرنے یا نہ کرنے کے مواقع کو انبیاء علیہم السلام ہی خوب جانتے ہیں۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت نوح علیہ السلام کے مقام پر ہوتے تو آپ بھی بددعا فرماتے۔ اور اگر طائف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ پر حضرت نوح علیہ السلام ہوتے تو یقیناً آپ بھی بددعا نہ کرتے۔ فقط والحمد للہ اولاً واٰخراً والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسله الکرام خصوصاً علیٰ سید الانام ما اختلفت اللیالی والایام وھو خیر ختام۔

رشید احمد

۸ محرم ۱۳۸۷ھ یوم الاربعاء

کتاب التفسیر والحدیث

ہو کر کھانے سے ممانعت کی حدیث

سوال: نہی عن الاکل قائماً کے بارے میں فقہ کی عبارات تو موجود ہیں مگر حدیث باوجود لاش کرنے کے نہیں ملی۔ لہٰذا آنحضور کی نظر میں اگر کوئی حدیث ہو تو تحریر فرمائیں۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

ن قتادۃ عن انس رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ نہی ان یشرب ائماً قال قتادۃ فقلنا فالاکل فقال ذاک اشر واخبث (مسلم ص۱۷۳ ج۲) وعند الترمذی ن الاکل قال ذاک اشد، ھذا حدیث صحیح (ص۹ ج۲) اس سے معلوم ہوا کہ روایت مسلم میں قول اللہ تعالیٰ عنہ ذاک اشر بھی مرفوع ہے، دوسری روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے قال ری رحمہ اللہ تعالیٰ ورواہ الضیاء وزاد والاکل قائما (مرقاۃ ص۲۱۷ ج۸) اور نوز السنۃ میں لایأکل ولا یشرب قائما کے تحت مسند احمد و طیالسی کا حوالہ تحریر ہے علاوہ رب سے نہی کی علت اکل میں بطریق اولیٰ موجود ہے اور شرب قائما پر اتنی تشدید ہے کہ قے کر کے پانی نکال دے۔ بعض احادیث میں شرب قائما کا ہے۔ تطبیق میں امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ اعلم ان ھذہ الاحادیث اشکل علی بعض العلماء حتی قال فیہا اقوالا باطلۃ وزاد حتی تجاسر ورام ان یضعف ادعی فیہا دعاوی باطلۃ ولا غرض لنا فی ذکرھا ولا وجہ لاشاعۃ الاباطیل والغلطات یر السنن بل نذکر الصواب ویشار الی التحذیر من الاغترار بما خالفہ ولیس الاحادیث بحمد اللہ تعالیٰ اشکال ولا فیہا ضعف بل کلھا صحیحۃ والصواب ے النہی محمول علی کراھۃ التنزیہ واما شربہ صلی اللہ علیہ وسلم قائما فبیان فلا اشکال ولا تعارض وھذا الذی ذکرناہ یتعین المصیر الیہ واما من زعم غیرہ فقد غلط غلطاً فاحشا وکیف یصار الی النسخ مع امکان الجمع بین الاحادیث ن نسخا لو ثبت التاریخ وانی لہ ذلک واللہ اعلم (نووی علی مسلم کتاب الاشربۃ) ۃ القاری بعد نقل کلام النووی بالاختصار قال الطحاوی ما ملخصہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم النہی الاشفاق علی امتہ لانہ یخاف من الشرب قائما الضرر وحدوث الداء کما

قال لهم اما انا فلا آکل متکئاً انتهی قلت اختلفوا فی هذا الباب بحسب اختلاف الاحادیث فیه فذهب الحسن البصری وابراهیم النخعی وقتادة الی کراهة الشرب قائماً وروی ذلک عن انس رضی الله عنه وذهب الشعبی وسعید بن المسیب وزاذان وطاؤس و سعید بن جبیر ومجاهد الی انه لاباس به ویروی ذلک عن ابن عباس وابی هریرة وسعد وعمر بن الخطاب وابنه عبد الله وابن الزبیر وعائشة رضی الله تعالیٰ عنهم (عمدة القاری ج ۴ کتاب الحج) فقط والله تعالیٰ اعلم

غرہ محرم سنہ ۷۴ھ

سوال مثل بالا

سوال: کیا نہی عن الاکل قائماً کے متعلق کوئی مرفوع حدیث ہے بیّنوا توجروا

الجواب

جمع الفوائد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت منقول ہے (انس) نہی النبی صلی الله علیه وسلم عن الشرب قائماً وعن الاکل قائما للبزار والموصلی (جمع الفوائد ص۲۹۷ ج۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ محرّم سنہ ۷۴ ہجری

حدیث لاترفع عنہم عصاک ادبا کا حوالہ

سوال: تربیت اولاد کے متعلق لاترفع عنہم عصاک ادبا مقولہ ہے یا کہ حدیث؟ اگر حدیث ہے تو اسکا حوالہ مطلوب ہے۔ بیّنوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

حدیث ہے ولا ترفع عنہم عصاک ادبا واخفهم فی الله رواه احمد (مشکوٰۃ جلد اوّل، باب الکبائر وعلامات النفاق الفصل الثالث) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۴ ربیع الاوّل سنہ ۷۴ھ

تحقیق حدیث لولاک لما خلقت الافلاک

میں نے ایک سوال کے بارے میں تحریر ذیل لکھی ہے اسکے بارے میں اپنے نظریے سے آگاہ فرمائیں،

سوال: ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ حدیث "لولاک لما خلقت الافلاک" موضوع اور بے بنیاد ہے۔ ملا علی قاری نے اسے موضوع لکھا ہے۔

الجواب

بیشک ایک عالم صغانی نے اسے موضوع کہا ہے اور بعض دیگر علماء نے بھی، مگر سب محدثین نے نہیں۔ ازاں سوا، اگر بالفرض صغانی محدّث کا قول قبول کرلیا جائے تو بھی وہ ظاہری الفاظ کے متعلق ہے نہ کہ حقیقت اور اصل ومعنی کے متعلق۔ کیونکہ بالمعنٰی یہ حدیث صحیح ہے جس بزرگ نے صغانی کی طرف اسے موضوع کہنے کی نسبت کی ہے انھوں نے ہی (حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ) موضوعاتِ کبیر مطبع مجتبائی دہلی صفحہ ۵۹ میں لکھا ہے کہ "حدیث لولاك لما خلقت الافلاك" قال الصغانی انه موضوع کذا فی الخلاصة لکن معناه صحیح فقد روی الدیلمی عن ابن عباس رضی الله عنهما مرفوعاً اتانی جبرئیل فقال یا محمد لولاك ما خلقت الجنة ولولاك ما خلقت النار وفی روایة ابن عساکر لولاك ما خلقت الدنیا

(۲) امام شہاب الدین احمد قسطلانی شارح بخاری نے کتاب مواہب لدنیہ میں نقل کیا ہے قال الله تعالیٰ لآدم یاآدم یا ابا محمد ارفع رأسك فرفع رأسه فرأی نور محمد فی سرادق العرش فقال یارب ما هٰذا النور قال هٰذا نور نبی من ذریتك اسمه فی السماء احمد وفی الارض محمد لولاه ما خلقتك ولا خلقت سماء ولا ارضا

(۳) یہی روایت حضرت شیخ علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی بھی انوار محمدیہ میں لائے ہیں،

(۴) مذکورہ دونوں کتابوں (مواہب لدنیہ اور انوار محمدیہ) میں حضرت کعب احبار تابعی کا قول منقول ہے۔ حضرت کعب تورات اور انجیل کے بھی بڑے عالم تھے اور قرآن وحدیث کے بھی بڑے ماہر۔ حضرت کعب فرماتے ہیں۔ ان آدم وجمیع المخلوقات خلقوا لاجل محمد رواه البیهقی۔

(۵) حق تعالیٰ حدیث قدسی میں ارشاد فرماتے ہیں۔ لولاك لما اظهرت الربوبیة (عطر الوردة فی شرح البردة از علامہ مولانا ذوالفقار علی دیوبندی)

(۶) حضرت حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی نشر الطیب میں تحریر فرماتے ہیں عن عمر بن الخطاب رضی الله عنه قال قال النبی صلی الله علیه وسلم قال الله تعالیٰ لآدم یاآدم لولا محمد ما خلقتك رواه الحاکم وصححه البیهقی والطبرانی

(۷) قال الله تعالیٰ یاآدم لولا محمد ما خلقتك وهو آخر الانبیاء (الدر النظیم فی مولد النبی الکریم مصری)

(۸) علامہ امام زرقانی شرح مواہب لدنیہ جلد اول میں لکھتے ہیں۔ عن ابی الـ
الحاکم عن ابن عباس رضی اللہ عنہما اوحی اللہ تعالیٰ الی عیسی بن مریم یٰعیسیٰ لوا
ماخلقت اٰدم ولا الجنۃ ولا النار وروی الحاکم مثلہ وصححہ ورواہ السبکی والبـ

(۹) قال اللہ تعالیٰ وعزّتی وجلالی لولا محمد ماخلقت عرشا ولا کرسـ
سماء ولا ارضا ولا جنۃ ولا نارا ولا لیلا ولا نھارا وما خلقت جمیع الاشیاء الا
للذی سمیتہ محمدا (مولد النبی للقطب الربانی الشیخ عبد الرحیم البرعی)
ظہرلی فی ھذا الباب۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

مَیں اس تحریر سے متفق ہوں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد ۱۲ صفر ۵

سورۂ فاتحہ درکدام پارہ داخل است

سوال: سورۂ فاتحہ زائد از سی پارہ ہست یا داخل در اول پارہ یا درغیر او اگر د
در اول ست پس نام او الحمد چرا انداشتہ شد و اگر داخل درغیر اوّل ست پس در اوّل
چرا نہادند بیّنوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

سورۃ الحمد بمنزلہ متن ست وجملہ قرآن بمنزلہ شرح۔ پس سورۂ فاتحہ نہ از جملہ قرآن خا
ونہ درجزء معین داخل۔ بلکہ مشترک ست درمیان جملہ اجزاء قرآن نیز ثبوت پارہ پارہ قرآ
حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نیست ونہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ این تجزیہ وتقسیم کردند، بلکہ د
نقل مصاحف بلا قصد محض اتفاقاً سی اجزاء مرتب شدند پس خارج ماندن جزء قرآن از یہ
جائز ست کہ انحصارش درسی اجزاء ثابت نیست۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ رجمادی الاولیٰ سنہ ۵ ۷

حدیث نجد کی تحقیق

سوال: نجد سے متعلق جو حدیث میں آیا ہے ھنالک الزلازل والفتن وبھا یـ
قرن الشیطان۔ اس سے سلطان ابن سعود کے کفر یا فسق پر استدلال کیا جاتا ہے لہـ
حدیث کی تشریح فرما کر مطمئن فرمائیں۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ قیامت تک نجد میں کوئی صالح شخص پیدا ہی نہیں ہو سکتا سب کے سب کافر یا فاسق ہونگے بلکہ حدیث میں کثرتِ شرور و غلبۂ شیطان کا بیان ہے چنانچہ علامہ عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں: وبنجد یطلع قرن الشیطان ای امتہ وحزبہ قال کعب یخرج الدجال من العراق وان فتنۃ تکون من تلک الناحیۃ وکذلک کانت وھی وقعۃ الجمل ووقعۃ صفین ثم ظھور الخوارج فی ارض نجد والعراق وما وراءھا من المشرق علامہ کرمانی شرح بخاری میں مذکورہ بالا عبارت کے علاوہ مزید تحریر فرماتے ہیں، کذلک خروج الدجال ویأجوج ومأجوج منھا۔ امام نووی رحمہ اللہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں والمراد بذلک اختصاص المشرق بمزید من تسلط الشیطان ومن الکفر کما قال فی حدیث آخر رأس الکفر نحو المشرق۔ غرضیکہ حدیث سے ہر فرد نجد کا کافر یا فاسق ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اگر کسی شخص کا صالح اور متقی ہونا واضح ہو تو قبیلہ یا شہر یا ملک میں غلبۂ شر کی وجہ سے اس پر "لا تزر وازرۃ وزر اخری" اور "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" کے قانون سے کوئی دھبہ نہیں آسکتا۔ ثانیاً یہ کہ سارے ملک عرب کے دو حصے ہیں۔ حجاز اور نجد۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک حجاز باقی سب مع عراق، بغداد، بصرہ کوفہ وغیرہ نجد ہے۔ چنانچہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں "نجد ورائے حجاز را گویند" اور ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں "نجد ھو اسم خاص لما دون الحجاز" اور علامہ عینی رحمہ اللہ شرح بخاری میں فرماتے ہیں، نجد من المشرق وقال الخطابی نجد من جھۃ المشرق ومن کان بالمدینۃ کان نجدہ بادیۃ العراق ونواحیھا وھی مشرق اھل المدینۃ۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں من کان بالمدینۃ الطیبۃ کان نجدھا بادیۃ العراق ونواحیھا وھی مشرق اھلھا۔

المصباح المنیر میں ہے تھامۃ من تھم اللبن واللحم تھماً من باب تعب تغیر و انتن لانھا انخفضت عن نجد فتغیرت ریحھا۔ اور نجد کی تحقیق میں فرماتے ہیں "نجد ما ارتفع من الارض" آگے فرماتے ہیں وقال الصغانی کل ما ارتفع من تھامۃ الی ارض العراق فھو نجد وقال فی التھذیب کل ما وراء الخندق الذی خندقہ کسری علی سواد العراق فھو نجد الی ان تمیل الی الحرۃ فاذا ملت الیھا فانت فی الحجاز انتھی کلام

صاحب المصباح، ملا علی قاری جمع الوسائل میں فرماتے ہیں۔ حجاز کا منخفض حصہ یعنی مکہ مکرمہ اور اس کا جنوب تہامہ کہلاتا ہے۔ صاحب قاموس کی تحقیق سے بھی صاف ثابت ہوتا ہے کہ نجد کی تخصیص جس حصہ کے ساتھ آجکل عرف عام میں سمجھی جارہی ہے حقیقت سے بعید ہے نجد اپنے وسیع معنوں میں ماوراء حجاز کو شامل ہے۔ چنانچہ حضرت علی ممبر کوفہ پر شہید ہوئے اور حضرت حسین میدان کربلا میں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اما نجد فھو کل مکان مرتفع وھو اسم لعشرۃ مواضع والمراد منھا ھھنا ما اعلاھا تھامۃ والیمن واسفلھا الشام والعراق۔ پس اس حدیث سے جو حکم ابن سعود پر لگایا جاتا ہے جملہ اہل بغداد، کوفہ، یمن، عراق پر بھی لازم ہوگا۔ ثالثاً یہ کہ حدیث میں نجد سے مراد عراق ہے۔ کنز العمال میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاع اور مُد کے بارے میں برکت کی دُعا کی اور پھر شام ویمن کے لئے دعائے برکت فرمائی تو ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور ہمارے عراق کے لئے بھی دُعا فرمائیے۔ آپ نے سکوت کرکے فرمایا کہ وہاں تو شیطانی گروہ اور فتنوں کا ظہور ہوگا اور ظلم مشرق میں ہے۔

اور مسند ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عراق کے قصد پر کعب احبار رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اے امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ آپ کو عراق سے محفوظ رکھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ اس میں کیا خرابی ہے۔ کعب نے کہا اس میں نو حصے شر ہے اور کل سخت عیب اس میں ہیں اور نافرمان جن اور ہاروت وماروت اور شیطان نے وہاں انڈے بچے دے رکھے ہیں۔ علامہ عینی وکرمانی کی مذکور بالا تحقیق بھی اسی کی مثبت ہے۔ فقط واللہ الہادی الی الصواب والعاصم من موجبات الارتیاب

۲۹ صفر سنہ ۶۴ ہجری

وجہ تسمیہ آیت ورکوع وسورہ

سوال: آیت را آیت۔ رکوع را رکوع۔ سورت را سورت چرا نام نہادہ شد؟

الجواب ومنه الصدق والصواب

آیت در لغت علامت را مے گویند وآیت قرآنی علامت ست بر انقطاع ما بعد از ما قبل۔ واز کلمات قرآن طائفہ مخصوصہ را ہم آیت مے گویند چرا کہ ایں طائفہ کلمات علامت ست بر معنے خود۔ یا بایں مناسبت کہ ایں طائفہ مدخول ومصحوب علامت انقطاع ست۔ وآیت

لغوی منقول ست از ایٓ کہ برائے تمییز شی از شی استعمال مے شود۔ علامت لغوی ہم ممیز ست برائے ذی علامت از غیر۔ یا منقول ست از اوی الیہ بمعنی رجع چراکہ رجوع کردہ مے شود بطرف علامت برائے معرفت ذی علامت۔ وممکن ست کہ گرفتہ شود آیت قرآنیہ از منقول عنہ۔ امّا از ایٓ پس ازیں سبب کہ علامت قرآنی ممیز ست برائے طائفہ از طائفۂ دیگر و آیت بمعنی طائفۂ کلمات ممیز ست از طائفہ دیگر و امّا از اوی الیہ پس ازیں سبب کہ علامت قرآنی بمنزلۂ منزل ست کہ قاری بآں رجوع مے کند و آیت بمعنی طائفہ مصحوب و مجاور ایں منزل ست۔ فلذا سمیت باسمہ یا ازیں سبب کہ منزل قاری لفظ آخر ست از طائفہ کلمات فسمّیت الطائفۃ باسم جزئھا الاٰخر، قال البیضاوی رحمہ اللہ والاٰیۃ فی الاصل العلامۃ الظاھرۃ ویقال للمصنوعات من حیث انھا تدل علی وجود الصانع وعلمہ وقدرتہ ولکل[1] طائفۃ من کلمات القراٰن المتمیزۃ عن غیرھا بفصل واشتقاقھا من ایّ لانھا تبین ایًّا من ایٍّ او من[2] اوی الیہ و اصلھا اَیْیَۃ کثمرۃ فابدلت عینھا الفا علی غیر قیاس او اَیِیَۃ او اَوَیَۃ کرمکۃ فاُعلت او ائیۃ کقائلۃ فحذ فت الھمزۃ تخفیفا۔ وفی الحاشیۃ وفی اٰیۃ القراٰن قولان فقیل انھا العلامۃ لانقطاع الکلام الذی بعدھا من الذی قبلھا وقیل انھا جماعۃ من القراٰن وطائفۃ من الحروف وقول المصنف من حیث اشارۃ الی القول الاول وقولہ لکل طائفۃ اشارۃ الی الثانی فکان علیہ ان یمیز بین القولین ولذلک اعترض علیہ بانہ لم یصب فی خلطھما۔ وایضا فیھا قولہ ایًّا من ایٍّ بالتشدید قیل معناہ شیء یسأل عنہ بایٍّ فالمعنی یمیز امرا مجھولا من اٰخر وقیل ان العبارۃ اٰیًا من ایٍ بالمدّ ای شخصا من شخص لان الاٰی بمعنی الشخص وفیہ نظر قولہ او من اوی الیہ لانھا بمنزلۃ المنزل یأوی الیہ القاری (تفسیر بیضاوی ص۶۷)

رکوع در لغت بمعنیٰ اطمینان آمدہ است و در وجہ تسمیۂ طائفہ مخصوصہ از قرآن میتواں گفت کہ قاری بعد از وصولش بدو وطے کردن منزلے از سفر مطمئن مے شود۔ و وجہ ظاہر ایں ست کہ قاری در تراویح ایں قدر خواندہ رکوع مے کند، وحکی عن القاضی الامام عماد الدین رحمہ اللہ تعالیٰ ان مشایخ بخارا جعلوا القراٰن خمسمائۃ واربعین رکوعا وعلموا الختم بھا لیقع الختم فی اللیلۃ السابعۃ والعشرین رجاء ان ینالوا فضیلۃ لیلۃ القدر اذ الاخبار قد کثرت بانھا

---

[1] لکونھا علامۃ علیٰ معناھا ۱۲ [2] لانھا یرجع الیھا لمعرفۃ ذی العلامۃ ۱۲

لیلۃ السابع والعشرین من رمضان وفی هذہ البلاد المصاحف معلمۃ بالاٰیات وانما سموہ رکوعا علی تقدیر انھا تقرأ فی کل رکعۃ (مبسوط ص۱۴۶ ج ۲ عالمگیریہ ص۱۲۵ ج ۱، خانیہ علی ہامش العالمگیریہ ص۲۱۹ ج ۱) ولم اطلع علی معیار مقدار الرکوعات ولعل قارئ ختم لیلۃ السابع والعشرین فوضعوا رکوعا علی ما اتفق لہ من القراءۃ فی کل رکعۃ واللہ اعلم

سورت منقول ست از سور البلد چرا کہ محیط ست طائفہ قرآن را یا انواع علم را یا از سور بمعنی مرتبہ چرا کہ سُوَر مثل منازل و مراتب ندکہ قاری آنہارا قطع مے کند۔ یا ازیں سبب کہ ہرسورت در طول وقصر وفضل وثواب مرتبہ مے دارد، یا از سورہ کہ بمعنی قطعہ است۔ قال البیضاوی وھی ان جعلت واوھا اصلیۃ منقولۃ من سور المدینۃ لانھا محیطۃ بطائفۃ من القراٰن مفرزۃ محوزۃ علی حیالھا او محتویۃ علی انواع من العلم احتواء سور المدینۃ علی ما فیھا او من السورۃ التی ھی الرتبۃ قال ولرھط حرّاب وقدّ سورۃ۔ فی المجد لیس غرابھا بمطار۔ لان السور کالمنازل والمراتب یرتقی فیھا القاری او لھا مراتب فی الطول والقصر والفضل والشرف وثواب القراءۃ وان جعلت مبدلۃ من الھمزۃ فمن السورۃ التی ھی البقیۃ والقطعۃ من الشیء (تفسیر بیضاوی ص۲۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ رجمادی الاولیٰ سنہ ۷۵ ہجری

رکوع و پارہ کی تحقیق

سوال: قرآن کریم میں رکوع کس نے لگائے اور ان کا معیار کیا ہے؟ بظاہر ان کا کوئی معیار سمجھ میں نہیں آتا، اس لئے کہ ان کی مقدار مختلف ہے اور اگر مضمون کے لحاظ سے دیکھا جائے تو بعض مواقع ایسے بھی ہیں کہ مضمون ختم ہونے میں ایک دو آیتیں باقی ہیں مگر رکوع ختم ہوگیا، یا نئے مضمون کی ایک دو آیتیں گزرنے کے بعد نیا رکوع شروع ہوا، اگر رکوع کی مقدار کو سماعی کہا جائے تو کیا اسکا کوئی ثبوت ہے؟ بظاہر احادیث کے ذریعہ اسکا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اسی طرح قرآن کریم کے تیس پارے کیسے اور کب شروع ہوئے، احادیث میں پاروں کا بھی کہیں ذکر نہیں۔ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصّواب

رکوع اور پاروں کا ثبوت حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ملتا، مشایخ بخارا نے قرآن کریم میں پانچسو چالیس رکوع لگائے تاکہ تراویح میں ہر رکعت میں ایک رکوع پڑھا جائے تو

ستائیس رمضان تک ایک ختم ہو جائے جیسے کہ متقدمین نے ہر دس آیات کے بعد تعاشیر علامات لگائیں، جس سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ تراویح کی ہر رکعت میں اتنی مق پڑھنے سے پورے مہینے میں قرآنِ کریم ختم ہو جائے گا کیونکہ پورے مہینے میں رکعاتِ ترا کی تعداد چھ سو ہے اور کل آیات چھ ہزار سے کچھ زائد ہیں۔

وروی الحسن عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ان الامام یقرأ فی کل رکعۃ عش آیات ونحوها وهو الاحسن لان السنۃ فی التراویح الختم مرۃ وبما اشار الیہ ابوحن رحمہ اللہ تعالیٰ یختم القرآن مرۃ فیہا لان عدد رکعات التراویح فی جمیع الشہر ستم وعدد آی القرآن ستۃ آلاف وشیء فاذا قرأ فی کل رکعۃ عشر آیات یح الختم فیہا۔ (مبسوط للسرخسی ص۱۴۶ ج۲ الفصل السادس فی حق قدر القراءۃ فی الت خانیہ علی ہامش العالمگیریہ ص۲۱۷ ج۱)

وحکی عن القاضی الامام عماد الدین رحمہ اللہ تعالیٰ ان مشایخ بخارا ج القرآن خمسمائۃ واربعین رکوعا وعلموا الختم بہا لیقع الختم فی اللیلۃ السابعۃ والعش رجاء ان ینالوا فضیلۃ لیلۃ القدر اذ الاخبار قد کثرت بانہا لیلۃ السابع والعشر من رمضان وفی غیر ہذہ البلدۃ المصاحف معلمۃ بالآیات وانما سموہ رکوع تقدیرا انہا تقرأ فی کل رکعۃ۔

(مبسوط ص۱۴۶ ج۲، عالمگیریہ ص۱۲۵ ج۱، خانیہ علی ہامش العالمگیریہ ص۱۹ ج۲)

رکوع کی مقدار کے بارے میں کوئی واضح چیز نظر سے نہیں گزری۔ یوں معلوم ہوتا کہ کسی مشہور قاری نے تراویح میں قرآن کریم ختم کیا اور جتنی مقدار تلاوت کرنے کے بعد ر کرتے گئے اتنی مقدار پر تلامذہ نے رکوع کی علامت لگادی۔

پاروں کے بارے میں بعض حضرات کا خیال ہے کہ ان کی تعیین قصداً نہیں کی گ بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب قرآنِ کریم کو نقل کیا تو اتفاقاً تیس مساوی اج میں تکمیل ہوئی مگر اس خیال کا ثبوت کہیں نظر سے نہیں گزرا، نیز بقول بعض فاتحہ چھوڑ کر سب پاروں کے حروف اور نصف قرآن "نکرا" پر ہے، امر اتفاقی میں ایسی مساوات بعید ہے، بندہ کے خیال میں صحیح توجیہ یہ ہے کہ قرآن سے متعلق روایات مختلف ہیں، تین روز، سات روز، اور ایک ماہ، ایک مہینے میں قرآن کریم ختم کرنے

ﻋﻪ فلذا وضعوا التعاشیر ۱۲ منہ

پیشِ نظر اس کے تیس پارے متعین کردیئے گئے جس طرح کہ ایک ہفتہ میں ختم کرنے والوں کے لئے سات منزلیں بنادی گئیں۔

ولاکمال التسویۃ افردوا الاٰیۃ الاولی من سورۃ الحجر اعتمادا علی فہم القاری بأن المنزل قد تم علی اٰخر سورۃ ابراھیم۔ واللّٰہ سبحانہ وتعالٰی اعلم

۵ جمادی الآخرۃ سنہ ۹۶ھ

تحقیق حدیث متعلق قضاء بشہادۃ زور

سوال: حنفیہ کے ہاں شہادت زور سے واقع شدہ قضا باطناً بھی نافذ ہے پس حدیث بعضکم الحن من بعض الخ کا کیا جواب ہوگا۔ اس حدیث میں عدم نفاذ قضا کی تصریح ہے۔ بیّنوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اس بارے میں شاہ صاحب کی تحقیق جو عرف شذی میں منقول ہے سب سے زیادہ شرح وبسط کے ساتھ ہے۔ وہو ہٰذا۔ قالوا ان حدیث الباب یرد علی الحنفیۃ حین قالوا ان القضاء نافذ ظاہرا وباطنا وانکرہ البخاری رحمہ اللّٰہ فی کتاب الحیل اشد الانکار اقول لیست المسألۃ ان ینکر ذٰلک الانکار فان عنوان المسألۃ ھٰذا قضاء القاضی بشہادۃ الزور فی العقود والفسوخ لا فی الاملاک المرسلۃ اذا کان المحل قابلا للانشاء ولا یأخذ القاضی الرشوۃ نافذ ظاہرا وباطنا وقیود اُخر ایضًا، واما الاملاک المرسلۃ فھی ان یدعی ان ھٰذا الشیء لی ولا یذکر سبب ملکہ فانہ قضاء ظاہرا لا باطنا واما وجہ عدم نفاذہ باطنا فذکر صاحب الھدایۃ ان الشیء یتملک باسباب عدیدۃ فاذا قضی فالقضاء یکون بدون السبب ولا وجہ لترجیح بعض الاسباب علی بعضٍ فیکون ترجیحًا بلا مرجح والوجہ ان العقود والفسوخ فی ید القاضی وقد ردہ بخلاف الاملاک المرسلۃ فعلی ما ذکرنا انہ اذا ادعی رجل نکاح امرأۃ وشہد شاہد ان فحکم القاضی بنکاحہ حل لہ الاستمتاع وزعم خصومنا انا اخترنا ھٰذا الارتکاب بلا نکیر والحال ان ھٰذا الزعم فاسد وعلی المدعی والشاہدین وزر الاٰخرۃ کما قال الشیخ فی الفتح وخلاف العراقیین والحجازیین فی ان النکاح صحیح ام لا والمرأۃ منکوحۃ ام لا فقال الحجازیون انہا تقوم عندہ ولا تمکنہ من نفسہا وقلنا انہا تمکنہ من نفسہا ثم قال جماعۃ منا ان القضاء بمنزلۃ النکاح حتّٰی قالوا انہ یجب عند ھٰذا القضاء شاہدان مثل ما یکون الشاہدان فی النکاح وقیل لا یجب الشاہدان لان القضاء لیس بنکاح صریح بل النکاح فی

ضمنه واتفقنا علی ان القضاء قائم مقام النکاح واما حدیث الباب فلا یرد علینا فانه فیمن هو الحن بحجته ولا نقول بان القضاء نافذ بمحض ذلك اللحن بل یجب الشاهدان وغیرہ من الشروط ونقول ایضاً ان الحدیث فی الاملاك المرسلة فانه فی المیراث کما اخرجه ابوداود ص۱۴۸ ج ۲ وقد یدور بالبال انه مع الحل باطناً من النار لا فی الکذب ابتداء فقط بل مستمراً او نظیرہ ماذکرہ فی ردالمحتار فی نکاح الرقیق فی من وطئ جاریة ابنه وادعی الولد والاسهل ان یقال انه قطع له من النار من جهة السبب فهو فی نفس الله فعل لا بعدہ فالسبب تحقق ابتداء والاتصاف مستمر کما قال بعض ارباب الفنون ان التحقق مرة یصدق الاطلاق العام مستمراً او انه حکم من جهة السبب وبمثله قالوا فی حدیث عمار رضی الله عنه تقتله الفئة الباغیة یدعوهم الی الجنة ویدعونه الی النار۔ واما حجتنا فذکرالطحاوی حین بوّب علی المسألة واتی بشیء لطیف من باب التفقه ویذکرہ ارباب تصنیفنا واقعة علی رضی الله تعالیٰ عنه انه ادعیٰ عنده رجل نکاح امرأة وشهد شاهدا الزور فحکم علی رضی الله تعالیٰ عنه بالنکاح فقامت امرأة فقالت والله اعلم انه کاذب فانکحنی به امیرالمؤمنین کی لا یأثم فقال علی رضی الله عنه شاهداك زوجاك الخ ذکرہ محمد رحمه الله فی الاصل ولا یذکرون سند هذہ الواقعة ولم اجد السند وظنی انها لا تکون بلا اصل ومر الحافظ رحمه الله تعالیٰ علی الاثر ولم یردہ زیادة الرد ولم یقبله ایضاً فدل علی انه لیس بلا اصل (عرف شذی ص۴۰۶)

امام طحاوی رحمہ اللہ نے حدیث متلاعنین اور حدیث اختلاف المتبایعین فی الثمن سے استدلال کیا ہے۔ ونصه فقد علمنا ان رسول الله صلی الله علیه وسلم لو علم الکاذب منهما (ای الزوجین) بعینه لم یفرق بینهما ولم یلاعن لو علم ان المرأة صادقة لحد الزوج بقذفه ایاها۔ ولو علم ان الزوج صادق لحدت المرأة بالزنا الذی کان منها فلما خفی الصادق منهما علی الحاکم وجب حکم اٰخر فحرم الفرج علی الزوج فی الباطن والظاهر ولم یرد ذلك الی حکم الباطن (الی قوله) وقد حکم رسول الله صلی الله علیه وسلم فی المتبایعین اذا اختلفا فی الثمن والسلعة قائمة انهما یتحالفان ویترادان فتعود الجاریة الی البائع ویحل له فرجها ویحرم علی المشتری ولو علم الکاذب منهما بعینه اذا لقضی بما یقول الصادق ولم یقض بفسخ بیع ولا بوجوب حرمة فرج الجاریة المبیعة علی المشتری الخ (شرح

ی الآثار للطحاوی ص۲۸۸ ج ۲)

وقال فی فیض الباری قریبًا مما مضیٰ من العرف الشذی ونصہ واورد علیھم

الحنفیۃ) حدیث الباب فانہ لونفذ باطنًا ایضًا لما وصفہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

قلت وھذا وصف لاحکم ویمکن ان یکون شیء یوصف بالناریۃ ثم لا یدخل

بہ فی النار کالسؤال فانہ یترتب علیہ النار ثم لا یلزم ان یکون کل سؤال

بل قد یتخلف عنہ لعارض فانہ یصح وصف الشیء بحال الجنس ایضا واذا

زم تحققہ فی الافراد کلھا وتحققہ فی البعض یصح وصفہ بہ باعتبار الجنس و

لحظ فی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم فانہ لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب

اوصف فی الفاتحۃ لاحکم بالوجوب علی المقتدی فی الحالۃ الراھنۃ وسیأتی

لہ فی موضعہ ان شاء اللہ تعالیٰ (فیض الباری ص۳۳۵ ج ۳)

وفی بذل المجھود ولا یخالف ھذا الحکم الحدیث الوارد فیہ فان الحدیث یقتضی

قضیت لہ من حق اخیہ شیئًا فی العقود والفسوخ لا یقضی بحق اخیہ شیئًا

حکم بالعقد او الفسخ الذی ھو حق الحاکم نعم اذا قضی القاضی فی غیر صورۃ العقد

خ لا ینفذ حکمہ الا ظاھرًا واما فی الباطن عند اللہ تعالیٰ فلا ینفذ حکمہ لانہ حکم

اخیہ وھو لیس تحت القضاء (بذل المجھود ص۳۰۸ ج ۴)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

۱۵ ربیع الاوّل سنہ ۷۶ ہجری

۷ احرف کی تشریح

سوال: حدیث میں وارد ہوا ہے انّ ھٰذا القرآن انزل علی سبعۃ احرف اور آجکل جو قراءات معروف ہیں وہ دس تک ہیں تو تین قراءتیں زیادہ کیسے ہوگئیں۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

حدیث میں سبعۃ احرف سے معروف سات قراءتیں مراد نہیں بلکہ اختلاف قراءات ت انواع مراد ہیں۔

(۱) صیغ اسماء

(۲) صیغ افعال

(۳) اختلاف اعراب

(۴) کمی بیشی

(۵) تقدیم و تأخیر

(۶) الفاظ مترادفہ

(۷) صفات حروف

قال الحافظ رحمه الله تعالى وقد حمل ابن قتيبة وغيره العدد المذكور على الوجوه التي يقع بها التغاير في سبعة اشياء **الاول** ما تتغير حركته ولا يزول معناه ولا صورته مثل ولا يضار كاتب ولا شهيد بنصب الراء ورفعها **الثاني** ما يتغير بتغير الفعل مثل وبعد بين اسفارنا وباعد بين اسفارنا، بصيغة طلب والفعل لماضي **الثالث** ما يتغير بنقط بعض الحروف المهملة مثل ننشرها بالراء والزاء **الرابع** ما يتغير بابدال حرف قريب من مخرج الآخر مثل طلح منضود في قراءة علي وطلع منضود **الخامس** ما يتغير بالتقديم والتأخير مثل وجاءت سكرة الموت بالحق في قراءة ابي بكر الصديق وطلحة من المصرف وزين العابدين وجاءت سكرة الحق بالموت **السادس** ما يتغير بزيادة اونقصان كما تقدم في التفسير عن ابن مسعود وابي الدرداء والليل اذا يغشى والنهار اذا تجلى والذكر والانثى هذا في النقصان واما في الزيادة فكما تقدم في تفسير تبت يدا ابي لهب في حديث ابن عباس وانذر عشيرتك الاقربين ورهطك منهم المخلصين **السابع** ما يتغير بابدال كلمة بكلمة ترادفها مثل العهن المنفوش في قراءة ابن مسعود وسعيد بن الجبير كالصوف المنفوش وهذا وجه حسن

وقال ابو الفضل الرازي الكلام لا يخرج عن سبعة اوجه في الاختلاف، **الاول** اختلاف الاسماء من افراد وتثنية وجمع او تذكير وتأنيث **الثاني** اختلاف تصريف الافعال من ماض ومضارع وامر **الثالث** وجوه الاعراب **الرابع** النقص والزيادة **الخامس** التقديم والتأخير **السادس** الابدال **السابع** اختلاف اللغات كالفتح والامالة والترقيق والتفخيم والادغام والاظهار و

نحو ذلک (قلت) وقد اخذ کلام ابن قتیبۃ ونقحہٗ (فتح الباری ص۲۵ ج ۹)

ابتداء تنزیل میں لوگ اسلوب قرآنی سے ناواقف تھے، مختلف علاقوں اور مختلف قبیلوں کے لوگوں کے علاوہ بوڑھے بدوی اور ناخواندہ لوگوں کو ایک اسلوب پر چلانے میں حرج تھا اسلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے مطابق اللہ تعالیٰ نے سات اقسام کے الفاظ کی اجازت عطا فرمائی ان سات اقسام میں ہر شخص کو یہ اختیار نہ تھا کہ وہ اپنی مرضی سے قرآن کریم میں ردّ و بدل کرلے بلکہ یہ مختلف قراءات اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین تھیں بعد میں جب لوگ اسلوب قرآنی سے واقف ہوگئے تو عرضۂ اخیرہ یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دورِ قرآن کے وقت بہت سی قراءات منسوخ کردی گئیں، اس کے بعد جو قراءات باقی رہیں ان کی رعایت رکھتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمع قرآن کے وقت رسم الخط ایسا اختیار فرمایا جس میں سب قراءات کے مطابق پڑھنے کی گنجائش ہو، مثلاً ملک کو مَلَکَ، مَلِكِ اور مالك تینوں طرح پڑھا جاسکتا ہے ایسے ہی قل کو بصیغۂ امر اور بصیغۂ ماضی دونوں طرح پڑھنے کی گنجائش ہے۔ مصاحف عثمانیہ میں نقاط، اعراب وغیرہ کو ترک کرکے اس رسم الخط میں مزید وسعت پیدا کردی گئی مثلاً ننشرھا پر نقطے نہ لگائے جائیں تو اسے ننشرا اور ننشز دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے بعض قراءات اس رسم الخط میں نہ سماسکیں تو ان کو دوسرے مصحف میں مستقلاً لکھوادیا، اس قسم کے سات مصاحف لکھواکر مختلف اطراف میں بھجوائے اور ان کے ساتھ قراء بھی بھیجے لوگ ان مصاحف سے ان قراء کی تعلیم کے مطابق قراءات سیکھتے۔ اس زمانے میں مذکورہ بالا سات اقسام کے اندر قراءات کی بہت بڑی تعداد تھی، مگر بعد میں ان میں سے دس کی زیادہ شہرت ہوگئی، بقیہ کو وہ شہرت حاصل نہ ہوئی، پھر ان دس قراءات میں سے بھی سات زیادہ مشہور ہوگئیں اس لئے سبع قراءات اور عشر قراءات کا عرف ہوگیا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ معروفہ سبع قراءات کو سبعۃ احرف کا مصداق سمجھنا صحیح نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴ جمادی الثانیہ سنہ ۹۶ھ

ضربت علیہم الذلۃ الخ پر اشکال کا جواب

سوال: کیا فرماتے ہیں حضرات علماء کرام اس مسئلہ میں کہ قرآن کریم کی آیت وضربت

علیہم الذلۃ والمسکنۃ و باءوا بغضب من اللہ سے تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قوم یہود ہمیشہ ذلیل و خوار رہے گی اور فقر و فاقہ میں مبتلا رہے گی اور قیامت تک ان کی حکومت قائم نہ ہوگی، حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہود قوم متمول چلی آرہی ہے اور انکی موجودہ حکومت بھی اسرائیل کے نام سے قائم ہے بلکہ ایک مرتبہ عرب ان سے شکست بھی کھا چکے ہیں۔

از راہِ کرم آیت کا مطلب اور شبہات کا جواب مفصل اور مدلّل تحریر فرمائیں اور ذلّت و مسکنت کی بھی وضاحت کریں تاکہ کمزور ایمان والوں کے دلوں سے شکوک کے کانٹے نکل جائیں بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصّواب

یہود کی ذلّت وغیرہ سے متعلق قرآن کریم میں چار جگہ ذکر آیا ہے۔

(۱) ضربت علیہم الذلۃ والمسکنۃ وباءوا بغضب من اللہ ذلک بانہم کانوا یکفرون بایٰت اللہ ویقتلون النبیین بغیر الحق ذلک بما عصوا وکانوا یعتدون (۲-۶۱)

(۲) واذ تاذّن ربک لیبعثنّ علیہم الی یوم القیٰمۃ من یسومہم سوء العذاب ان ربک لسریع العقاب وانہ لغفور رحیم (۷-۱۶۷)

(۳) ضربت علیہم الذلۃ این ما ثقفوا الا بحبل من اللہ وحبل من الناس وباءوا بغضب من اللہ وضربت علیہم المسکنۃ ذلک بانہم کانوا یکفرون بایٰت اللہ ویقتلون الانبیاء بغیر حق ذلک بما عصوا وکانوا یعتدون (۳-۱۱۲)

(۴) اذ قال اللہ یٰعیسیٰ انی متوفیک ورافعک الیّ ومطہرک من الذین کفروا وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیٰمۃ (۳-۵۵)

ان آیات سے یہود کے لئے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے۔

(۱) ذلّت

(۲) مسکنت

(۳) دوسری قوموں کا معتوب رہنا اور ان کے ہاتھوں مختلف مصائب کا شکار ہوتے رہنا۔

(۴) مغلوبیت

(۱) ذلت سے مراد حکم قتل ہے، الا بحبل من اللہ سے مراد یہ ہے کہ راہب، نابالغ اور عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا، اور حبل من الناس سے مستأمن اور اہلِ ذمہ کا استثنار مقصود ہے۔

(۲) مسکنت کے معنی فقر و فاقہ کے نہیں بلکہ پستی کے معنی مراد ہیں جیسے دعاء اللّٰھم احینی مسکینا و امتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین میں مسکنت بمعنی فقر و فاقہ نہیں ہے بلکہ تواضع وانکسار اور فروتنی کے معنی میں ہے۔ پستی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اللہ تعالیٰ کی جلالت اور عظمت شان کے سامنے تواضع وانکسار، یہ نعمت ہے اور دُعا میں یہی مراد ہے۔

دوسری اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے ذلّت وخواری میں ابتلار، یہ عذاب ہے یہود پر دوسری قسم کی پستی مسلّط کر دی گئی ہے وہ خود بھی اپنے کو ذلیل سمجھتے ہیں جسے دوسرے لفظوں میں احساس کمتری کہا جاتا ہے۔ نیز ہمیشہ کے لئے مغلوبیت اور معذب فی الدنیا ہونے سے بڑھ کر کیا پستی اور ذلّت ہو سکتی ہے ان دونوں اُمور کا بیان آگے آرہا ہے۔

(۳) یہود قوم پر ہمیشہ کے لئے کچھ ایسی طاقتیں مسلط رہیں گی جو ان کو طرح طرح کی پریشانیوں اور مصائب میں مبتلا رکھیں گی۔

(۴) مسلمان اور نصاریٰ قیامت تک یہود پر غالب رہیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین میں مسلمان اور نصاریٰ دونوں داخل ہیں۔ نصاریٰ میں اتباع ناقص ہے اور مسلمانوں میں اتباع کامل۔ اور آیتِ قرآنیہ دونوں قسم کے اتباع کو شامل ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں اور نصاریٰ کی حکومتوں کا مجموعہ یہود کی حکومت پر غالب رہے گا۔ اس تفصیل کے بعد اب کوئی اشکال باقی نہیں رہتا، اس لئے کہ قرآن کریم میں یہودیوں کی حکومت کی نفی نہیں کی گئی ہے بلکہ مسلمانوں اور نصاریٰ کی مجموعہ حکومتوں کے مقابلہ میں یہود کی مغلوبیت کی پیشگوئی کی گئی ہے، جس کے صدق میں کوئی شبہ نہیں۔ اسی طرح ان کے فقر و فاقہ اور تنگدستی کی کوئی پیشگوئی نہیں، بلکہ مغلوب اور معذب رہنے کی ذلّت و پستی کی پیشگوئی ہے جس کی تفصیل اوپر بیان ہو چکی ہے۔

آیت ۴؎ سے متعلق یہ بھی کہا جا سکتا ہے بلکہ یہی زیادہ ظاہر ہے کہ اتباع سے کامل اتباع مراد ہے اور نصاریٰ سب کے سب اور مسلمانوں کی اکثریت اتباع کامل سے منحرف ہے، اور کسی صفت پر جب کوئی حکم لگایا جاتا ہے تو وہ اکثریت کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ، وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین، وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم، نعم اذا کثر الخبث، پس اگر خدانخواستہ کسی وقت یہود کی حکومت مسلمانوں اور نصاریٰ کی مجموعہ حکومتوں کے مقابلہ میں بھی غالب ہو جائے تو بھی فیصلہ قرآنی کے خلاف نہ ہوگا، البتہ اتنا ضرور ہے کہ یہود پر قیامت تک کسی نہ کسی قوم کی طرف سے کوئی نہ کوئی آفت آتی رہے گی۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴ ر جمادی الاولیٰ ۹۶ھ

حدیث سبحان من زین الرجال الخ کا حوالہ

سوال: عام طور پر حدیث سننے میں آتی ہے کہ فرشتوں کی ایک جماعت کی یہ تسبیح ہے، سبحان من زین الرجال باللحی والنساء بالذوائب، اسکا حوالہ مطلوب ہے،

بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

کنوز الحقائق لعبد الرؤف المناوی علی ہامش الجامع الصغیر ص۱۴۲ ج۱ میں بحوالہ حاکم صرف اتنی حدیث منقول ہے سبحان من زین الرجال باللحی والنساء بالذوائب اور ص۹ ج۲ میں بحوالہ مسند الفردوس للدیلمی یہ الفاظ ہیں۔ ملائکۃ السماء تستغفر لذوائب النساء و لحی الرجال، امام سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مفصل روایت نقل فرمائی ہے ونصہ وروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ان للہ تعالیٰ ملائکۃ تسبیحهم سبحان من زین الرجال باللحی والنساء بالقرون الذوائب (المبسوط ص۲۶۴ ج۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴ ر جمادی الاولیٰ سنہ ۹۶ھ

مودودی صاحب میں مفسر کی شرائط نہیں

سوال (۱) قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کے لئے کن باتوں کا ہونا لازمی ہے؟

(۲) مودودی صاحب میں کونسی باتیں موجود ہیں سوال نمبر ۱ کے حوالہ سے۔

(۳) ایک عام فہم آدمی عربی سے ناواقف کے لئے کونسی تفسیر زیادہ موزون ہوگی بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

"قال المولی احمد بن مصطفی المعروف بطاش کبری زاده فی "مفتاح السعادة ومصباح السیادة" (ثم اعلم) ان العلماء کما بینوا فی التفسیر شرائط بینوا فی المفسر ایضا شرائط لا یحل التعاطی لمن عری عنها او هو فیها راجل (وهی) ان یعرف خمسة عشر علما علی وجه الاتقان والکمال (احدها) اللغة اذ بها یعرف شرح مفردات الالفاظ ومدلولاتها الوضعیة قال مجاهد لا یحل لاحد یؤمن باللّٰه والیوم الآخر ان یتکلم فی کتاب اللّٰه تعالی اذا لم یکن عالما بلغات القرآن ونقل ایضا ذلک عن الامام مالک ولا یکتفی بمعرفة الیسیر منها اذ لا یأمن ان یکون اللفظ مشترکا وهو ذاهل عن احد المعنیین او المعانی والمراد المعنی الآخر (الثانی) النحو اذ یختلف المعانی ویتبدل باختلاف الاعراب کما روی عن الحسن انه قال تعلم العربیة فان الرجل یقرء الآیة فیعتنی بوجهها فیهلک فیها (الثالث) التصریف اذ به معرفة الابنیة والصیغ کما نقل عن ابن فارس انه قال کم من کلمة یجهل معناها فیتضح بمصادرها (وقال) الزمخشری من بدع التفاسیر قول من قال ان الامام فی قوله تعالی یوم ندعوا کل اناس بامامهم جمع ام وان الناس یدعون یوم القیٰمة بامهاتهم دون آبائهم قال وهذا غلط اوجبه جهله بالتصریف فان اما لا یجمع علی امام (الرابع) الاشتقاق لان الکلمة یختلف معناها باشتقاقها من مادتین مختلفتین کالمسیح هل هو من السیاحة او المسح (الخامس) و(السادس) و(السابع) المعانی والبیان والبدیع اذ بالاول یعرف خواص التراکیب من جهة افادتها المعنی وبالثانی خواصها من حیث اختلافها بحسب الزیادة فی الوضوح والنقصان فیه وبالثالث وجوه تحسین الکلام وهذه العلوم الثلاثة هی علوم البلاغة الاولان ذاتیا والثالث عرضیا وهی من اعظم ارکان المفسر لانه لا بد له من مراعاة ما یقتضیه الاعجاز وانما یدرک بهذه العلوم الآن ملاک الامر فیه اما السلیقة کالاعراب الخلص ومن یحذو حذوهم او الذوق الذی هو الآلة فی اکتساب البلاغة ولا یمکن تحصیلها بدونه، قال السکاکی فی حق المعانی والبیان فالویل کل الویل لمن تعاطی التفسیر وهو فیهما راجل (الثامن) علم القراءات اذ به یعرف کیفیة النطق بالقرآن ویرجح بعض الوجوه المحتملة علی بعض (التاسع) اصول الدین لان فی القرآن آیات

لا یجوز ظاهرها فی حق اللہ تعالیٰ فالاصولی یأول ذٰلک ویحمله علی ما یجوز فی حقه تعالیٰ فمعرفة ما یستحیل فی حقه تعالیٰ وما یجب وما یجوز لایمکن الا به (العاشر) اصول الفقه اذ به یعرف وجوه الاستدلال علی الاحکام والاستنباط (الحادی عشر) اسباب النزول والقصص اذ سبب النزول یعرف به معنی الآیة بحسب ما انزل فیه (الثانی عشر) الناسخ والمنسوخ لیعلم المحکم من غیره (الثالث عشر) الفقه (الرابع عشر) الاحادیث المبینة لتفسیر المجمل والمبهم (الخامس عشر) علم الموهبة وهو علم یورثه اللہ تعالیٰ لمن عمل بما علم والیه الاشارة بحدیث من عمل بما علم ورثه اللہ علم ما لم یعلم "واعلم" ان هذه العلوم هی العلوم التی لا مندوحة للمفسر عنها والا فعلم التفسیر لابد له من التبحر فی کل العلوم، واما العلوم المستنبطة من القرآن فبحر لا ساحل، وان اخطرت بالبال ان العلوم الوهبیة لیست فی قدرة البشر بل ذٰلک امر حاصل بفضله سبحانه من غیر کسب من العباد فنقول معنی العلوم الوهبیة ان یحصل فی الانسان حالة کشفیة تنکشف معها العلوم والمعارف بلا تعمل و اکتساب بل بمحض لطف الملک الوهاب لکن تحصیل تلک الحالة داخلة تحت القدرة وحاصلة بالمباشرة بان لا یکون فی القلب بدعة وکبر وهوی وحب الدنیا والاصرار علی الذنب وان لا[۵] یتحقق بالایمان او یتحقق به علی ضعف وان لا یعتمد فی باب التفسیر علی قول مفسر لیس عنده علم او راجع الی عقله القاصر وهذه العلوم کلها حجب عن حصول الکشف وموانع عنه بعضها اکل من بعض

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ تفسیر لکھنے کے لئے پندرہ ۱۵ علوم میں مہارتِ تامّہ کا ہونا ضروری ہے

(۱) لغت (۲) نحو (۳) صرف (۴) اشتقاق (۵) معانی (۶) بیان (۷) بدیع (۸) علم القرأت (۹) اصول الدین (۱۰) اصولِ فقہ (۱۱) اسباب النزول والقصص (۱۲) ناسخ منسوخ (۱۳) فقہ (۱۴) احادیث (۱۵) علم الموہبۃ

مودودی صاحب کو ان علومِ سے تو کیا حاصل ہوتا انھیں تو محض عربی زبان پر بھی پوری قدرت نہیں، ان کی کتابوں کے عربی ترجمے مولانا مسعود عالم ندوی نے کئے ہیں اگر ان کو کسی علم سے کچھ واقفیت ہے بھی تو وہ صرف انکے مطالعہ تک محدود ہے، انھوں نے کوئی علم کسی مستند درسگاہ

---

۵ ای ان لایکون غیر متحقق بالایمان او ضعیف التحقیق کذا فی الاتقان عن الزرکشی ۱۲ منہ

سے حاصل نہیں کیا۔ ماہر اساتذہ کی زیر نگرانی تحصیل علوم کے بغیر صرف مطالعہ سے کوئی فن حاصل نہیں ہوسکتا۔ مثلاً کوئی شخص دنیا بھر کی کتب طب قدیم وجدید کا مطالعہ کرلے تو بھی اسے حکیم یا ڈاکٹر کی سند نہیں دی جاسکتی اور نہ ہی اس کو علاج معالجہ کرنے کی اجازت دیجاسکتی ہے جب تک کہ کسی معتبر ادارہ میں ماہر اساتذہ کی نگرانی میں علم حاصل نہ کرے۔ پھر مودودی صاحب میں علم الموہبۃ کی شرائط کے وجود کا تو کیا ہی کہنا۔ نیز حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم قرآن مبین کے حاملین اوّلین ہیں اس لئے انکے ساتھ عداوت رکھنے والوں اور انکی شان میں گستاخی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ علوم قرآن کی نعمت عطا نہیں فرماتے جیسے کہ روافض عداوتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی وجہ سے حفظِ قرآن کی دولت سے محروم ہیں۔ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے بالخصوص حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جامع قرآن ہیں لہٰذا آپ کے ساتھ بغض رکھنے والے کو دولتِ قرآن ہرگز نصیب نہیں ہوسکتی۔ شرائط مفسر میں علم الموہبۃ بھی ہے۔ بغضِ صحابہ اور علم الموہبۃ ایک قلب میں جمع نہیں ہوسکتے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دیانت کو مخدوش کرنا درحقیقت قرآنِ کریم کی صداقت کو مجروح کرنا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ جمادی الآخرہ سنہ ۹۶ھ

لانکاح بین العیدین کی تحقیق

سوال: کیا نکاح بین العیدین حدیث ہے اور کیا واقعی عیدین کے درمیانی دومہینوں شوال اور ذی قعدہ میں نکاح ٹھیک نہیں جیساکہ ہمارے دیار میں مشہور ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

عیدین کے درمیانی مہینوں شوال اور ذی قعدہ میں نکاح اور زفاف دونوں بلاکراہت جائز ہیں اسے کیسے ناجائز کہا جاسکتا ہے جبکہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سب سے زیادہ محبوب ترین زوجۂ محترمہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شوال ہی میں نکاح کیا اور شوال ہی میں رخصتی ہوئی۔ باقی رہا "لانکاح بین العیدین"۔ اوّل تو یہ حدیث صحیح نہیں اور اگر بالفرض اسے صحیح مان لیا جائے تو اسمیں عیدین سے مراد عید الفطر اور عید الاضحیٰ نہیں بلکہ جمعہ اور صلوٰۃ العید مراد ہیں اور اس سے مقصد قاعدۂ کلیہ کا بیان نہیں بلکہ یہ واقعہ جزئیہ ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ سردی کے زمانے میں جبکہ دن چھوٹے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید سے فارغ ہوئے تو کسی نے نکاح پڑھانے کی درخواست کی ہوگی تو آپ نے

یہ ارشاد فرمایا ہوگا کہ دونوں نمازوں کے بیچ میں نہیں، مطلب یہ تھا کہ جمعہ کا افضل وقت نکاح کی نذر نہ ہو جائے اسلئے اس سے عدم جواز پر استدلال صحیح نہیں۔ قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی مستحبات النکاح (تنبیہ) قال فی البزازیۃ والبناء والنکاح بین العیدین جائز وکرہ الزفاف والمختار انہ لایکرہ لانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام تزوج بالصدیقۃ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) فی شوال وبنی بھا فیہ وتأویل قولہ علیہ السلام لانکاح بین العیدین ان صح انہ علیہ السلام کان رجع عن صلوٰۃ العید فی اقصر ایام الشتاء یوم الجمعۃ فقالہ حتی لاتفوتہ الرواح فی الوقت الافضل اھ (شامیہ ص۲۸۴ ج۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷ ذی الحجہ سنہ ۹۵ ہجری

طوفانِ نوح علیہ السلام عام تھا

سوال: طوفانِ نوح عام تھا یا خاص؟ اس کا جواب ضرور عنایت فرمائیں۔

الجواب باسم ملہم الصواب

باری تعالیٰ کا ارشاد وجعلنا ذریتہ ھم الباقین وقولہ لاتذر علی الارض من الکٰفرین دیارا وقولہ وقلنا احمل فیھا من کل زوجین اثنین سے اس طوفان کا عام ہونا معلوم ہوتا ہے اس آیت کی تفسیر میں ترمذی کی روایت بھی اسی کی مؤید ہے اسلئے جمہور کا یہی مسلک ہے بعض نے خصوص کا قول بھی روایت کیا ہے اور آیات میں حصر اضافی اور ارض معہود کی تأویل کی ہے مگر اسکے قائل بہت قلیل ہیں۔ اگر عموم عذاب سے بعثت عامہ کا شبہ کیا جائے حالانکہ بعثت عامہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص ہے تو اسکے یہ جواب دیئے جا سکتے ہیں۔

(۱) قال الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ ورأیت فی بعض الکتب ولا ادری الآن ای کتاب ھو ان نوحا علیہ السلام لم یرسل الا بالتوحید ونحوہ من اصول العقائد ولم یرسل بفروع۔ پس جب نوح علیہ السلام کی بعثت صرف توحید وغیرہ اصول دین کے ساتھ ہوئی اور تمام انبیاء علیہم السلام اصول دین میں متحد ہیں تو یہ سزا توحید کی مخالفت کی وجہ سے عام ہوئی۔

(۲) نبی کی بعثت اگرچہ خاص ہو مگر ہر قوم پر اسکی نبوت کی تصدیق ضروری ہے اگرچہ التزام طاعت ضروری نہیں لہٰذا تکذیب اور انکار نبوت کی وجہ سے عذاب عام ہوا۔

(۳) اسوقت دنیا کی آبادی ہی محدود تھی اور جو آبادی تھی وہ نوح علیہ السلام کی قوم میں سے تھی اسلئے عذاب سب پر نازل ہوا اور عموم بعثت کے معنی یہ ہیں کہ اقوام کثیرہ کی طرف بعثت ہو ورنہ حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر بھی عموم بعثت کا اشکال ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ رجب المرجب سنہ ۸۸ھ

سات زمینوں کی تحقیق

سوال: ارشاد باری تعالیٰ "اللہ الذی خلق سبع سمٰوٰت ومن الارض مثلھن" سے معلوم ہوا کہ جیسے آسمان سات ہیں اسی طرح زمینیں بھی سات ہیں مگر یہ زمینیں ہمارے اوپر ہیں یا نیچے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

بعض کہتے ہیں کہ زمین ایک ہی ہے اور مثلیّت بعض صفات میں مراد ہے عدد میں نہیں مگر یہ قول صحیح نہیں اس لئے کہ سات زمینوں کا وجود احادیث صحیحہ سے ثابت ہے مگر شریعت نے انکی جگہ نہیں بتائی اسلئے اس بارے میں اقوال مختلف ہیں۔

(۱) سات زمینیں ایک دوسری کے اوپر ہیں اور ہر دو کے درمیان فصل ہے۔

(۲) پہلے آسمان کے اوپر دوسری زمین ہے پھر دوسرے آسمان کے اوپر تیسری زمین، علیٰ ہٰذا القیاس چھٹے آسمان کے اوپر ساتویں زمین ہے اور اسکے اوپر ساتواں آسمان،

(۳) اقالیم سبعہ مراد ہیں۔

(۴) معادن یا مٹی کے سات طبقات مراد ہیں۔

قول اول راجح ہے کیونکہ یہ بعض احادیث سے بھی ثابت ہے اور جمہور کا قول بھی یہی ہے

قال الألوسی رحمہ اللہ تعالیٰ والمثلیۃ تصدق بالاشتراک فی بعض الاوصاف فقال الجمھور ھی ھٰھنا فی کونھا سبعًا وکونھا طبقا بعضھا فوق بعض بین کل ارض وارض مسافۃ کما بین السماء والارض وفی کل ارض سکان من خلق اللہ عز وجل لایعلم حقیقتھم الا اللہ تعالیٰ وعن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما انھم اما ملائکۃ اوجن (الیٰ ان قال) کون ما بین کل ارضین خمسمائۃ سنۃ کما بین کل سماءین جاء فی اخبار معتبرۃ کما روی الامام احمد والترمذی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ الحدیث (روح المعانی ص۱۳۶ ج ۲۸)

تحقیقاتِ جدیدہ کے مطابق اگر چاند وغیرہ سیّاروں کی زمین کے ساتھ مماثلت ثابت ہوجائے تو وہ قول مذکور کے مطابق ہے۔ سبعہ سیّارہ میں سے شمس کے سوا باقی سیّارات کی زمین سے مماثلت بتائی جاتی ہے سو بشمول ارض سات کا عدد پورا ہوجاتا ہے۔ اور اگر سیّارات مزید ثابت ہوجائیں تو شاید ارض کے ساتھ ان کی مماثلت من کل وجہ نہو اور من کل وجہ مماثلت بھی ثابت ہوجائے تو سات کے عدد میں احتمال تکثیر ہے، نیز عدد اقل اکثر کی نفی نہیں کرتا۔

اور دو سیّاروں کے درمیان فصل اگر پانچ سو سال کی مسافت کے مطابق نہو تو اس عدد کو بھی تکثیر کے لئے لیا جاسکتا ہے۔ و ہو معروف فی کلام العرب، فتح الباری میں ایک روایت اکہتر یا بہتر کی بھی منقول ہے اس سے اسکی تائید ہوتی ہے کہ یہ اعداد تکثیر کیلئے ہیں لکیلا تتضاد

بعض روایات میں ہے کہ بقیہ زمینیں ہماری زمین کے نیچے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ بعض حالات میں نیچے ہوتی ہیں اور بعض میں اوپر، چونکہ زمین کے مفہوم میں تحتانیت متصور ہے اس لئے صرف نیچے ہونا بیان کیا گیا۔ اگر کوئی یہ دعوی کرے کہ سیّارات پر کوئی مخلوق نہیں اور نہ ہی وہاں کسی جاندار کے زندہ رہنے کا امکان ہے۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ عدم وجدان عدم وجود کی دلیل نہیں، بالخصوص جبکہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے منقول ہے کہ وہ مخلوق ملائکہ یا جنات ہیں اور یہ امر مسلم و مشاہد ہے کہ ملائکہ اور جنات کے وجود و عدم اور انکے مدار زندگی کے فقدان کا فیصلہ انسان نہیں کرسکتا۔ بہرکیف اسلم یہ ہے کہ اس تحقیق میں نہ پڑا جائے کہ یہ زمینیں کہاں ہیں؟ صرف اتنا عقیدہ رکھنا کافی ہے کہ سات زمینیں ہیں۔ واللہ اعلم بمکانہا وکیفیاتہا وسکانہا۔ فقط واللہ تعالے اعلم

۱۸ ربیع الاوّل سنہ ۸۹ھ

تحقیق حدیث فی کل ارض آدم کآدمکم الخ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ حدیث میں ہے ان اللہ خلق سبع ارضین فی کل ارض آدم کآدمکم و نوح کنوحکم و ابراہیم کابراہیمکم و عیسیٰ کعیسیٰ و نبی کنبیکم الخ کیا یہ درست ہے؟ پہلی زمین اور دوسری زمین میں کتنا فاصلہ ہے؟ کیا ہر ایک زمین میں اس طرح نبی گزرے ہیں اور اس طرح آدمی ہیں؟ بحوالہ کتب مع عبارات تحریر فرمائیں کہ مولوی صاحب کا قول درست ہے یا غلط؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

قال الحافظ رحمه الله تعالى عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما فى هذه الآية - ومن الارض مثلهن قال فى كل ارض مثل ابراهيم ونحو ما على الارض من الخلق هكذا اخرجه مختصرًا واسناده صحيح واخرجه الحاكم والبيهقى من طريق عطاء بن السائب عن ابى الضحى مطولاً واوله اى سبع ارضين فى كل ارض آدم كآدمكم ونوح كنوحكم وابراهيم كابراهيمكم وعيسى كعيسى ونبى كنبيكم قال البيهقى اسناده صحيح الا انه شاذ بمرة (فتح البارى ص۲۰۳ ج۶)

وقال الحافظ ابن كثير رحمه الله تعالى وهكذا ما يذكره كثير من اهل الكتاب وتلقاه عنهم طائفة من علمائنا من ان هذه الارض من تراب والتى تحتها من حديد والاخرى من حجارة من كبريت والاخرى من كذا فكل هذا اذا لم يخبر به ويصح سنده الى معصوم فهو مردود على قائله - وهكذا الاثر المروى عن ابن عباس انه قال فى كل ارض من الخلق مثل ما فى هذه حتى آدم كآدمكم وابراهيم كابراهيمكم فهذا ذكره ابن جرير مختصرًا واستقصاه البيهقى فى الاسماء والصفات وهو محمول ان صح نقله عنه على انه اخذه ابن عباس عن الاسرائيليات (البداية والنهاية ص۲۱ ج۱)

وقال العلامة الآلوسى رحمه الله تعالى والمثلية تصدق بالاشتراك فى بعض الاوصاف فقال الجمهور هى هنا فى كونها سبعًا وكونها طباقًا بعضها فوق بعض بين كل ارض وارض مسافة كما بين السماء والارض وفى كل ارض سكان من خلق الله عزوجل لا يعلم حقيقتهم الا الله تعالى وعن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما انهم اما ملائكة اوجن واخرج ابن جرير وابن ابى حاتم والحاكم وصححه والبيهقى فى شعب الايمان وفى الاسماء والصفات من طريق ابى الضحى عنه انه قال فى الآية سبع ارضين فى كل ارض نبى كنبيكم وآدم كآدمكم ونوح كنوح وابراهيم كابراهيم وعيسى كعيسى قال الذهبى واسناده صحيح ولكنه شاذ بمرة لا اعلم لابى الضحى عليه متابعًا وذكر ابو حيان فى البحر نحوه عن الحبر وقال هذا حديث لاشك فى وضعه وهو من رواية الواقدى الكذاب واقول لامانع عقلاً وشرعًا من صحته والمراد ان فى كل ارض خلقا يرجعون الى اصل واحد رجوع بنى آدم فى ارضنا الى آدم عليه السلام وفيهم افراد ممتازون على سائرهم كنوح وابراهيم وغيرهما فينا - واخرج ابن ابى حاتم والحاكم وصححه عن ابن عمر رضى الله تعالى عنهما

مرفوعًا ان بين كل ارض والتى تليها خمسمائة عام والعليا منها على ظهر حوت قد التقى طرفاه فى السماء والحوت على صخرة بيد ملك والثانية مسجن الريح ـ والثالثة فيها حيّاتها ـ والسادسة فيها عقاربها والسابعة فيها سقر فيها ابليس مصفد بالحديد يد امامه ويد خلفه يطلقه الله تعالىٰ لمن يشاء وهو حديث منكر كما قال الذهبى لا يعول عليه اصلا فلا تغتر بتصحيح الحاكم ومثله فى ذلك اخبار كثيرة فى هذا الباب لولا خوف الملل لذكرناها لكن كون ما بين كل ارضين خمسمائة سنة كما بين كل سماءين جاء فى اخبار معتبرة كما روى الامام احمد والترمذى عن ابى هريرة الخ

(روح المعانى ص۱۲۵ ج ۲۸)

ان عبارات سے مندرجہ ذیل اُمور ثابت ہوئے۔

(۱) یہ مضمون حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے۔

بعض حضرات نے اسے موقوف علی السماع ہونے کی وجہ سے بحکم مرفوع قرار دیا ہے، مگر اسکا اس لئے یقین نہیں کیا جا سکتا کہ اسرائیلیات سے لینے کا احتمال ہے کما قال الحافظ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ

(۲) اس کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف نسبت کی صحت میں اختلاف ہے صحت راجح معلوم ہوتی ہے اسلئے کہ اگرچہ حاکم کی تصحیح قابلِ اطمینان نہیں مگر ذہبی کی تصحیح بلاشبہ معتبر ہے اس کی وجہ بندہ کی کتاب ارشاد القاری الی صحیح البخاری میں ملاحظہ فرمائیں

(۳) اس کی روایت میں ابو الضحیٰ متفرد ہیں۔

بظاہر یہ امر روایت کی صحت کو مخدوش کر رہا ہے کہ ایسے اعجب العجائب مضمون کو سوائے ایک شخص کے اور کوئی روایت نہیں کرتا، مگر اسکا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بخوف فتنہ اسے چھپاتے تھے چنانچہ درمنثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے۔ لو حدثتكم بتفسيرها لكفرتم وكفركم تكذيبكم بها

خلاصہ یہ کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کیطرف نسبت کی صحت راجح ہے مگر بحکم مرفوع ہونے میں کلام ہے۔

مطلب

بعض اکابر نے لکھا ہے کہ بقیہ اراضی میں مخلوق کا ہونا ثابت ہے اور "لکل قوم ہاد" سے

ثابت ہوتا ہے کہ ان کی طرف انبیاء علیہم السلام بھی مبعوث ہوئے ہیں۔ نیز "یتنزل الامر بینھن" سے بھی ثابت ہوا کہ سب زمینوں میں وحی نازل ہوتی ہے، اس لئے اثر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حقیقت پر مبنی ہے یعنی دوسری زمینوں میں بھی انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہوئی ہے، آگے دو احتمال ہیں ایک یہ کہ انکے نام آدم، ابراہیم الخ بطور تشبیہ ہوں۔ دوسرا یہ کہ واقعۃً انکے بھی یہی نام ہوں "نبی کنبیکم" سے احتمال اوّل کو ترجیح معلوم ہوتی ہے۔

مگر دوسرے محققین نے اس سے اتفاق نہیں کیا اسلئے کہ بقیہ زمینوں میں مخلوق کا ہونا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں، اور اگر مخلوق کا وجود تسلیم کر لیا جائے تو وہ بقول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ملائکہ یا جنات ہیں اور نبی کا انسان ہونا لازم ہے، اور انسان کا صرف جنات کی طرف مبعوث ہونا اور دوسرے انسانوں سے الگ صرف جنات ہی کی بستی میں رہنا بعید ہے اسکے برعکس دوسری زمینوں کے جنات کی ہدایت کا اس زمین کے انبیاء علیہم السلام سے متعلق ہونا اور ان کا یہاں آکر ہدایت پانا کچھ بعید نہیں، اور "یتنزل الامر بینھن" میں امر سے تکوینی امر مراد لیا جاسکتا ہے۔

باقی رہا صرف یہی اثر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سو اوّلاً تو شبہۂ اسرائیلیات کی وجہ سے اسکا محمل تلاش کرنے میں کاوش کی چنداں حاجت نہیں بالخصوص جبکہ خود صاحبِ اثر بھی اسے چھپاتے تھے کما مرّ من الدر المنثور، ثانیاً اسکا محمل یہ ہوسکتا ہے کہ جیسے ہماری زمین میں مبدء اور ممتاز حضرات ہیں اسی طرح دوسرے طبقات میں بھی مبدء اور ممتاز افراد ہیں، کما مرّ من الروح اور "نبی کنبیکم" میں نبی بمعنی لغوی ہوسکتا ہے۔

غرضیکہ اوّلاً تو یہ حدیث نہیں بلکہ اثر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہے۔ پھر اس کا ثبوت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مختلف فیہ ہے، پھر اسرائیلیات میں سے ہونے کا شبہ ہے، پھر صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اسکا محمل واضح ہے، مگر ہوسِ نبوّت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ ایسی کمزور بنیاد پر کتنی بڑی عمارت کھڑی کر رہے ہیں کہ جب زمین کے دوسرے طبقات میں بھی انبیاء ہیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین نہ ہوئے، ان کی مثال بس وہی ہے من اسس بنیانہ علی شفا جرف ھار فانھار بہ فی نار جھنم، نصِ قرآنی اور قطعی واجماعی عقیدہ کے ناقابلِ تسخیر قلعہ کو مچھر کے پر سے اُڑانا چاہتے ہیں اللّٰھم خذھم اخذ عزیز مقتدر۔

اگر دوسرے طبقات میں انبیاء علیہم السلام کا وجود تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے یہ کیسے

ثابت ہوا کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوئے ہیں یا ان میں سے کوئی آپکا ہم رتبہ ہے تشبیہ کے لئے مساوات ضروری نہیں، آپ کی نبوت کا عموم اور ختم نبوت نصوص قطعیہ سے ثابت ہونیکی وجہ سے لازماً یہی کہنا پڑیگا کہ دوسرے طبقات میں اگر انبیاء گزرے ہیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل گزرے ہیں۔ آپ کی نبوت جمیع طبقات کے لئے عام ہے، اس پر یہ اشکال نہیں ہوسکتا کہ آپ سے دوسرے طبقات کے استفادہ کی کیا صورت ہے؟ اس لئے کہ وہاں بستے ہی جنات ہیں اور انھیں استفادہ کے لئے ہماری زمین پر آنے میں کوئی دقت نہیں نیز یہ بھی ممکن ہے کہ وہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مثالیہ کام کر رہی ہو، بلکہ یہ احتمال سب انبیاء علیہم السلام میں ہے، اس طرح تشبیہ اشتراک فی الاسم کو بھی شامل ہوگئی یہ علی سبیل التسلیم تحریر کر دیا ہے ورنہ حقیقت وہی ہے جو ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ دوسرے طبقات میں حضرات انبیاء علیہم السلام کا وجود ثابت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ صفر سنہ ۹۷ ہجری

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا

سوال : کیا کسی حدیث میں موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا ثابت ہے تفصیل سے تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حدثنا ھداب بن خالد وشیبان بن فروخ قالا اخبرنا حماد بن سلمۃ البنانی وسلیمان التیمی عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اتیت وفی روایۃ ھداب مررت علی موسیٰ لیلۃ اسری بی عند الکثیب الاحمر وھو قائم یصلی فی قبرہ (صحیح مسلم ص۲۶۸ ج ۲) مختلف طرق سے یہ حدیث مروی ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸ ربیع الاول سنہ ۸۹ھ

سب سے اوّل کیا پیدا ہوا؟

سوال : ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ میرا نور تھا پھر آپ نے فرمایا کہ سب سے پہلے جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ میری روح تھی، پھر آپ نے فرمایا کہ جو شئے سب سے پہلے

پیدا ہوئی وہ میری عقل تھی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جو چیز سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے پیدا کی تھی وہ قلم تھا تو اب ان چاروں حدیثوں سے بندہ کو خلجان ہو گیا لہٰذا مہربانی کر کے بندہ کے شک کو رفع کیا جائے۔ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

قال الملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ رأیت فی الدر المنثور نقلاً عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما ان اوّل شیء خلقه الله القلم (الی ان قال) وفی الدر ایضا عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول ان اوّل شیء خلق الله القلم ثم النون وهی الدواة (الی ان قال) وروی ان اول ما خلق الله العقل و ان اوّل ما خلق الله نوری وان اوّل ما خلق الله روحی وان اوّل ما خلق الله العرش والاولیة من الامور الاضافیة فیؤول ان کل واحد ممّا ذکر خلق قبل ما هو من جنسه فالقلم خلق قبل جنس الاقلام ونوره قبل الانوار (الی قوله) ومنه اوّل ما خلق نوری وفی روایة روحی ومعناهما واحد اھ (مرقاۃ ص۱۶۷ ج ۱)

خلاصہ یہ کہ روح اور نور کے ایک ہی معنی ہیں اور بقیہ اشیاء میں اوّلیت سے اوّلیت اضافیہ مراد ہے لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ ربیع الآخر سنہ ۸۹ھ

تشریح حدیث من هذا الرجل الخ

سوال: قبر میں میّت سے منکر نکیر دریافت کرتے ہیں، من هذا الرجل الذی بعث فیکم الخ اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر قبر میں حاضر ہوتے ہیں یا روضۂ اقدس سے قبر تک پردۂ حجاب اُٹھایا جاتا ہے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر دکھائی جاتی ہے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگرچہ احتمال یہ بھی ہے کہ قبر میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ مثالیہ پیش کی جاتی ہو یا قبر اور روضۂ اطہر کے درمیان سے حجاب اُٹھا دیا جاتا ہو مگر احادیث کے ظاہر اور تبادر عقل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اور صفات سامیہ بیان کرنے کے بعد دریافت کیا جاتا ہے۔ هٰذا الرجل ولم یقل برسول الله صلی الله علیه وسلم لئلا یکون تلقینا للحجة قال عیاض یحتمل انه صلی الله علیه وسلم مثّل للمیّت فی قبره والاظهر

انہ سمی لہ انتہی یعنی لانہ المتبادر من قولہ فی الصحیحین عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فیقولان ما کنت تقول فی ھذا الرجل محمد وکذا فی روایۃ ابن المنکدر عن اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا عند احمد رحمہ اللہ ولہ من حدیث عائشۃ رضی اللہ عنہا ما ھذا الرجل الذی کان فیکم (ارشاد القاری ص۳۲۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۔۔ ربیع الاول سنہ ۹۱ھ

کتب حدیث کی تاریخ تالیف

سوال: بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف، ابن ماجہ، موطا، نسائی، مسند امام احمد، سنن ابو داود، سنن دارمی اور سنن امام شافعی، یہ کتابیں کس کی لکھی ہوئی ہیں اور کس سن ہجری میں لکھی گئی ہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مذکورہ کتابوں کے مؤلف خود سوال میں کتاب کے ساتھ مذکور ہیں۔ موطا دو ہیں۔ موطا امام مالک، موطا امام محمد۔ ان محدثین کی تواریخ وفات یہ ہیں۔

(۱) موطا امام مالک بن انس متوفی سنہ ۱۷۹ ہجری
(۲) موطا امام محمد متوفی سنہ ۱۸۹ ہجری
(۳) مسند الامام الشافعی متوفی سنہ ۲۰۴ھ　　(یہ تین کتابیں دوسری صدی کی ہیں)
(۴) صحیح بخاری متوفی سنہ ۲۵۶ ہجری
(۵) صحیح مسلم متوفی سنہ ۲۶۱ ہجری
(۶) سنن ابی داود متوفی سنہ ۲۷۵ ہجری
(۷) سنن الترمذی متوفی سنہ ۲۷۹ ہجری
(۸) سنن نسائی متوفی سنہ ۳۰۳ ہجری
(۹) سنن ابن ماجہ متوفی سنہ ۲۷۳ ہجری
(۱۰) مسند امام احمد متوفی سنہ ۲۴۱ ہجری
(۱۱) مسند دارمی متوفی سنہ ۲۵۵ ہجری

یہ سب کتابیں تیسری صدی کی ہیں (ارشاد القاری ص۲۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ ربیع الاول سنہ ۹۳ھ

تشریح حدیث من رأی منکم منکرا الخ

سوال: حدیث من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ الخ کی کیا تفسیر ہے؟ بازار میں عام لوگ ڈاڑھی منڈے اور فسق و فجور میں مبتلا نظر آتے ہیں کیا ان سب کو تبلیغ کرنا فرض ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

حدیث میں استطاعت سے حسّی استطاعت مراد نہیں، اسلئے کہ اس صورت میں عدم استطاعت متصور ہی نہیں ہوسکتی کیونکہ بادشاہ کو بھی طمانچہ مارنے کی حسّی استطاعت تو سب میں موجود ہے اسلئے استطاعت سے مراد یہ ہے کہ جسے تبلیغ کرنا چاہتا ہے اسکے شر سے محفوظ رہ سکے نیز اگر قبول کی توقع نہ ہو تو تبلیغ ضروری نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ ذی الحجہ سنہ ۹۴ ہجری

تشریح حدیث للمسلم علی المسلم ستّۃ حقوق

سوال: حدیث للمسلم علی المسلم ستّۃ حقوق الخ کی کیا تفسیر ہے؟ کیا ہر شہری کے ذمہ لازم ہے کہ وہ دن میں کم از کم ایک مرتبہ ہسپتال جاکر بیماروں کی تیمار داری کرے۔ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر دنیا کے ہر مسلم کی عیادت ہر مسلم پر واجب ہو تو نہ عیادت کرنے والوں کو کسی دوسرے کام کی فرصت مل سکتی ہے اور نہ ہی مریض کو چین و آرام کی مہلت میسر آسکتی ہے لہٰذا حدیث مخصوص ہے اہل تعلق و اہل معرفت کے ساتھ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸ ذی الحجہ سنہ ۹۴ ہجری

امر بالمعروف کی طرح نہی عن المنکر بھی فرض ہے

سوال: امر بالمعروف کرنا اور نہی عن المنکر نہ کرنا مخرج عن عہدۃ الامر بالمعروف والنہی عن المنکر ہے یا نہیں۔ اور وجہ یہ بتاتے ہیں کہ مقصود نصیحت کرنے سے اصلاح الغیر ہے اور نہی عن المنکر سے نفرت اور ضد پیدا ہوتی ہے اسلئے امر بالمعروف کرنا کافی لاصلاح الغیر ہے بلکہ زیادہ مؤثر ہے اس سے کہ اجتماع بین الامر والنہی ہو جائے اور کہتے ہیں کہ ہم نے اسکا تجربہ کیا ہے۔ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہر دو مستقل مأمور بہ ہیں، ایک پر عمل سے دوسرے سے فارغ الذمہ نہیں ہوگا البتہ نہی عن المنکر میں ملاطفت اور ہمدردی کا اظہار ضروری ہے "ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ"، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۷ رمحرم سنہ ۹۵ھ

عاشوراء میں توسیع علی العیال سے متعلق حدیث :

سوال : عام طور پر مشہور ہے کہ جو شخص یوم عاشوراء کو اپنے اہل وعیال پر فراخی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پورے سال فراخی و وسعت عطا فرماتے ہیں، کیا شرعاً اس کی کچھ اصل ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اس بارہ میں ایک حدیث مشہور ہے جسے امام احمد، عقیلی، ابن قیسرانی، ابن جوزی، ابن تیمیہ، ابن قیم اور حافظ ابن حجر جیسے جبال حدیث نے غیر ثابت قرار دیا ہے، البتہ دوسرے بعض نے موضوع کی بجائے ضعیف کہا ہے۔ مگر فضائل میں بھی عمل بالضعیف کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ کسی قاعدہ شرعیہ میں داخل ہو اور اسے سنّت نہ سمجھا جائے (علائیہ) یہاں یہ دونوں شرطیں مفقود ہیں، یہ کسی کلیہ شرعیہ کے تحت نہیں اور عوام اسے سنت سمجھتے ہیں، محرم سے متعلق احادیث موضوعہ کا طومار اسے اور زیادہ مخدوش بنا رہا ہے، علاوہ ازیں اس میں اور بھی کئی قبائح ہیں جن کی تفصیل بندہ کے رسالہ "منکرات محرم" میں ہے،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم — ۲۰ ربیع الآخر سنہ ۹۵ھ

"واللہ یعصمک من الناس" کا وعدہ بعد الموت کو بھی شامل ہے :

سوال : کچھ علماء و واعظین یہ قصّہ بیان کرتے ہیں کہ سلطان نور الدین زنگی کو خواب میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ دو سُرخ کُتّے میری مرقد منوّر پر حملہ آور ہیں ان کا تعاقب کرو، اوکما قال، نیز ان سُرخ رنگ یہودیوں کا مثالی حلیہ بھی دکھایا گیا تھا۔ سلطان مرحوم نے مع سپاہ و فوج مدینہ منورہ پہنچ کر ان کا سُراغ لگایا اور انھیں پہچان کر قتل کیا ملخصًا، یہ قصّہ کیا مبنی برحقیقت ہے؟ اور کس مستند اسلامی کتاب میں موجود ہے؟ اگر "واللہ یعصمک من الناس" کا وعدہ مابعد الموت کے لئے بھی ہے تو سلطان کو حفاظت کی کیا ضرورت تھی؟ بیّنوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ واقعہ صحیح ہے ۵۵۷ھ میں اسکا وقوع ہوا اور آج تک امّت میں اس تواتر سے چلا آتا ہے کہ کسی نے بھی انکار نہیں کیا۔ اکثر علماء نے اس کو اپنی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہم نے فضائل حج میں سیرت کی معتبر و مقبول عام کتاب وفاء الوفاء جلد اوّل کے حوالہ سے اس کو بالتفصیل نقل فرمایا ہے۔
واللہ یعصمک من النّاس کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا جو انتظام فرمایا گیا تھا بظاہر یہ حیات و بعد الممات دونوں کو شامل ہے۔ واللہ یعصمک من النّاس سے مافوق العادۃ ذرائع سے حفاظت مراد ہے جو واقعۂ مذکورہ میں حاصل ہے لہٰذا یہ واقعہ آیتِ مذکورہ کے خلاف نہیں بلکہ اسکا مظہر ہے اور اس خاص ذریعہ میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اسلام کے معجزہ کا اظہار ہو، اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر تک جانیکی کسی کو ویسے ہی قدرت نہ ہوتی تو معجزہ کا اظہار نہ ہوتا اس کی ایک نظیر حضرت حذیفہ وجابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی کرامت ہے۔ ۱۹۳۲ء کا واقعہ ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب میں شاہِ عراق (ملک فیصل اوّل) کو فرمایا کہ ہماری قبریں دوسری جگہ منتقل کرو یہاں دجلہ کا پانی آرہا ہے چنانچہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ ان حضرات کی نعشوں کو وہاں سے نکالا گیا، اور لاکھوں کی تعداد میں لوگوں نے اسکا مشاہدہ کیا اور بیشمار کافر یہ کرامت دیکھ کر اسلام لائے دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ نعش ہائے مبارک کا کفن حتیٰ کہ ریش مبارک کے بال تک بالکل صحیح حالت میں تھے۔ دیکھنے والوں کو یوں معلوم ہوتا تھا کہ شاید انھیں رحلت فرمائے دو تین گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں گزرا، دونوں حضرات کی آنکھیں بھی کھلی ہوئی تھیں اور ان میں اتنی پر اسرار چمک تھی کہ دیکھنے والا اُن سے آنکھیں نہ ملا سکتا تھا، اس واقعہ کے ایک عینی شاہد لطافت حسین صاحب کا مکتوب ماہنامہ "صدق" لکھنؤ ۱۱ر دسمبر سنہ ۱۹۴۴ء اور ماہنامہ "دار العلوم" دیوبند ستمبر ۱۹۵۷ء مطابق صفر ۱۳۷۷ھ میں شائع ہوا ہے۔ اس میں بھی وہی معجزۂ اسلام کے اظہار کی حکمت ہے ورنہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر تھے کہ دریا کا پانی انکی قبور کی طرف نہ آنے دیتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ر رجب سنہ ۹۵ ہجری

حدیث "الدنیا جیفۃ الخ" کا حوالہ

سوال: "الدنیا جیفۃ وطالبوہا کلاب" کیا یہ حدیث صحیح ہے۔ اگر ہے تو کس کتاب میں؟ تحریر فرمائیں۔ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ مضمون بلاشبہہ حدیث سے ثابت ہے البتہ سرسری نظر سے بعینہ یہ الفاظ نہیں ملے۔

اوحی اللہ الی داؤد علیہ السلام یا داؤد مثل الدنیا کمثل جیفۃ اجتمعت علیہا الکلاب یجرونہا افتحب ان تکون کلبا مثلہم فتجر معہم (کنز العمال ص۱۲۲ ج۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۴ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۲ھ

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے متعلق حدیث

سوال: کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی عوام کے کوڑے پر کھڑے ہو کر پیشاب کیا تھا؟ اس کی وجہ کیا تھی اور یہ ذکر کونسی کتاب میں ہے عوام کے کوڑے پر یا کسی بھی جگہ پر ایسا کیا تھا اس کی مکمل تفصیل تحریر فرمائیں۔ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

عن حذیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سباطۃ قوم فبال قائما ثم دعا بماءٍ فمسح علی خفیہ (رواہ ابوداؤد فی باب البول قائماً)

حدیث مذکور میں اسکی تصریح ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوڑے پر کھڑے ہو کر پیشاب کیا تھا۔ علماء نے اس کی مختلف وجوہ بیان فرمائی ہیں۔

1. آپ کے گھٹنوں میں درد تھا۔
2. کمر میں درد تھا ان دونوں دردوں کیلئے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مفید خیال کیا جاتا تھا
3. آپ زرع پہنے ہوئے تھے اس لئے بیٹھنے پر قدرت نہ تھی۔
4. بیٹھ کر پیشاب کرنے کی حالت میں کپڑے نجس ہونیکا خطرہ تھا۔

بہرحال بلاعذر کھڑے ہو کر پیشاب کرنا شرعاً ممنوع ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کو کسی عذر پر محمول کیا گیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۴ ذی قعدہ سنہ ۹۲ھ

"ربّ اجعلنی مقیم الصّلوٰۃ الخ" پر اشکال کا جواب

سوال: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دُعا فرمائی تھی ربّ اجعلنی مقیم الصلوٰۃ و من ذرّیتی، اس میں مِنْ تبعیضیہ ہے جس سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ مجھے اور میری بعض اولاد کو نماز قائم کرنے والے بنا اور بعض دیگر کے حق میں یہ دعا نہیں ہے حالانکہ چاہیئے یہ کہ ہماری تمام اولاد مصلّی بنیں۔ کیا ہم اس وقت یہ دُعا پڑھ سکتے ہیں۔ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصّواب

حضرت ابراہیم علیہ السلام صاحبِ وحی تھے۔ آپ کو بذریعہ وحی معلوم کرا دیا گیا تھا کہ آپکی بعض اولاد نیک نہیں ہوگی۔ لاینال عهدی الظّالمین، و من ذریتهما محسن وظالم لنفسه مبین۔ اس لئے آپ کی دُعا میں "من ذریتی" میں مِنْ تبعیض کے لئے ہے آپ اس دُعا میں کوئی تغیر نہ کریں بلکہ مِنْ کو "تبیین یا ابتداء" کے لئے لیکر جمیع ذرّیت کی نیت کر لیا کریں

قال العلامۃ الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ فی تفسیر قولہ تعالیٰ ربّنا ھب لنا من ازواجنا وذرّیّٰتنا الخ ومن ابتدائیۃ متعلقۃ بھب ای ھب لنا من جھتہم وجوزان تکون بیانیۃ کانہ قیل ھب لنا قرۃ اعین ثم بیّنت القرۃ وفسّرت بقولہ سبحانہ من ازواجنا و ذرّیّٰتنا و ھذا مبنی علی مجیٔ من للبیان وجواز تقدم المبین علی المبین (روح المعانی ص۴۷ ج۱۹)

فکذٰلک یمکن التقدیر ھٰھنا مثلاً اجعل اقامۃ الصلوٰۃ من ذرّیتی او اجعل مقیمی الصّلوٰۃ من ذرّیتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳ر ذی الحجہ سنہ ۹۶ ھ

تحقیق حدیث عرضِ اعمال

سوال: ایک پمفلٹ کا تراشا ارسالِ خدمت ہے جسمیں تحریر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر عرضِ اعمال کی روایت باجماع محدثین موضوع ہے اس بارے میں اپنی تحقیق تحریر فرما کر مطمئن فرمائیں۔

محدّثین کا اجماع ہے کہ عرضِ اعمال کی یہ روایت من گھڑت ہے۔ روایت یوں ہے۔ عن ابن المبارک انا رجل من الانصار عن المنھال بن عمرو انہ سمع سعید بن المسیّب یقول لیس من یوم الّا یعرض فیہ علی النبی امتہ غدوۃً وعشیّۃً فیعرفھم باسمائھم واعمالھم فلذٰلک یشھد علیھم۔ ترجمہ: ابن المبارک نے کہا کہ مجھ سے ایک انصاری شخص نے اور اسنے المنھال

ابن عمرو سے سُنا کہ وہ کہتے تھے کہ میں نے سعید بن مسیّب (تابعی) کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ کوئی دن بھی ایسا نہیں گزرتا کہ نبی پر آپ کی اُمّت صبح و شام پیش نہ کی جاتی ہو اور آپ اُمّتیوں کو انکے ناموں اور اعمالوں کیساتھ پہچان نہ لیتے ہوں تاکہ ان پر گواہی دیں۔ یہ حدیث نہیں بلکہ ایک تابعی سے منسوب کی جانیوالی غلط بات ہے۔ پھر رَجُلٌ من الانصار کا نام ہے نہ پتہ، نہ کسی حدیث کی کتاب میں اس روایت کا ذکر ہے۔ قرآن کریم یہ قاعدہ کلّیہ بیان فرماتا ہے۔ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ (المؤمنون آیت ۱۰۰) ترجمہ سب (مرنے والوں) کے پیچھے ایک برزخ (آڑ) حائل ہے، دوسری زندگی کے دن تک (المؤمنون آیت ۱۰۰)

وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ (احقاف آیت ۵) اور وہ ان کی پکار سے غافل ہیں۔

یہی بات صحیح بخاری میں مختلف مقامات پر آئی ہے مثلاً یُجاءُ برجالٍ من امتی فیؤخذ بھم ذات الشمال فاقول یا ربّ اصیحابی فیقال انک لا تدری ما احدثوا بعدک فاقول کما قال العبد الصالح وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ (المائدہ ۱۱۷) فیقال ان ھؤلاء لم یزالوا مرتدین علی اعقابھم منذ فارقتھم (بخاری ص۶۶۵)

ترجمہ: نبی نے فرمایا کہ قیامت کے دن میری اُمّت کے کچھ لوگوں کو لایا جائے گا اور پھر وہ بائیں طرف (جہنّم کی طرف) لیجائے جانے لگیں گے تو مَیں کہونگا کہ میرے رب! یہ تو میرے اُمتی ہیں (جہنّم کی طرف کہاں چلے) اسوقت مجھ سے خطاب کیا جائیگا کہ تمہیں کیا معلوم کہ تمہارے بعد انھوں نے کیا کیا بدعتیں نکالی تھیں، جواباً مَیں وہی کہونگا جو عبد صالح (عیسیٰ علیہ السلام) کا قول قرآن میں ہے کہ "میں جب تک انمیں قیام پذیر رہا اُنکے احوال کی نگرانی کرتا رہا، اور جب تونے مجھے وفات دیدی تو صرف تُو ان پر نگران باقی رہ گیا"۔ پھر مجھے بتایا جائیگا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو تمہارے رخصت ہوجانے کے بعد برابر اُلٹے پیروں واپس پھرتے گئے (بخاری ص۶۶۵)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر نبی پر اُمّت کے اعمال پیش کئے جاتے ہوتے تو اُن کو ان بدعتیوں کے معاملہ میں یہ تعجب نہ ہوتا۔ نبی کا زندگی میں یہ حال تھا کہ وہ فرماتے تھے تعرض الاعمال یوم الاثنین والخمیس فاحب ان یعرض عملی وانا صائم (رواہ الترمذی) ترجمہ: نبی نے فرمایا کہ اعمال اللہ کی بارگاہ میں دوشنبہ اور جمعرات کو پیش ہوتے ہیں اسلئے میں محبوب رکھتا ہوں کہ ان دنوں میں جب میرے اعمال بارگاہِ ایزدی میں پیش ہوں تو مَیں روزہ سے ہوں (ترمذی مشکوٰۃ ص۱۷۹) معلوم ہوا کہ اعمالِ انسانی اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں،

لیے ہے وہ جو یہ عقیدہ رکھنے پر اصرار کریں کہ اعمال رسول پر پیش ہوتے ہیں تو وہ کھلے مشرک ہیں انھوں نے نبی کو الٰہ بنا لیا ہے۔

الجواب باسم ملہم الصواب

تعجب ہے کہ محرر نے اس حدیث کے منگھڑت ہونے پر اجماع محدثین کا دعویٰ تو کیا مگر اسکے اثبات کے لئے کسی ایک محدث کا بھی کوئی قول نقل نہیں کیا۔ حدیث کا موضوع ہونا تو درکنار اسکے ضعیف ہونے پر بھی کوئی سند نہیں پیش کی۔ طرز تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ محرر شدید غلو کا شکار ہے اسلئے اس نے اس حدیث کے موضوع یا ضعیف ہونے سے متعلق محدثین کے اقوال تلاش کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں فروگذاشت کیا ہوگا معہذا اسے اپنی خواہش کے مطابق کوئی قول نہیں ملا، ورنہ وہ اسے اپنی تائید میں ضرور پیش کرتے۔ سرسری تلاش سے احادیث ذیل نظر سے گزریں جنمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہر شخص کے والدین اور اعزہ واقارب پر بھی عرض اعمال کی تصریح ہے۔

(۱) مرسل سعید بن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ جو محرر نے بلا حوالہ نقل کی ہے کسی کے دریافت کرنے پر محرر نے "التذکرہ للقرطبی" کا حوالہ دیا،

(۲) قال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ اخرج ابن ابی حاتم والطبرانی وغیرھما من طریق یونس بن محمد بن فضالۃ عن ابیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتاھم فی بنی ظفر ومعہ ابن مسعود وناس من اصحابہ فامر قارئاً فقرأ فاتی علی ھذہ الآیۃ فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید وجئنا بک علی ھؤلاء شھیدا، فبکی حتی ضرب لحیاہ ووجنتاہ فقال یارب ھذا علی من انا بین ظھریہ فکیف بمن لم ارہ؟ واخرج ابن المبارک فی الزھد من طریق سعید بن المسیب قال لیس من یوم الا یعرض علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم امتہ غدوۃ وعشیۃ فیعرفھم بسیماھم واعمالھم فلذلک یشھد علیھم ففی ھذا المرسل ما یرفع الاشکال الذی تضمنہ حدیث ابن فضالۃ واللہ اعلم (فتح الباری ص ۹۹ ج ۶)

(۳) وفی المواھب مع شرحہ للعلامۃ الزرقانی (روی ابن المبارک) عبد اللہ الذی تستنزل الرحمۃ بذکرہ (عن سعید بن المسیب) التابعی الجلیل ابن الصحابی (قال لیس من یوم الا وتعرض علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اعمال امتہ غدوۃ وعشیا فیعرفھم بسیماھم واعمالھم) فیحمد اللہ ویستغفر لھم فاذا علم المسیء ذلک قد یحملہ الاقلاع ولا ینافی (ما رواہ الحکیم الترمذی وقدمناہ عن الجامع الصغیر) بجواز ان العرض علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کل یوم علی وجہ التفصیل وعلی الانبیاء ومنھم نبینا علی وجہ الاجمال یوم الجمعۃ فیمتاز صلی اللہ علیہ وسلم بعرض الاعمال منہ کل یوم تفصیلا ویوم الجمعۃ اجمالا (زرقانی ص ۳۰۵ ج ۸) سعید بن المسیب کی وفات ۹۳ھ میں ہوئی ہے اور عبد اللہ بن المبارک کی ولادت ۱۱۸ھ میں۔ لہذا یہ سند مرسل ہونیکے ساتھ معلق بھی ہے، عدم قبول مرسل میں امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ متفرد ہیں مگر سعید بن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مراسیل کو امام شافعی بھی حجت تسلیم کرتے ہیں (تدریب الراوی ص ۱۲۰)

علق اس شرط سے قبول ہے کہ راوی روایت عن الثقۃ کا التزام کرے کتعلیقات البخاری، عبداللہ ابن المبارک کی جلالت شان کے علاوہ اعتضاد بالروایا الأخری کی وجہ سے اس روایت کو ساقط قرار دینا صحیح نہیں۔

(۴) تعرض الاعمال یوم الاثنین والخمیس علی اللہ وتعرض علی الانبیاء وعلی الآباء والامہات یوم الجمعۃ فیفرحون بحسناتہم وتزداد وجوہہم بیاضا واشراقا فاتقوا اللہ ولا تؤذوا موتاکم، الحکیم عن والد عبد العزیز (ح) (الجامع الصغیر ص۱۳۱ ج ۱)

(۵) ایک عالم نے بتایا کہ جامع صغیر میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اسی مضمون کی روایت بحوالہ مسند الفردوس للدیلمی انکی نظر سے گزری ہے جو اس وقت سرسری تلاش سے نہیں ملی،

(۶) وفی جمع الفوائد عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال صلی اللہ علیہ وسلم حیاتی خیر لکم تحدثون ویحدث لکم ووفاتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم فما رأیت من خیر حمدت اللہ علیہ وما رأیت من شر استغفرت اللہ لکم۔ للبزار۔ وفی حاشیۃ اعذب الموارد قال الہیثمی رجالہ رجال الصحیح کذا فی الفیض ۲/۴۷۹ و ۳/۴۰۱ وفی مجمع الزوائد ۹/۲۴ رواہ البزار ورجالہ رجال الصحیح (جمع الفوائد ص۳۴۳ ج ۱)

(۷) قال العلامۃ الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ فی تفسیر قولہ تعالیٰ (وجئنا بک شہیدا علی ھؤلاء) فان اعمال امتہ علیہ الصلوٰۃ والسلام تعرض علیہ بعد موتہ فقد روی عنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہ قال حیاتی خیر لکم تحدثون ویحدث لکم ومماتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم فما رأیت من خیر حمدت اللہ تعالیٰ علیہ وما رأیت من شر استغفرت اللہ تعالیٰ لکم بل جاء ان اعمال العبد تعرض علی اقاربہ من الموتی۔

(۸) فقد اخرج ابن ابی الدنیا عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تفضحوا اموا تکم بسیئات اعمالکم فانہا تعرض علی اولیائکم من اہل القبور۔

(۹) واخرج احمد عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعا ان اعمالکم تعرض علی اقاربکم وعشائرکم من الاموات فان کان خیرا استبشروا وان کان غیر ذلک قالوا اللہم لا تمتہم حتی تہدیہم کما ہدیتنا۔

(۱۰) واخرجہ ابو داؤد من حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بزیادۃ والہمہم ان یعملوا بطاعتک

(۱۱) واخرج ابن ابی الدنیا عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال ان اعمالکم تعرض علی موتاکم فیسرون ویساؤن فکان ابو الدرداء یقول عند ذلک اللہم انی اعوذبک ان یمقتنی خالی عبد اللہ بن رواحۃ اذا لقیتہ یقول ذلک فی سجودہ۔

والنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم للامۃ بمنزلۃ الوالد بل اولی (روح المعانی ص۱۹۳ ج ۱۴)

(۱۲) علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ روح المعانی میں احادیث بالا کے بعد فرماتے ہیں کہ علامہ

مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی عرض الاعمال علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روایت نقل فرمائی ہے۔

احادیث مذکورہ میں سے حدیث ۱ کی سند صحیح اور ۷ کی سند حسن ہونیکی تصریح ہے اور حدیث ۹ اور ۱۰ کی قوت کے لئے امام احمد اور امام ابوداود رحمہما اللہ تعالیٰ کا نام ہی ضمانت ہے۔

محرر نے اپنے دعوی پر قرآن کریم کی دو آیتیں اور ایک حدیث پیش کی ہے، ان سے استدلال ایسا بدیہی البطلان ہے کہ اس سے متعلق کچھ لکھنے کی کوئی حاجت تو نہیں معہذا اسلئے لکھے دیتا ہوں کہ محرر کا مبلغ علم سامنے آجائے۔

① پہلی آیت کا پورا مضمون اس طرح ہے۔ حتی اذا جاء احدھم الموت قال رب ارجعون ۝ لعلی اعمل صالحا فیما ترکت کلا انھا کلمۃ ھو قائلھا ومن ورائھم برزخ الی یوم یبعثون ۝

یعنی جب نافرمان کی موت کا وقت آتا ہے تو وہ مہلت طلب کرتا ہے تاکہ وہ نیک عمل کرلے اس کے جواب میں ارشاد ہے کہ اب اسکی واپسی کا کوئی امکان نہیں۔ اسکا حاصل یہ ہوا کہ مرنے کے بعد کوئی واپس نہیں آتا، یہ مطلب ہرگز نہیں اس دنیا سے بھی کوئی عالم برزخ میں نہیں جاتا۔ یہاں سے تو ارواح و اعمال کے جانیکا سلسلہ جاری ہی رہتا ہے اور احادیث کیمطابق بعد میں جانیوالونکی پہلے جانیوالوں سے ملاقات بھی ہوتی ہے، اسی طرح ایصال ثواب کی صورت میں اموات کو ثواب بھی پہنچتا ہے

② دوسری آیت یہ ہے ومن اضل ممن یدعوا من دون اللہ من لا یستجیب لہ الی یوم القیٰمۃ وھم عن دعائھم غٰفلون ۝ یعنی بت اپنے پرستارونکی پکار سے بیخبر ہیں اسکا مسئلۂ زیر بحث سے کیا تعلق؟

③ حدیث یجاء برجال من امتی الخ سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعض لوگوں کو ان کی صورتوں سے نہ پہچانیں گے، یہ مضمون عرض اعمال کے خلاف نہیں، کیونکہ عرض اعمال اُمت کے ناموں سے ہوتا ہے جس سے معرفت صور نہیں ہوتی۔ بارہ روایات میں سے دو میں "اسماء" کی بجائے "سیما" کا لفظ ہے جو سہو ناسخ معلوم ہوتا ہے۔

محرر نے آخر میں عرض اعمال کا عقیدہ رکھنے والی پوری اُمت مسلمہ بشمول کبار صحابہ و جلیل القدر محدثین کو مشرک قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ "انھوں نے نبی کو الٰہ بنالیا ہے"۔

محرر پر لازم ہے کہ وہ پہلے شرک کی جامع و مانع حدِّ تام بیان کریں اور پھر عرض اعمال کا اس میں دخول ثابت کریں، اگر مطلقاً دُور سے کسی چیز پر مطلع ہوجانا ہی الوہیت ہے خواہ وہ کسی بھی ذریعہ سے ہو تو آج جو لوگ گھر بیٹھے ٹیلیویژن پر دُنیا بھر کے حالات دیکھ اور سن رہے ہیں، کیا یہ سب محرر کے خیال میں اللہ ہیں؟ فقط واللہ العالم

جمادی الاولیٰ سنہ ۹۷ھ

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ

دَفْعُ الوَسْوَاسْ
عن
قِصَّةِ القِرْطَاسْ

فاروق

قصۂ قرطاس کی حقیقت

سوال : حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت مشہور واقعۂ قرطاس کی حقیقت کیا ہے۔ اور اس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جو اعتراض کئے جاتے ہیں ان کی تفصیل اور تحقیق کیا ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری بیماری میں وفات سے چار روز قبل پنجشنبہ کے دن اپنے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ قرطاس یعنی کاغذ لاؤ میں ایک تحریر لکھدوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسوقت بیماری کی تکلیف زیادہ ہے لہٰذا آپ کو زحمت نہ دینا چاہیے اور ضروری احکام کے لئے کتاب اللہ کافی ہے اور بعض نامعلوم الاسم لوگوں کی یہ رائے ہوئی کہ لکھوا لینا چاہیئے۔ اس اثنا میں کچھ لوگوں نے "جن کا نام کسی روایت میں مذکور نہیں" کہا اھجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استفہموہ، یعنی کیا آپ کی جدائی کا وقت آگیا؟ آپ سے پوچھو تو سہی، پھر اسوقت نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تحریر کے لکھوانے کا قطعی حکم دیا اور نہ اسکے بعد کسی اور وقت میں اس کے متعلق کچھ فرمایا حالانکہ چار روز تک اس کے بعد دُنیا میں تشریف فرما رہے۔

قصہ تو صرف اسی قدر ہے جو اوپر بیان ہوا، مگر اہل تشیع نے بڑی بے باکی کے ساتھ اس قصہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تین اعتراض بڑے زور شور سے کئے ہیں۔

(۱) حضرت عمر نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہا کہ یہ شخص ہذیان بکتا ہے۔ (نعوذ باللہ من ذٰلک) ہجر کے معنی ہذیان بکنے کے لیتے ہیں اور اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقولہ قرار دیتے ہیں۔

(۲) ایسی ضروری تحریر جس کے بعد قیامت تک گمراہی کا اندیشہ نہ رہتا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہ لکھنے دی، اس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی بھی ہوئی اور تمام مسلمانوں کا نقصان بھی۔

(۳) حضرت عمر نے حسبنا کتاب اللہ فرمایا جسکا مطلب یہ ہے کہ حدیث کی ضرورت نہیں۔

اعتراض اوّل کا جواب (۱) لفظ ہجر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نہیں۔ کتب اہل سنت

میں، کوئی ایک صحیح روایت بھی اس افتراء کے ثبوت میں نہیں مل سکتی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ کسی روایت میں یہ نہیں کہ یہ لفظ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ نے بھی تحفۂ اثنا عشریہ میں یہی لکھا ہے، شیعہ علماء بھی جنہیں تجسس و عیب جوئی کی خاص مشق ہوتی ہے درجنوں کی درجنوں کئی سو برس سے ایسی روایت کی تلاش میں ہیں مگر مطالبات کے باوجود آجتک کوئی روایت نہیں پیش کر سکے، لہٰذا اگر کسی عالم اہل حق نے اسے مقولۂ عمر رضی اللہ عنہ تسلیم کرلیا ہے تو انہیں دھوکہ ہوا ہے کیونکہ شیعہ نے اپنی افتراء پردازیوں کو کچھ اس طرح شہرت دی اور عوام میں اسقدر پھیلایا کہ اس عام شہرت سے بعض خواص بھی دھوکہ کھا گئے جس کی بہت سی نظائر موجود ہیں۔ مثلاً امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب میں متعہ کا جواز اسقدر مشہور کیا گیا کہ صاحب ہدایہ جیسے محقق دھوکہ کھا گئے۔ کسی بڑے سے بڑے عالم کا دھوکہ میں آجانا کچھ مستبعد نہیں۔ اسی وجہ سے ہم نے مطالبہ کیا ہے کہ کوئی معتبر روایت بسند صحیح پیش کرو۔ اول ہر شخص کا بلا سند کوئی بات کہہ دینا روایت معلق نہیں ہوسکتا، معلق اسے کہتے ہیں کہ کوئی محدث روایت کرتے وقت کسی چیز کو بلا ذکر سند کے بیان کرے۔ پھر ہر روایت معلق کا صحیح ہونا بھی غلط ہے ورنہ پھر سند تو ایک بیکار شے ہو جائے گی۔ مولانا عبد الحی صاحب رحمہ اللہ ظفر الامانی میں فرماتے ہیں۔

"تلک الاخبار لا یعتبر بها ما لم یعلم سندها ومخرجها (الی ان قال) المرسل انما هو ما ارسله راوی الحدیث وترک الواسطة بینه وبین النبی صلی اللہ علیه وسلم لا مجرد قول کل من قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم والا لزم ان یکون قول العوام والسوقیة قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کذا مرسلاً والوجه فیه ان الارسال والانقطاع ونحو ذلک من صفات الاسناد ویتصف الحدیث به بواسطته فحیث لا اسناد فلا ارسال ولا انقطاع ولا اتصال وانما هو مجرد نقل اعتماداً علی الغیر ومن المعلوم ان صاحب الهدایة وغیره من اکابر الفقهاء ومؤلف احیاء العلوم وغیره من اجلة العرفاء لیسوا من المحدثین ولا من المخرجین وان کانوا فی الفقه والتصوف وغیرهما من الکاملین" (ظفر الامانی ص۱۸۹)

(۲) ہجر کے معنی محض ہذیان کے نہیں بلکہ یہ لفظ جدائی کے معنی میں بھی آتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ واهجرهم هجراً جمیلاً یہ معنی علماء لغت و شراح حدیث بھی لکھتے ہیں۔

فتح الباری ج ۸ ص۱۰۱ میں ہے ویحتمل ان یکون قوله اهجر فعلا ماضیا من الهجر بفتح الهاء وسکون الجیم والمفعول محذوف ای الحیاة وذکره بلفظ الماضی مبالغة لما رای من علامات الموت۔

اور علامہ محمد طاہر گجراتی مجمع بحار الانوار (جو خاص حدیث کی لغت ہے) ج ۲ ص ۴۷۵ میں فرماتے ہیں۔ ویحتمل ان یکون معناه هجر کهجر رسول الله صلی الله علیه وسلم من الهجر ضد الوصل، بلکہ تحقیق یہ ہے کہ اس لفظ کے اصل معنی جدا ہونے ہی کے ہیں۔ ہذیان کے معنی میں بھی اسی مناسبت سے آتا ہے کہ اس میں عقل سے جدائی ہوتی ہے اور یہی معنی زیادہ مشہور و متبادر ہیں اُردو میں بھی ہجر بمقابلۂ وصل بولا جاتا ہے اور حدیث قرطاس میں یہی معنی چسپاں ہوتے ہیں۔ ہذیان کے معنی وہاں دو وجہ سے نہیں بنتے۔

(الف) ہذیان کا شبہہ اس بات پر ہوتا ہے جو خلافِ عقل ہو۔ ایک پیغمبر اپنے آخری وقت میں فرماتے ہیں کہ کاغذ لاؤ میں ایک ضروری ہدایت نامہ لکھدوں، اس میں کونسی بات خلافِ عقل ہے جسے ہذیان کہا جا سکے۔

(ب) روایت میں، ہجر کے بعد استفهموه کا لفظ ہے، یعنی آپ سے پوچھو اگر ہجر بمعنی ہذیان لیا جائے تو استفهموه سے ربط بالکل غلط ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جسے ہذیان ہو گیا اب اس سے پوچھنا بالکل خلافِ عقل ہے، اب دیکھئے جُدائی کے معنی کس خوبی سے بنتے ہیں۔ جب حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حالتِ مرض میں ہدایت نامہ لکھوانے کو فرمایا تو صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قلوب پر ایک بجلی سی گر گئی کہ شاید وہ قیامت کی گھڑی آگئی ؎

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

کیونکہ ایسی تحریر آخری وقت میں لکھوائی جاتی ہے لہٰذا انھوں نے کہا "اہجر استفهموه" یعنی کیا حضرت اب جدا ہو رہے ہیں۔ آپ سے پوچھو تو۔ یہ لفظ ہجر جس نے بھی کہا کمال محبت اور جذب عشق میں کہا، مگر جن کے قلوب درد محبت سے نا آشنا ہیں وہ اس کی کیا قدر کر سکتے ہیں ؎

چو دل بمہر نگارے نہ بستۂ اے مہ ترا ز سوز درون و نیاز ما چہ خبر

(۳) بفرضِ محال اگر یہ لفظ بمعنی ہذیان ہی ہو تو یہ ہمزۂ استفہام کے ساتھ ہے، اور استفہام انکاری ہے ممکن ہے کہ یہ قول اس جماعت کا ہو جو تحریر لکھوانے کی مؤید تھی اسنے اپنی رائے کو تقویت دینے کے لئے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں کیوں توقف

کرتے ہو، کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ ہذیان ہو گیا ہے ؟ یعنی ہذیان نہیں ہوا۔ یہ مطلب بھی شراحِ حدیث نے بیان کیا ہے۔ بخاری میں یہ روایت سات جگہ پر ہے۔ کتاب الجہاد کے سوا باقی چھ مواضع میں یہ لفظ ہمزۂ استفہام کے ساتھ ہے اور بخاری کے علاوہ دوسری کتب میں بھی ہمزہ موجود ہے پس اگر ایک روایت میں ہمزہ نہو تو حرج نہیں، ایک ہی واقعہ کی متعدد اسانید میں اگر ایک لفظ کسی روایت میں ہو اور کسی میں نہو تو یقیناً یہی سمجھا جائے گا کہ جس میں نہیں ہے اس میں راوی سے چھوٹ گیا ہے اسی لئے حافظ رحمہ اللہ فتح الباری ج ۸ صنا۱ میں فرماتے ہیں، الرّاجح فیہ اثبات الہمزۃ علاوہ ازیں بلا اداۃ استفہام کے بھی استفہام ہوتا ہے۔ ان تینوں جوابوں کا خلاصہ یہ ہوا کہ اوّل تو لفظ ہجر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقولہ نہیں، دوسرے بالفرض اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو ہجر بمعنی ہذیان نہیں بلکہ جُدائی کے معنی میں ہے جو خاص محبت کا کلمہ ہے نہ کہ گستاخی کا، تیسرے بالفرض ہجر بمعنی ہذیان ہو تو ہمزۂ استفہام کے ساتھ ہے اور استفہام انکاری ہے۔ اب اربابِ عقل غور کریں کہ اس اعتراض میں کیا جان باقی رہ گئی جب تک شیعہ ان تین باتوں کا جواب نہ دیدیں یعنی کسی روایت میں اس کا مقولۂ عمر رضی اللہ عنہ ہونا دکھائیں پھر یہ ثابت کریں کہ ہجر کے معنی سوائے ہذیان کے اور کچھ نہیں ہیں۔ یا یہاں سوائے ہذیان کے اور کوئی معنی چسپاں نہیں ہوتے۔ پھر یہ بھی ثابت کریں کہ یہ لفظ ہمزۂ استفہام کے ساتھ نہیں، یا یہ استفہام انکاری نہیں ہو سکتا۔ اس وقت تک اس اعتراض کا نام لینا سخت بے غیرتی ہے۔

(اعتراض ثانی کا جواب) اس کے جواب سے قبل چند امور غور طلب ہیں۔

(۱) الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً۔ بالاتفاق اس قصۂ قرطاس سے پہلے نازل ہو چکی تھی، پس اب سوال یہ ہے کہ اگر کوئی ایسی ضروری تحریر باقی تھی تو دین ہرگز کامل نہیں ہو سکتا اور یہ آیت معاذ اللہ غلط ثابت ہوتی ہے۔

(۲) قصۂ قرطاس پنجشنبہ کے روز واقع ہوا، اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات دوشنبہ کو ہوئی تو چار روز تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس قصہ کے بعد اس عالم میں تشریف فرما رہے۔ پس اگر کوئی ایسی ضروری تحریر باقی ہوتی تو آپ کو اس کے لکھوانے کا کافی موقع ملا، اس کے باوجود آپ نے نہ لکھوائی، یہ ایک بہت بڑا اور سخت الزام حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر عائد ہوگا۔ نعوذ باللہ من ذٰلک، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے منع کرنے سے یا ان کے خوف سے نہ لکھوانا کوئی مسلمان باور نہیں کر سکتا کیونکہ ایسے ہی کسی کے خوف سے اگر انبیاء علیہم السلام تبلیغ سے رُک جائیں

تو دین سے امان اُٹھ جائے گا اور نبوت ایک بازیچۂ اطفال ہو جائے گی۔ خیال کیجئے جب کفار نے آپ سے کہا کہ اگر آپ کو سلطنت کی خواہش یا کسی حسین عورت کی طلب ہے تو سلطنت اور تمام عرب سے حسین عورت آپ کو لا دیتے ہیں۔ مگر ہمارے معبودوں کو بُرا مت کہو، کفار کے مقاطعہ کے وقت ابو طالب نے آپ کو پیغام پہنچایا اور سمجھایا کہ اے بھتیجے تو اس تبلیغ سے باز آجا، میں اکیلا سارے عرب کا مقابلہ نہیں کر سکتا تو آپ نے فرمایا کہ اے چچا اگر میرے ایک ہاتھ میں آفتاب اور دوسرے میں چاند بھی رکھ دیا جائے تب بھی اس کلمۂ حق سے ہرگز نہیں رُکوں گا۔ غرضیکہ جس دن آپ تمام عرب سے دین کی خاطر برسرِ پیکار تھے اسوقت تو آپ نے ضروریات دین کو نہیں چھوڑا تو اب ایسی اہم چیز کو کیسے چھوڑ سکتے تھے؟ پھر ان چار پانچ روز میں دن میں یا رات میں کسی وقت تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُٹھ کر گئے ہونگے اسوقت آپ لکھوا دیتے۔

(۳) اتنی ضروری تحریر کو اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منع کیا تھا تو حضرت علی اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کا فرض تھا کہ لکھواتے مگر کسی نے بھی اس طرف توجہ نہ کی، پس حضرت عمر سے زیادہ الزام حضرت علی پر ہوگا۔ اس لئے کہ بزعم شیعہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تقرب سب سے زیادہ تھا۔ نیز ایسا حکم عموماً گھر والوں ہی کو ہوتا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کو یہ حکم دیا گیا ہوگا جس کی انھوں نے تعمیل نہیں کی۔ مزید بریں مسند احمد کی روایت میں تصریح موجود ہے کہ یہ خطاب حضرت علی کو تھا۔

(۴) اتنا بڑا واقعہ اور تمام طبقۂ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی متنفس سوائے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس کی روایت نہیں کرتا پھر ابن عباس کے سیکڑوں شاگردوں میں سے صرف ان کے بیٹے عبید اللہ اور سعید بن جبیر اس کے ناقل ہیں۔

(۵) اس قصۂ قرطاس سے بہت پہلے حدیث ثقلین ارشاد ہو چکی تھی۔ اس میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے تھے کہ میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑتا ہوں، اگر تم ان دونوں سے تمسک کرو گے تو ہرگز کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ پس اگر یہ قصۂ قرطاس والی تحریر کوئی ضروری فرض کی جائے تو حدیث ثقلین کی تکذیب لازم آئے گی۔

ان امور پر غور کرنے کے بعد عقلِ سلیم دو امور میں سے ایک کے تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

(۱) یا تو یہ قصہ ہی سرے سے غلط ہے، دین کامل ہو چکا تھا۔ اور ہرگز کوئی ایسی ضروری تحریر باقی نہ تھی اور ہرگز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آیتِ قرآنیہ کے خلاف کسی تحریر کے لکھوانے کا

ارادہ ظاہر نہیں فرمایا تھا، یہ قصہ محض بے بنیاد اور اعداء دین کا خانہ زاد ہے اور محض اسلئے گھڑا گیا کہ آیتِ قرآنیہ الیوم اکملت لکم دینکم الخ اور حدیث ثقلین کی بھی تکذیب ہو جائے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی تبلیغ رسالت میں کوتاہی کرنے کا الزام قائم ہو کر سارا دین مشکوک ہو جائے مگر امام بخاری رحمہ اللہ جیسے محدثین کی تخریج اس نظریہ کی تردید کرتی ہے۔

(۲) یا پھر حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محض اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کا امتحان لینے کے لئے فرمایا تھا کہ قلم دوات اور کاغذ لاؤ تاکہ میں ایک ایسی ضروری و مفید تحریر لکھوا دوں کہ اسکے بعد کبھی گمراہ نہ ہوگے درحقیقت نہ کوئی ایسی ضروری تحریر باقی تھی اور نہ واقع میں آپ کا ارادہ تھا محض امتحان مقصود تھا کہ یہ لوگ ایمان میں کہاں تک راسخ القدم ہیں۔ اگر کہیں خدانخواستہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم بھی تحریر کے لکھوانے پر مستعد ہو جاتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا رنج ہوتا اور فوراً فرماتے کہ آیت الیوم اکملت لکم دینکم الخ کے بعد اب بھی تم کسی تحریر کے منتظر ہو اور دین کو کامل نہیں سمجھتے مگر الحمد للہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس امتحان میں بدرجۂ اعلیٰ کامیاب ہوئے اور اس کامیابی میں نمایاں حصہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے، چند نامعلوم الاسم لوگوں نے لکھوانے کی تائید کی۔ قوی احتمال ہے کہ یہ حضرات جدید الاسلام ہونگے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے اگر کوئی ممتاز شخصیت یہ قول کرتی تو انکا نام ضرور روایت میں مذکور ہوتا۔ کما ھو ظاھر من دأب المحدثین، پس ان جدید الاسلام لوگوں کا اختلاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہ آیا جسکا اظہار "قوموا عنی" کے الفاظ سے فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بطریقِ امتحان تھا اس پر دو زبردست دلیلیں ہیں۔

(۱) جبکہ آیت الیوم اکملت لکم دینکم الخ اکمال دین اور اتمام نعمت کی خبر دے چکی تھی تو ناممکن تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد کسی تحریر کی حاجت ظاہر فرما کر دین کو ناقص اور نعمتِ خداوندی کو ناتمام قرار دیتے۔

(۲) آپ نے جو صفت قرطاس والی تحریر کی بیان فرمائی ہے۔ اسی صفت کی دو چیزیں جب آپ امت کے ہاتھ میں دے چکے تھے (جن کا ذکر حدیث ثقلین میں گذر چکا ہے) تو اب اس تحریر کی کیا حاجت تھی؟ اس کی حاجت تو اسوقت ہوسکتی تھی جب ان دونوں چیزوں میں یہ صفت نہ ہو لہٰذا ناممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حدیث کیخلاف ایسی بات فرمائیں

علامہ ابن تیمیہ وغیرہ کا یہ خیال ہے کہ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے خلافت نامہ لکھوانا چاہتے تھے اور صحیحین کی اس روایت کو اپنے اس

خیال پر قرینہ بتاتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس آخری مرض میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اپنے والد اور بھائی کو بلواؤ تاکہ میں ابوبکر کے لئے تحریر لکھدوں تاکہ لوگ میرے بعد اختلاف نہ کریں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا اچھا رہنے دو۔ یأبی اللہ والمؤمنون الا لابی بکر اھ پس آپ کو وحی سے مطمئن کر دیا گیا تھا اس لئے اس ارادہ کو ترک فرما دیا۔ اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ مطمئن ہوجانے کے بعد بھی آپ خلافت صدیق لکھوانا چاہتے تھے تاکہ لوگ اختلاف نہ کریں تو بعد میں آپ کا سکوت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت میں تھا جس میں راز یہ تھا کہ انتخاب خلیفہ کا زرین اصول "تفویض الی اھل الحل والعقد" قائم کر جائیں اور ولیعہدی کی رسم جاہلیت کا تصور اسلام میں باقی نہ رہے۔ کئی مواقع پر آپ نے وحی الٰہی کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت فرمائی۔ اس موقع پر بھی آپ کا سکوت اور حضرت عمر کی موافقت وحی الٰہی سے تھی۔ اسے شیعہ بھی تسلیم کرتے ہیں چنانچہ کتب شیعہ میں نہایت معتبر کتاب فلک النجات صـ۳۲۶ جلد اول پر بھی یہ الفاظ موجود ہیں۔ واما سکوتہ علیہ السلام بعد التنازع فما کان من عندہ بل کان بوحی ۵

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی — تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اختلاف اگر بالہام اللہ تعالیٰ اختلاف نظر تھا (کما وقع فی مواضع شتی) تو اس کا مناقب میں شمار ہونا بدیہی ہے اور اگر شدت مرض اور آپ کی تکلیف کے مدنظر یہ اختلاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تو اس کی نوعیت بعینہٖ صلح حدیبیہ کے موقع پر لفظ رسول اللہ مٹانے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انکار جیسی ہوگی جسے شیعہ لوگ مناقبِ علی میں شمار کرتے ہیں۔

(اعتراض ثالث کا جواب) یہ تو بعینہٖ وہ قول ہے جس کو خود حضور کریم صلے اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں اس سے تین ماہ پیشتر لاکھوں کے مجمع میں فرما چکے تھے یعنی لن تضلوا ما تمسکتم بہ، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے "حسبنا کتاب اللہ" کہنے کا اگر یہی مطلب ہے تو قرآن میں ہے "حسبنا اللہ" پس اسکا مطلب بھی یہ ہونا چاہئیے کہ اللہ تعالیٰ کافی ہیں، رسول کی ضرورت نہیں، فما ھو جوابکم فھو جوابنا۔

سچ یہ ہے کہ یہ زرین مقولہ یعنی حسبنا کتاب اللہ ایمان کی جان ہے اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان کمالات کا آئینہ ہے جنکا نمونہ اس آسمان نے بایں ہمہ طول کبھی نہیں دیکھا۔ فقط

وھذا اٰخر الکلام والحمد للہ رب العالمین

رشید احمد

وَمَا تَوْفِيْقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيْبُ

مُجَالُ التَّحْرِيْرُ
لِخَيَالِ الزَّمْهَرِيْرُ

تحقیق انیق متعلق حدیث اشتکت النار الیٰ ربّہا

حضرت الاستاذ العلام مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی ثم خیرپوری محدّث دارالعلوم کراچی دامت برکاتہم کی تقریر بخاری سے ایک اقتباس۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہٗ قال اذا اشتد الحر فابردوا بالصلوٰۃ فان شدۃ الحر من فیح جہنم واشتکت النار الیٰ ربہا فقالت یا رب اکل بعضی بعضا فاذن لہا بنفسین نفس فی الشتاء ونفس فی الصیف وھو اشد ما تجدون من الحرّ واشد ما تجدون من الزمہریر ——— جامع بخاری ص۷۶ ج۱

کیا جہنم میں طبقۂ زمہریریہ کا وجود بھی ہے: تمام اُمت میں عام طور سے یہ مسلمہ سا سمجھا جانے لگا ہے کہ جہنم طبقۂ ناریہ اور طبقۂ زمہریریہ دو حصّوں پر مشتمل ہے۔

طبقۂ زمہریریہ کا ثبوت تمام ذخیرہ ہائے کتاب وسنت میں کہیں نہیں ملتا۔ بلکہ قرآن کریم میں تو "لا یذوقون فیہا بردا ولا شرابا الا حمیما وغسّاقا" فرمایا گیا ہے۔ نکرہ تحت النفی لاکر جہنم سے برودت اور زمہریر کا سلب کلّی فرمادیا۔ بردًا کی تخصیص نافع کے ساتھ صحیح نہیں، کیونکہ برد ضار کا استثناء نہیں جیسے کہ "الا حمیما وغساقا" کے ساتھ شراب ضار کا استثناء کیا گیا ہے اگر تخصیص بالقرائن کو کافی سمجھا جاتا تو شراب ضار کے استثناء کی بھی ضرورت نہ تھی۔ اصطلاح قرآن وحدیث میں تو جہنم مرادف "نار" بن گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب وسنت میں جہاں جہاں جہنم کا تذکرہ ہے وہاں دوزخ کو جہنم کے لفظ سے کم اور "نار" کے الفاظ سے زیادہ تعبیر کیا گیا ہے۔

چنانچہ قرآن میں ارشاد ہے "فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ" "علیہم نارٌ مؤصدۃ" "کانہا ترمی بشرر کالقصر" اسی طرح فرمایا گیا ہے "کلما نضجت جلودھم بدلناھم جلودًا غیرھا"۔ نضج کا لفظ اس بات پر واضح دلیل ہے کہ جہنمیوں کا عذاب آگ ہی ہوگا، کانزین کے بارہ میں ارشاد ہے "یوم تکوی بہا جباھہم وجنوبہم وظہورھم" یہاں بھی کیّ کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنے داغنے کے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ عصاۃ المؤمنین کو آگ سے اس حال میں نکالا جائے گا کہ وہ جل کر کوئلے ہوچکے ہونگے اور ان کو نہر حیا میں غسل دیا جائیگا اور فرمایا کہ نار ان کے قلوب پر اثر نہ کرسکے گی۔ ابوطالب ضحضاح نار میں ہوگا، اُریت النار، عرضت علیّ النار، حابسہ ہرہ اور اوّل من سیّب السوائب کے متعلق فرمایا کہ میں نے ان کو نار

میں دیکھا اور فرمایا کہ میری مثال اس شخص جیسی ہے جس نے آگ جلائی اس میں پروانے گرنے لگے وہ ان پروانوں کو آگ سے بچانے کی کوشش کرتا ہے مگر یہ اس پر غالب آرہے ہیں اور آگ میں داخل ہو رہے ہیں۔ غلول پر وعید فرمائی "ان الشملة التی اصابها یوم خیبر من المغانم لم تصبها المقاسم لتشتعل علیه نارا" اور فرمایا، "شراك او شراكان من نار" غرضیکہ بے شمار مثالیں کتاب سنت میں اس قسم کی موجود ہیں کہ جہنم کے اوپر نار کا اطلاق کیا گیا ہے۔ ان تمام مثالوں کو اگر یکجا جمع کیا جائے تو اس سے دفتر کے دفتر سیاہ ہو سکتے ہیں۔ زیر بحث حدیث میں بھی اشتکت النار الی ربها فرمایا گیا۔ اشتکت الزمہریر نہیں، اور نفسین کا اذن بھی نار کو دیا گیا۔ اگر طبقۂ زمہریر یہ کا وجود ہوتا تو قرآن وحدیث کے اتنے بڑے ذخیرہ میں کہیں نہ کہیں اس کا تذکرہ ضرور ہونا چاہیے تھا یا کم از کم قرون مشہود لہا بالخیر صحابہ، تابعین یا ائمۂ مذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہی کوئی قول منقول ہوتا۔

پھر یہ کہ اگر طبقۂ زمہریر یہ کے وجود کو بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے تو ایک زبردست اشکال پیش آئے گا کہ جس وقت میں سردی کی شدت ہو اس وقت میں بھی تاخیر صلوٰۃ کا حکم ہوتا حالانکہ حدیث میں صرف ابردوا بالصلوٰۃ فان شدة الحر کا ذکر ہے۔ اگر طبقۂ زمہریر یہ کا وجود ہوتا تو سردی میں بھی نماز کو مؤخر کرنے کا حکم ہوتا کیونکہ سردی اسی کے سانس باہر پھینکنے سے ہوتی اور جس طرح حرارت آثار غضب میں سے ہے اسی طرح برودت بھی آثار غضب میں سے ہوتی نیز عنقریب ہی بیان کروں گا کہ شدت حرارت لنفس جہنم یا لقرب الشمس میں منافاۃ نہیں اس لئے کہ شمس جہنم سے ہی حرارت اخذ کرتا ہے۔ پس حرارت شمس بعینہٖ حرارت جہنم ہے۔ اس پر یہ اشکال وارد ہوگا کہ اگر جہنم میں طبقۂ زمہریر یہ بھی ہے تو جیسے شمس جہنم سے حرارت اخذ کر کے دنیا میں شدت حرارت پیدا کرتا ہے اسی طرح موسم شتاء میں لازم آئیگا کہ شمس جہنم سے برودت اخذ کر کے ارض پر پہنچے جو شدت زمہریر کا باعث بنے حالانکہ شدت سرما کے موسم میں بھی شمس میں برودت نہیں ہوتی بلکہ حرارت ہی ہوتی ہے۔

حدیث کا مطلب: اب یہ بحث باقی رہ جاتی ہے کہ جب طبقۂ زمہریر یہ کا ثبوت نہیں تو پھر اشد ما تجدون من الزمهریر کا مطلب کیا ہے؟ اور دُنیا میں سردی کی وجہ اور سبب جہنم کیسے ہے؟ اسے سمجھنے کے لئے چند مقدمات کی ضرورت ہے۔

(۱) گرمی سے اشیاء میں انبساط اور تخلخل پیدا ہوتا ہے اور سردی سے تکاثف اور اکتناز و انقباض، یہی وجہ ہے کہ ریلوے لائن کے دو ٹکڑوں کو جوڑتے وقت ان کے درمیان کچھ

خلا رکھا جاتا ہے، کیونکہ اگر باہم پیوست کرکے ان کو جوڑ دیا جائے تو پہیوں کی رگڑ اور موسم کی تمازت وغیرہ سے شدید حرارت پیدا ہونیکے بعد لائن کے اجزاء میں تخلخل و انبساط ہونے کی وجہ سے اس کے اُوپر اُٹھ جانے کا خطرہ ہوتا ہے جسکا نتیجہ گاڑی کے اُلٹ جانے یا بوجھ پڑنے سے لائن کے ٹوٹ جانے کی صورت میں ظاہر ہوسکتا ہے۔

(۲) متخلخل چیز خفیف ہوتی ہے اور متکاثف ثقیل جیسے روئی اور لوہا۔

(۳) خفیف چیز سریع الحرکت سہل الانجذاب ہوتی ہے اور محرک و جاذب کے اثر کو جلدی قبول کرتی ہے اور ثقیل چیز بطئ الحرکت اور متعسر الانجذاب ہوتی ہے، محرک اور جاذب کے اثر کو جلدی قبول نہیں کرتی۔

اب یہ سمجھیں کہ جب جہنم اپنا سانس باہر پھینکتی ہے تو باہر کی ہوا گرمی کی وجہ سے متخلخل ہوجاتی ہے، پھر جہنم کا دوسرا سانس اندر کو ہوتا ہے باہر کو نہیں، اس لئے جب وہ سانس اندر کو لیتی ہے تو گرم ہوا تخلخل کی وجہ سے چونکہ خفیف اور ہلکی ہوتی ہے لہٰذا سانس کے ساتھ اندر چلی جاتی ہے اور سرد ہوا چونکہ متکاثف ہوتی ہے اس لئے اس میں خفت نہیں ہوتی، ثقل ہوتا ہے لہٰذا وہ دُنیا میں رہ جاتی ہے اور سردی کا باعث بنتی ہے۔ اس ہوا میں ایک جانب سے کرۃ الماء اور دوسری جانب سے کرۂ زمہریر کا تلاصق بھی برودت کا باعث بنتا ہے۔

حدیث پر فلسفیانہ اشکالات۔ اس حدیث پر اہلِ فلسفہ کیجانب سے یہ اشکال پیش کیا جاتا ہے کہ تجربہ اور مشاہدہ سے یہ امر ثابت ہے کہ دُنیا کی سردی اور گرمی کا سبب سورج کا قرب بعد ہے جب سورج دُنیا کے کسی حصّہ سے قریب ہوتا ہے تو وہاں گرمی ہوتی ہے اور جہاں سے دور ہوتا ہے وہاں سردی۔ تو پھر اس سردی و گرمی کا سبب جہنم کے سانس کو ٹھیرانا کہاں تک صحیح ہے؟

اس کے دو جواب ہیں۔ ایک تو یہ کہ اسباب میں تزاحم نہیں ہوا کرتا۔ ایک چیز کے اسباب مختلف اور متعدد ہوسکتے ہیں چنانچہ سردی و گرمی کے اسباب میں سے ایک سبب جس طرح آفتاب کا قرب و بعد ہے، اسی طرح وہ بھی ہے جو حدیث میں بیان کیا گیا، بلکہ اسکے اور بھی کئی اسباب ہیں۔ مثلاً بلندی پر ہونا سردی کا باعث ہے اسی طرح سمندر یا پہاڑ کا قرب بعد، صلابت و رخاوت میں قطعات ارض کا اختلاف، جنس ارض کی انواع شورہ، گندھک وغیرہ کے آثار کا اختلاف، ریاح کا دباؤ اور احتباس و احتقان وغیرہ۔ اگر صرف سورج کا قرب و بعد ہی سبب ہوتا تو سبّی اور کوئٹہ کے موسم میں اسقدر زبردست تفاوت نہ ہوتا جبکہ

ے۱ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی قدس سرہٗ نے بھی فتح الملہم میں اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ ۱۲ منہ

دونوں کے عرض البلد میں صرف ۴۳ دقیقہ کا فرق ہے۔ اسکے باوجود کوئٹہ سخت سرد مقام ہے اور سبّی سخت گرم۔ اس جواب پر پھر چند اشکال وارد ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر جہنم کی وجہ سے موسم بدلتا ہے تو چاہیئے یہ کہ قطب شمالی اور قطب جنوبی (عرض تسعین) میں بھی چھ مہینے سردی اور چھ مہینے گرمی ہو حالانکہ وہاں ہمیشہ سردی ہے گرمی نہیں اسی طرح میل کلی یعنی مدار سرطان اور مدار جدی (تقریباً ½۲۳ درجہ عرض البلد) کے اندر بسنے والے لوگوں کے یہاں آٹھ موسم ہوتے ہیں۔ ہر فصل سال میں دو مرتبہ آتی ہے تو ایسا کیوں ہے؟ جبکہ حرّ جہنم تو تمام دنیا پر ہونی چاہیئے۔ اس لئے مدار سرطان وجدی سے کم عرض البلد میں بھی آٹھ فصلوں کی بجائے چار فصلیں ہونی چاہئیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس اعتراض کا ثبوت اس امر پر موقوف ہے کہ محققین عرض تسعین میں سال بھر موسم کا بالکل یکساں رہنا کہ ذرّہ برابر بھی فرق نہیں آتا۔ ثابت کریں۔ اگر ذرّہ برابر بھی فرق ہو جیسا کہ عقل کا تقاضا ہے (کیونکہ چھ مہینے تک وہاں آفتاب نکلا تو رہتا ہی ہے۔ اگرچہ وہ افق سے تقریباً ½۲۳ درجہ سے زیادہ مرتفع نہیں ہوتا) تو کوئی اشکال نہیں۔ اسی طرح اس امر کی تحقیق کیجائے کہ میل کلی سے کم عرض البلد میں مواسم ثمانیہ میں سے ایک شتاء دوسری شتاء سے اور ایک صیف دوسری صیف سے کچھ متفاوت ہے یا نہیں۔ اگر تفاوت ہے تو کوئی اشکال نہیں، اور اگر عدم تفاوت محقق ہو جائے تو اصل اشکال کے دفع کے لئے دوسرا جواب ہی متعیّن ہوگا جو عنقریب آرہا ہے۔

دوسرا اشکال یہ ہوتا ہے نفس جہنم سے حرارت کا دفعۃً پیدا ہو جانا لازم تھا۔ حالانکہ موسم کی تبدیلی بتدریج ہوتی ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ دفعۃً حرارت کا پیدا ہونا اور موسم کا بدل جانا چونکہ صحت کے لئے سخت مضر ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نفس جہنم سے خارج ہونیوالی حرارت کو کسی جگہ پر محتقن فرمادیتے ہیں اور بتدریج زمین پر پھیلاتے ہیں۔ نیز یہ بھی ممکن ہے بلکہ ظاہر یہی ہے کہ نفس جہنم دفعۃً خارج نہیں ہوتا، بلکہ بتدریج خارج ہوتا ہے اور اسکے ظہور کی وجہ یہ ہے کہ جب جہنم کی مشابہت حیوان کے ساتھ ہوئی تنفس میں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سال بھر میں دو نفس جہنم کے ہیں ایک خارج اور دوسرا داخل تو حیوان کی طرح تنفس کی حرکات کا اتصال جب ہی ہوسکتا ہے کہ ہر ایک نفس چھ ماہ تک بتدریج ممتد رہے۔

تیسرا اشکال یہ ہوتا ہے کہ جہنم کی حرارت شمس کے قرب کے ساتھ اور جہنم کی برودت شمس کے بعد کے ساتھ متلازم کیوں ہے۔ کبھی اسکے برعکس کیوں نہیں ہوتا؟ اسکا جواب یہ ہے کہ شمس کی حرارت کی مناسبت سے حرارت جہنم بھی اسی زمانے میں ظاہر ہوتی ہے جس میں حرارت شمس۔ اگر بُعد شمس کے زمانے میں حرارت جہنم اور قرب شمس کے وقت میں برودت جہنم پیدا ہوتی تو حرارت و برودت کے

اجتماع سے سال بھر موسم یکساں رہتا اور فصول مختلفہ پیدا نہ ہوتیں جو سراسر خلاف حکمت ہے۔ نیز موسم صیف میں حرارت شمس کا تحمّل کرنے کے لئے قدرت الٰہیہ باطن جسم میں حرارت پیدا کر دیتی ہے، پس جس زمانہ میں جس چیز کے تحمل اور مقابلہ کی استعداد قدرت نے پیدا کی اسکا اسی زمانہ ہی میں پیدا ہونا حکمت و مصلحت کا مقتضیٰ ہے۔ اصل اشکال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ آفتاب کی حرارت جہنم ہی سے ماخوذ ہے اور وہ جہنم کی حرارت اپنے اندر جذب کر کے زمین پر پھینکتا ہے جس طرح بجلی کا بلب پاور ہاؤس سے بجلی کو جذب کر کے روشنی کرتا ہے اور آتشی شیشہ شمس کی شعاعوں کو جذب کر کے مقابل چیز پر پھینک کر اسے جلا دیتا ہے۔ پس سبب ظاہری تو یہی آفتاب ہے لیکن اسمیں جو حرارت ہے اسکا سبب جہنم ہے لہٰذا سردی گرمی کا سبب جہنم کو ٹھیرانا بالکل صحیح ہے پھر اس پر بھی اشکال ہوتا ہے کہ یہ تقریر اس امر کو مستلزم ہے کہ نفس شمس میں حرارت کم و بیش ہوتی رہتی ہے۔ شتاء میں اسکی حرارت کم ہو جاتی ہو اور صیف میں زیادہ۔ حالانکہ حقیقت اسکے خلاف ہے، موسم سرما میں سردی پڑنے کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ آفتاب سے حرارت کم ہو گئی ہے بلکہ آفتاب میں تو تمازت اسی قدر رہتی ہے جتنی کہ موسم صیف میں تھی مگر اسلئے زیادہ محسوس نہیں ہوتی کہ آفتاب زمین سے دُور ہو جاتا ہے اسکا جواب یہ ہے کہ یہ اشکال اس امر پر موقوف ہے کہ آفتاب کی حرارت میں کمی بیشی کے عدم کو ثابت کیا جائے ممکن ہے کہ صیف و شتاء میں ذات شمس میں حرارت مختلف ہوتی ہو مگر ہمیں یہ فرق محسوس نہ ہوتا ہو۔ دوسرے یہ کہ اگر بالفرض تسلیم کر لیا جائے کہ تفاوت نہیں تو یہ کہا جائیگا کہ آفتاب جہنم کے نفس خارج سے حرارت کو جذب کر کے اسکا ایسا مستقر بنجاتا ہے کہ جہنم کا نفس داخل اس حرارت کو واپس نہیں کھینچ سکتا۔ پس نفس داخل محض ریح حار کو کھینچتا ہے آفتاب کی حرارت کو نہیں۔ اگر اس پر یہ شبہ وارد کیا جائے کہ شمس کی سابقہ حرارت علیٰ حالہا قائم رہتی ہے تو ہر آئندہ سال نفس خارج کے اثر سے اسمیں اضافہ ہونا چاہیئے تو اسکا جواب یوں دیا جائیگا کہ حرارت کے ایک خاص درجہ سے ترقی نہ کرنیکی دو وجہیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ حرارت کو قبول کرنیوالا جسم ایک خاص اور محدود درجہ کی استعداد رکھتا ہو اس سے زیادہ کی استعداد ہی نہ ہو جیسے بجلی کا قمقمہ اور آتشی شیشہ اپنی استعداد اور مخصوص درجہ کے مطابق ہی حرارت اخذ کر سکتا ہے دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ منفعل کا درجۂ حرارت مؤثر کے درجۂ حرارت سے بڑھ نہیں سکتا، مثلاً تھرما میٹر ایک منٹ رکھنے پر جو درجہ حرارت کا ظاہر کریگا ایک گھنٹہ تک رکھنے پر بھی وہی درجہ رہے گا اسمیں اضافہ نہ ہوگا پس جہنم خواہ سانس اندر کو لے یا باہر پھینکے بہرصورت آفتاب کی تمازت و حرارت میں کوئی تفاوت اور کمی بیشی نہیں ہوتی۔ لہٰذا یہ کہنا بالکل صحیح ہوگیا کہ آفتاب کی حرارت جہنم سے ماخوذ ہے لہٰذا سردی و گرمی کا سبب حقیقی جہنم ہے۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم برموز کائناتہ

مجالس التحریر ——— ۶

قد ضبط ہذا التقریر اللطیف النفیس فی حلقۃ درس الجامع للبخاری احقر تلامذۃ الشیخ واصغرہم محمد تقی العثمانی الدیوبندی ثم کراچوی غفر اللہ تعالیٰ لہ ولوالدیہ ولمشایخہ ولجمیع المؤمنین والمؤمنات آمین، وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

غرہ ربیع الآخر سنہ ۷۹ھ

تقریر مذکور سے متعلق استاذ العلماء حبر نحریر حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی مدظلہم العالی کی رائے سامی

"احقر نے اشتکار نار کی حدیث پر حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب کی املائی تقریر ملاحظہ کی میری نظر میں وہ قواعد شرع کے خلاف نہیں بلکہ مطابق ہے اور حدیث پر وارد ہونیوالے جملہ عقلی اشکالات کے جو جوابات دیئے گئے وہ نہایت قیمتی ہیں۔ شارحین حدیث نے انکی طرف بہت کم توجہ فرمائی اللہ تعالیٰ مملی کو جزاء خیر دے کہ بہت اہم عقدے حل فرما دیئے۔ آمین" احقر العباد شمس الحق عفا اللہ عنہ

ضمیمہ تقریر بالا

ایک دوست نے طبقۂ زمہریر سے متعلق مندرجہ ذیل روایات لکھ کر دیں۔

(۱) فی تنویر المقباس انہ قال امام المفسرین عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فی تفسیر قولہ عز وجل حمیم وغساق "حمیم" ماء حار قد انتہی حرہ "وغساق" زمہریر یحرقہم کما تحرقہم النار (مجموعۃ التفاسیر ص۲۹۰ ج۵)

(۲) قال العلامۃ ابو البرکات النسفی رحمہ اللہ فی مدارک التنزیل وقیل الحمیم یحرق بحرہ والغساق یحرق ببردہ (مجموعۃ التفاسیر ص۲۹۰ ج۵)

(۳) وقال العلامۃ الخازن رحمہ اللہ فی تفسیرہ وقیل الغساق عین فی جہنم وقیل ہو البارد المنتن (مجموعۃ التفاسیر ص۲۹۰ ج۵)

(۴) وقال الفاضل الشربینی رحمہ اللہ "لایذوقون فیہا بردا" قال عطاء والحسن ای راحۃ وروحا ای ینفس عنہم حر النار (وبعد سطرین) وروی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان البرد النوم ومثلہ قال الکسائی وابو عبیدۃ تقول العرب منع البرد البرد ای اذہب البرد النوم (وبعد سطر) وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما الغساق الزمہریر یحرقہم ببردہ (السراج المنیر ص۴۷۲ ج۴)

(۵) وقال الامام ابن کثیر رحمہ اللہ اما الحمیم فہو الحار الذی قد انتہی حرہ واما الغساق فہو ضدہ وہو البارد الذی لا یستطاع من شدۃ بردہ المؤلم ولہذا قال عز وجل (وآخر من شکلہ ازواج) ای واشیاء من ہذا القبیل الشیء وضدہ یعاقبون بہا (وبعد سطر) وقال کعب الاحبار غساق عین فی جہنم یسیل الیہا حمۃ کل ذات حمۃ من حیۃ وعقرب وغیر ذلک فیستنقع فیؤتی بالآدمی فیغمس فیہا غمسۃ واحدۃ فیخرج وقد سقط جلدہ ولحمہ عن العظام ویتعلق جلدہ ولحمہ فی کعبیہ وعقبیہ ویجر لحمہ کلہ کما یجر الرجل ثوبہ رواہ ابن ابی حاتم

(۶) وقال العلامة الآلوسي رحمه الله واخرج ابن جرير عن كعب انه عين في جهنم تسيل اليها حمة كل ذي حمة من حية وعقرب وغيرهما يغمس فيها الكافر فيتساقط جلده ولحمه واخرج ابن جرير وابن المنذر عن ابن عباس رضي الله عنهما انه الزمهرير وقال في تفسير وآخر من شكله ازواج وآخر اي مذوق آخر وفسره ابن مسعود رضي الله عنه كما رواه عنه جميع بالزمهرير (روح المعاني ص۲۱۵ ج ۲۳)

(۷) وقال ابو حيان رحمه الله عن ابن مسعود رضي الله عنه وآخر من شكله هو الزمهرير (البحر المحيط ص۴۰۶ ج ۷)

(۸) وقال الشيخ ثناء الله واختلفوا في معناه قال ابن عباس رضي الله عنهما هو الزمهرير يحرقهم ببرده كما تحرقهم النار بحرها ومجاهد ومقاتل هو الذي انتهى برده (تفسير مظهري ص۱۸۷ ج ۸)

ان روایات کو دیکھ کر مسرت ہوئی کہ کم از کم کچھ منشأ تو ہے، ان روایات کی سند کی تحقیق بندہ نہیں کر سکا، بہرکیف اب مندرجہ ذیل امور قابلِ غور ہیں۔

(۱) محدثین نے ان روایات کی تخریج نہیں کی، پس صرف مفسرین کی تخریج وزن دار نہ ہوگی، فانہ لکل فن رجال

(۲) یہ تفسیر نہ حقیقۃً مرفوع ہے نہ حکماً۔ اگر غیر مدرک بالقیاس اور غیر مستنبط من القرآن وغیر مفهوم من اللغۃ ہوتی تو واقعی بحکم رفع ہوتی۔

(۳) اگر یہ تفسیر حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوتی تو اسمیں صحابہ ومن بعدہم کا اختلاف نہ ہوتا

(۴) حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفسیر اور انکی بیان فرمودہ تفصیل غیر مدرک بالقیاس ہونے کی وجہ سے بحکم رفع ہے پس قول زمہریر (جو کہ موقوف ہے) اسکے معارضہ کی صلاحیت نہیں رکھتا،

(۵) بعض مفسرین نے اسے "قیل" سے نقل کیا ہے، جو دلیل ضعف ہے۔

(۶) قرآن وحدیث کے ذخائر میں انذار وتخویف کیلئے انواع عذاب کی تفاصیل نہایت ہی بسط وشرح کے ساتھ مذکور ہیں مگر زمہریر کا ذکر کہیں نہیں ملتا، معرض بیان میں سکوت دلیل عدم ہے۔

(۷) قرآن وحدیث کی اصطلاح میں نار وجہنم مترادف ہیں، اور "لابثین وقون فیها بردًا" میں جو تأویلات کی گئی ہیں۔ انمیں بلاضرورت خلاف ظاہر ومتبادر کا قول کیا گیا ہے جو جائز نہیں۔

(۸) حدیث زیر بحث (اشتد کار نار) کی تقریر بہرکیف قول زمہریر سے مستغنی ہے (کما مرّ)

فقط والله تعالیٰ اعلم بتفاصیل کائناته - اللّٰهم اعذنا برحمتك من جهنم وما فيها مما نعلم من انواع عذابها ومما لا نعلم - آمين

رشید احمد

۲۷ جمادی الآخرہ سنہ ۷۹ھ

بسم الله الرحمن الرحيم

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ (الى) إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ
لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ
تَطْهِيرًا ۝ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِي بُيُوتِكُنَّ (الآية)

عُمْدَةُ التَّفْسِيرِ
لِآيَةِ التَّطْهِيرِ

اہل بیت کی تحقیق

سوال : شیعہ کہتے ہیں کہ جب قرآن کریم کی آیت انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ نازل ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بیت یعنی حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ تعالی عنہم کو اپنے کمبل میں داخل فرماکر فرمایا، اللھم ھؤلاء اھل بیتی اور ان کے لئے دعا فرمائی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی شرکت کی درخواست کی تو آپ نے انھیں روک دیا، اس قصّہ کی کیا حقیقت ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

آیۂ کریمہ انما یرید اللہ الخ میں اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات رضی اللہ تعالی عنہن ہیں، اور اس پر مندرجہ ذیل دلائل ہیں۔

(۱) اس آیت کے سیاق وسباق میں ازواج مطہرات رضی اللہ تعالی عنہن کا ذکر ہے۔

(۲) ان آیات کا شانِ نزول یہ ہے کہ فتوحات کے بعد ازواج مطہرات رضی اللہ تعالی عنہن نے مصارف میں کچھ وسعت کی درخواست پیش کی، اس پر آیات یا ایھا النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوۃ الدنیا وزینتھا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحا جمیلا۔ وان کنتن تردن اللہ ورسولہ والدار الاخرۃ فان اللہ اعد للمحسنت منکن اجرا عظیما۔ نازل ہوئیں ان میں ازواج مطہرات رضی اللہ تعالی عنہن کو اختیار دیا گیا کہ وہ دُنیا کو پسند کریں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کو، اس امتحان میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے سب سے ممتاز اور اعلی کامیابی حاصل کی، دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ تعالی عنہن بھی کامیاب ہوئیں کہ انھوں نے دُنیائے دنیّہ کے مقابلہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کو اختیار کیا، اس امتحان میں اعلی کامیابی، بلند حوصلگی اور اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاجوئی کے صلہ میں اللہ تعالی نے ازواج مطہرات رضی اللہ تعالی عنہن پر متعدد انعامات فرمائے جن کا تذکرہ ان آیات میں ہے، فرماتے ہیں:

(۱) ومن یقنت منکن للہ ورسولہ وتعمل صالحا نؤتھا اجرھا مرتین واعتدنا لھا رزقا کریما۔ اس آیت میں اس انعام کا بیان ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالی عنہن کے لئے ہر نیک کام پر دوگنا اجر ہے۔

(۲) یانساء النبی لستن کاحد من النساء ان اتقیتن الخ اس میں دوسرا

انعام مذکور ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے رُتبہ تک دُنیا کی کوئی عورت نہیں پہنچ سکتی۔

(۳) انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیراً ۝ یہ تیسرا انعام ہوا۔

(۴) ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابداً ان ذلکم کان عند اللہ عظیماً ۝ یہ چوتھا انعام ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو امہات المؤمنین قرار دیکر ہمیشہ کے لئے اُمت پر حرام کردیا گیا۔

(۵) لا یحل لک النساء من بعد، ولا ان تبدل بھن من ازواج ولو اعجبک حسنھن، اس میں پانچویں انعام کا ذکر ہے۔

لا یحل لک النساء من بعد کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔

ایک یہ کہ ماقبل میں مذکور صفات جن عورتوں میں نہ پائی جائیں وہ آپ کے لئے حلال نہیں ہیں، ماقبل میں اقارب کے لئے مہاجرات کی قید ہے اور مطلق نساء کے لئے مؤمنات کی قید ہے۔ ارشاد ہے انا احللنا لک ازواجک اللٰتی اٰتیت اجورھن وما ملکت یمینک مما افاء اللہ علیک و بنٰت عمک وبنٰت عمّٰتک وبنٰت خالک وبنٰت خٰلٰتک اللٰتی ھاجرن معک وامرأۃ مؤمنۃ ان وھبت نفسھا للنبی ان اراد النبی ان یستنکحھا۔ الآیۃ

حاصل یہ کہ رشتہ دار عورتوں میں سے غیر مہاجر اور دوسری عورتوں میں سے کتابیہ آپ کے لئے حلال نہیں۔

دوسری تفسیر یہ کہ وہ ازواج مطہرات جو اس آیت کے نزول کے وقت آپ کے عقد میں تھیں ان کے سوا اور سب عورتیں آپ پر حرام کردی گئیں ولا ان تبدل بھن من ازواج کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ ازواج میں سے کسی کو بہ نیت تبدیل طلاق دینا حلال نہیں، اس میں ازواج مطہرات پر یہ انعام ہے کہ ہمیشہ کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو ان کے لئے مخصوص کردیا گیا۔

غرضیکہ امتحان ازواج مطہرات کا ہوا اور اس پر یہ انعامات بھی انہی کے لئے بتائے جا رہے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات ہیں۔

(۳) اگر اہل بیت سے علی، فاطمہ اور حسنین رضی اللہ عنہم مراد لئے جائیں تو اشکال لازم آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا کے بغیر ہی تطہیر اہل بیت کی بشارت دیدی

تھی تو اب پھر ان کو جمع کرکے ان کے لئے تطہیر کی دعا کرنا تحصیل حاصل بلکہ لایعنی اور فضول ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اہلِ بیت سے مراد ازواج مطہرات ہی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دریائے رحمت کو جوش میں دیکھا تو اولاد کو بھی توسعاً اہلِ بیت میں داخل فرماکر ان کے لئے بھی تطہیر کی دُعا فرمائی، یعنی ازواج مطہرات تو اہلِ بیت کے مفہوم میں حقیقۃً داخل تھیں، اور ان کی تطہیر کی بشارت بغیر دعا کے مل چکی تھی اور اولاد کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ بیت کے مفہوم میں توسعاً داخل فرماکر ان کے لئے تطہیر کی درخواست کی، چنانچہ حضرت امّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور بعض روایات کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب شمولیت کی درخواست کی تو ارشاد ہوا "انكِ علیٰ خیر" یا "انكِ الی خیر" یعنی تم ان سے بہتر حالت پر ہو، اسلئے کہ تمہاری تطہیر تو اللہ تعالیٰ نے میری درخواست کے بغیر ہی فرمادی ہے

اشکال: آیت تطہیر میں مذکر کے صیغے ہیں، ان سے ازواج مطہرات مراد لینا کیسے صحیح ہوگا؟

جواب: مؤنث کے لئے جمع مذکر کا صیغہ استعمال کرنا کلام عرب میں معروف ہے، قرآنِ کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصّہ میں ہے۔ قال لاهله امكثوا، شرح شواہد الکشاف میں فرماتے ہیں ربما خوطبت المرأة الواحدة بخطاب الجمع المذكر يقول الرجل عن اهله فعلوا كذا (الی قوله) ومنه قوله تعالیٰ حكاية عن موسى عليه السلام قال لاهله امكثوا، اسکے بعد دو شعر بھی پیش کئے ہیں؎

فان شئت حرمت النساء سواكم   وان شئت لم اطعم نقاخا ولا بردا

فان تنكحى انكح وان تتأيمى   وان كنت افتى منكم اتأيم

(ص ۳۴۲ ج ۱ معم)

جواب مذکور کے علاوہ یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ لفظ "اہل" مذکر ہے اس کی رعایت سے مذکر کے صیغے لائے گئے ہیں۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اہلِ بیت میں خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں اس لئے بصیغہ تذکیر خطاب فرمایا گیا۔

شیعہ کہتے ہیں کہ آیت تطہیر دراصل کسی دوسرے مقام پر تھی، جامعین قرآن نے اسے ازواج پر منطبق کرنے کے لئے ذکر ازواج کے درمیان رکھدیا ہے۔

اسکا جواب یہ ہے کہ شیعہ اپنے قول مذکور میں خود عقیدۂ تحریفِ قرآن کا اعتراف کر رہے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ شیعہ کا قرآنِ کریم پر ایمان نہیں، تفصیل کے لئے بندہ کا رسالہ "حقیقتِ شیعہ" ملاحظہ فرمائیں، پس جبکہ شیعہ قرآن کریم پر ایمان ہی نہیں رکھتے اور اسکے محرّف ہونیکا عقیدہ رکھتے

ہیں تو قرآن کی اس آیت سے وہ ائمہ کی تطہیر وعصمت کے لئے استدلال کس منہ سے کرتے ہیں؟
پھر اگر ان کا قول مذکور بفرضِ محال تسلیم بھی کر لیا جائے تو لفظ اہلِ بیت کو ائمہ کے ساتھ مخصوص کرنے اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو اسکے مفہوم سے خارج کرنے پر کیا دلیل ہے؟
بعض حضرات اہلِ بیت کی تخصیص بالازواج کے لئے مندرجہ ذیل دلائل بیان کرتے ہیں۔

(۱) قالوا اتعجبین من امر اللہ رحمۃ اللہ علیکم وبرکاتہ اھل البیت انہ حمید مجید، میں حضرت سارہ علیہا السلام کو اہل البیت سے خطاب کیا گیا ہے

(۲) قالت ھل ادلکم علی اھل بیت یکفلونہ لکم وھم لہ ناصحون، میں اہلِ بیت سے امّ موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں۔

(۳) عام عرف میں "اہل خانہ" "اہلِ بیت" اہلیہ اور "گھر والے" صرف بیوی ہی کو کہا جاتا ہے۔

(۴) گھر کے افراد میں سے بیوی کے سوا اور کسی کو گھر میں ہمیشہ کے لئے قیام نہیں ہوتا، چنانچہ مذکر اولاد بالغ ہونے کے بعد اپنا گھر بار الگ بنا لیتی ہے بلکہ لڑکے جب تک والدین کیساتھ ہوتے ہیں اس زمانے میں بھی ان کا بیشتر وقت گھر سے باہر ہی گزرتا ہے۔ اور لڑکیاں شادی ہو جانے کے بعد گھر سے رخصت ہو جاتی ہیں، مگر یہ دلائل وزنی نہیں۔

قرآنِ کریم، احادیث اور کلام عرب کے مواقع استعمال پر نظر ڈالنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ توسعًا اہلِ بیت کا اطلاق گھر کے سب افراد پر بلکہ پورے خاندان پر ہوتا ہے، اگرچہ گھر میں ایک ساتھ نہ رہتے ہوں۔ حضرت سارہ علیہا السلام سے ملائکہ کے خطاب میں بھی اہلبیت سے پورا خاندان مراد ہے۔

خلاصۂ بحث یہ کہ آیتِ تطہیر میں سیاق وسباق اور شانِ نزول کے مدنظر اہلِ بیت کا خطاب ازواجِ مطہرات ہی کے ساتھ مخصوص معلوم ہوتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے توسعًا اولاد کو بھی اس میں شامل فرما دیا بلکہ خود آیت میں بھی صیغۂ تذکیر اس توسع کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے ممکن ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی اشارہ کی بنا پر اولاد کے لئے دعا فرمائی ہو۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۷ جمادی الآخرہ ۹۶ھ

کتاب السلوک

رفع تعارض مابین عبارات مختلفہ دربارہ اصلاح از غیر صالح

سوال: کسی ایسے شخص سے اصلاحی تعلق رکھنا جو فن میں تو بصیرت رکھتا ہو مگر صالح نہو درست ہے یا نہیں؟ اس بارہ میں حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے دو جگہ مختلف تحقیق تحریر فرمائی ہے۔

① فرمایا کہ شیخ کا ولی ہونا ضروری نہیں، مقبول ہونا ضروری نہیں، ہاں فن کا جاننا اور اسمیں مہارت ہونا ضروری ہے۔ جیسے طبیب کہ اسکا پرہیزگار ہونا ضروری نہیں فن کا جاننا البتہ ضروری ہے۔ اسی طرح اگر اعمال صالحہ ہوں، تقویٰ ہو، ولایت حاصل ہو جائے گی گو شیخ نہو ہاں یہ ضرور ہے کہ اگر شیخ ولی بھی ہو تو اس کی تعلیم میں برکت زیادہ ہوگی۔

(ملفوظات کمالات اشرفیہ مطبوعہ مکتبۂ تھانوی ص۳۱ ملفوظ ۹۶)

② کارِ مرداں روشنی و گرمی ست ٭ کار دوناں حیلہ و بے شرمی ست

جاننا چاہیئے کہ جس طرح مرض ظاہری کے علاج کے لئے ایسے طبیب کی ضرورت ہے جو خود بھی صحیح و تندرست ہو مریض نہو اور دوسروں کا علاج بھی کرسکے کیونکہ اگر خود مریض ہے تو مسئلہ طبیہ ہے رأی العلیل علیل۔ گو وہ طبیب ہو مگر اس کی رائے قابل اعتماد نہیں۔ اگر وہ صحیح و تندرست ہے مگر علاج کا طریقہ نہیں جانتا تب بھی اس مریض کے مطلب کا نہیں گو خود اچھا ہے۔ اسی طرح امراض باطنی کے علاج کے لئے ایسے شیخ و مرشد کی حاجت ہے جو خود بھی متقی و صالح ہو۔ مبتدع و فاسق نہو اور دوسروں کی بھی تکمیل کرسکے۔ کیونکہ اگر بدعقیدہ اور بدعمل ہے تو اوّلاً اس پر یہ اطمینان نہیں کہ یہ خیرخواہی سے تعلیم کریگا بلکہ غالب تو یہی ہے کہ عقیدہ میں اپنا جیسا بنانے کی کوشش کریگا اور عمل میں اس کو اسلئے نصیحت نہ کرسکے گا کہ خود اسکا عامل نہیں۔ یہی خیال ہوگا کہ اگر نصیحت کرونگا تو یہ شخص اپنے دل میں کیا کہے گا بلکہ غالب یہ ہے کہ خود بھلا بننے کو اپنی بدعملی کو تأویل سے درست کرنا چاہے گا تو اس میں بڑی گمراہی کا اندیشہ ہے۔ ثانیاً اسکی تعلیم میں انوار و برکات و تأثیر و امداد غیبی نہو گی۔"

ان میں تطبیق یا ترجیح بیان فرماکر ممنون فرمائیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

وجہ التوفیق: عبارتِ اولیٰ سے مقصد یہ ہے کہ غیر ولی ماہر فن سے ایسے خواص جو صحیح و سقیم میں امتیاز کرسکتے ہوں دو طریقے سے استفادہ کرسکتے ہیں۔

(الف) تشخیص مرض و تجویز علاج میں اسکی بیان کردہ کلیات کو پیش نظر رکھ کر اپنے حالات کا جائزہ لیں اور جزئیات پیش آمدہ کی تشخیص و تجویز کو اس ماہر فن کی بیان کردہ کلیات سے استنباط کریں۔

(ب) بغرض علاج اپنے حالات اسکے سامنے پیش کریں اور اس کی تشخیص و تجویز کی صحت و سقم کا جائزہ لیں۔ اگر خداداد بصیرت و ذوق سلیم کی بدولت اسکی تشخیص و تجویز پر قلب مطمئن ہو تو اس پر عمل کریں ورنہ لا۔ اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جو طبیب کامل تو نہیں مگر طبیب کامل کی رائے کی صحت و سقم معلوم کرنے کی استعداد رکھتا ہے، حاصل یہ کہ غیر ولی فن میں کیسی ہی مہارت کیوں نہ رکھتا ہو بغرض علاج اسکے سامنے کامل تسلیم و تفویض، انقیاد و اعتماد، اطلاع و اتباع بدون تفکر و تدبر ہرگز جائز نہیں۔ عبارت ثانیہ کا یہی مطلب ہے۔

وجوہ الترجیح

(۱) کلید مثنوی کا مضمون مدلل ہے اور ملفوظات کا غیر مدلل، لہٰذا کلید مثنوی کا مضمون راجح ہوگا۔ ملفوظات میں جو طبیب کے ساتھ بطور تمثیل کے دلیل بیان کی گئی ہے وہ بھی مخدوش ہے کیونکہ طبیب کا ولی ہونا اگرچہ ضروری نہیں مگر صحیح و تندرست ہونا ضروری ہے۔ پس جیسے طبیب ظاہر کا امراض ظاہرہ سے تندرست ہونا ضروری ہے بعینہ اسی طرح طبیب باطن کا امراض باطنہ سے تندرست ہونا ضروری ہے، رأی العلیل علیل کا اصول مسلم و مشاہد و منقول ہونیکے علاوہ معقول بھی ہے۔ بایں طور کہ علاج کے لئے کمال عقل و کمال سکون ضروری ہے اور مرض کی وجہ سے دوسرے قوی کی طرح قوۃ عقلیہ میں بھی ضعف آنا لازم اور مشاہد ہے۔ نیز تکلیف کی وجہ سے جو انتشار پیدا ہوتا ہے اس سے قوۃ فکریہ میں کام کرنے کی پوری صلاحیت نہیں رہتی بعینہ اسی طرح مریض باطن کمالِ عقل و سکونِ قلب سے خالی ہوتا ہے، کمال عقل اسمیں اسلئے نہیں کہ شریعت عین عقل ہے اسلئے قرآن کریم نے صرف کامل الایمان لوگوں ہی

کو "دجال" کا لقب دیا ہے ۔ وقال العارف الرومی رحمہ اللہ تعالیٰ

در اشارتہاش را بینی زنی ! مرد پنداری و چوں بینی زنی
ایں قدر عقلے کہ داری گم شود سر کہ عقل ازوے بپرد دم شود

پس جس حد تک شریعت میں کوتاہ ہوگا اسی حد تک عقل میں فتور لازم ہوگا اور سکونِ قلب اس لئے نہیں ہوسکتا کہ اسکی تحصیل منحصر ہے تعلق مع اللہ میں، پس جسقدر یہ تعلق ضعیف ہوگا سکونِ قلب ناقص ہوگا اور اسکی ضد یعنی انتشار موجود ہوگا تو ثابت ہوا کہ غیر ولی کمال عقل و کمال سکون قلب سے خالی ہوتا ہے، ضعفِ عقل اور انتشار کا شکار ہوتا ہے لہٰذا اس میں معالج بننے کی صلاحیت نہیں ۔

(۲) کلید مثنوی کا حصہ اول حضرت اقدس قدس سرہٗ نے خود اپنے قلم مبارک سے تحریر فرمایا ہے لہٰذا اسکی نسبت حضرت قدس سرہٗ کی طرف بلا واسطہ ہے اور ملفوظات کی نسبت بواسطۂ ناقل ہے جسمیں احتمال الخطأ فی السماع والفہم والتعبیر موجود ہے ۔

(۳) یہ امر مسلم ہے کہ کسی کتاب کی تصنیف پر جس حد تک تحقیق عمیق اور تیقظ و امعان نظر سے کام لیا جاتا ہے عام ملفوظات میں اتنا اہتمام نہیں ہوتا اور نہ ہی ہوسکتا ہے۔ لہٰذا اگر ان ملفوظات کو حضرت قدس سرہٗ نے بغرض تصحیح سنا یا دیکھا بھی ہو تو بھی اس کے مقابلہ میں کلید مثنوی کی تحقیق واجب القبول ہوگی ۔ والتوفیق احسن من الترجیح ۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم وھو العاصم لاحول ولا قوۃ الا بہ لا ملجأ ولا منجا منہ الا الیہ

رشید احمد

۲۷ رجمادی الآخرہ سنہ ۸۶ ہجری

جواب از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رفع تعارض کی جو تقریر اوپر کی گئی ہے وہ بھی صحیح و محتمل ہے لیکن میرے دل کو تو اول وھلہ میں یہ بات زیادہ لگتی ہے کہ کمالات اشرفیہ میں ایک علمی تحقیق اور امکانِ عقلی پر گفتگو ہے کہ شیخ اگر ماہر فن ہو اور مرید کی تدبیر صحیح کرے مگر خود عامل نہ ہو تو مرید اسکے اتباع سے درجۂ کمال کو پہنچ سکتا ہے نہ عقلاً کوئی چیز مانع ہے نہ شرعاً ۔ ان اللہ یؤید ھٰذا الدین بالرجل الفاجر وامثالہ اس کے لئے کافی ہے ۔

اور کلید مثنوی میں وہ طریق بتلایا گیا ہے جو عادۃً ضروری ہے۔ تجربہ اور عادت اسپر شاہد ہے کہ محض امکان عقلی سے کہیں دُنیا میں کام نہیں چلتا جب تک اسباب مناسب اختیار نہ کرلے۔ فاسق شخص اگرچہ ماہرِ فن ہو اس پر یہ اعتماد ہی نہیں ہوسکتا کہ وہ اسکی تدبیر صحیح کریگا۔ جب اعتماد نہیں تو علاج بیکار ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ پہلا مضمون نری علمی تحقیق اور امکان عقلی و شرعی کا بیان ہے جو عموماً اصلاحِ حال کے لئے عادۃً و تجربۃً کافی نہیں ہوتا اور دوسرے مضمون میں صحیح طریقہ بتلایا گیا جس کے بغیر عادۃً اصلاح نہیں ہوتی۔

بندہ محمد شفیع از دار العلوم کراچی

۲۸ رجب المرجب سنہ ۸۶ ہجری

بیعت مقصود نہیں اصلاح مقصود ہے

سوال: زید کسی پیر کا مُرید نہ ہو اور وہ مر جائے یا تمام عمر میں کسی کو مرشد نہ بنائے تو کسی قسم کا گناہ تو نہ ہوگا؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصّواب

بیعت سے مقصود اصلاح ہے اور وہ تبھی ہوتی ہے کہ کسی کامل کے ساتھ اصلاحی تعلق رکھے اگرچہ بیعت نہ ہو۔ بیعت مقصود نہیں اصلاح مقصود ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غرۂ رمضان المبارک ۸۸ھ

حقیقتِ تصوّف

سوال: آجکل عام طور پر مدارسِ دینیہ کے کئی اساتذہ و طلبہ اور انکے علاوہ دوسرے عام مولویوں کو بھی دیکھا جاتا ہے کہ وہ تصوّف اور اہلِ تصوّف کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کا مذاق اُڑاتے ہیں لہٰذا اس کی وضاحت فرما کر ممنون فرمائیں کہ تصوّف کی شرعاً کیا حیثیت ہے اور اسکا قرآن و حدیث سے کیا ثبوت ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصّواب

آخرت سے بے فکر مولویوں کی تصوّف سے برہمی کا سبب یہ ہے کہ تصوف کے ذریعہ اصلاحِ باطن اور فلاحِ آخرت حاصل ہوتی ہے جو علم سے اصل مقصود ہے۔ چونکہ تصوف حُبِّ جاہ و مال میں مبتلا مولویوں کے نفسانی تقاضوں کے خلاف پڑتا ہے اسلئے وہ اس کی تحقیر کرتے ہیں۔ اسکی مثال بعینہ یہ ہے کہ عوام الناس میں سے وہ لوگ جن میں دین کی فکر نہیں اور وہ آزادانہ زندگی بسر

کرنا چاہتے ہیں وہ علماء دین کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اپنی مجالس میں ان کو برا بھلا کہتے رہتے ہیں جس کی وجہ صرف یہی ہے کہ وہ اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل میں علماءِ حق کو رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ تصوّف کی ضرورت قرآن، حدیث اور فقہ سے ثابت ہے علاوہ ازیں عقلاً بھی اسکی ضرورت بدیہی اور ظاہر ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ احکامِ شریعت کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) ظاہر سے متعلق

(۲) باطن سے متعلق

اعمالِ باطنہ کا وجود قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور ہر شخص کا وجدان بھی اسکی شہادت دیتا ہے۔ علاوہ ازیں مسلمات عقلیہ اور متفق علیہ حقائق میں سے ہے۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے وذروا ظاهر الاثم وباطنه، اس کے علاوہ حسد، کبر، ریا، حُبِ مال، حُبِّ جاہ وغیرہ رذائل اور ان کی متقابلات صفاتِ محمودہ، اخلاق رذیلہ سے تخلیہ اور اخلاق حمیدہ سے تحلیہ کا حکم، اوّل کے علاج اور دوم کی تحصیل کے طرق قرآن و حدیث میں بار بار بہت کثرت سے مذکور ہیں بس ان اعمال باطنہ یعنی رذائل کے ازالہ اور اخلاق حمیدہ کی تحصیل سے متعلق علم کا نام تصوف ہے،

عقلی لحاظ سے دیکھا جائے تو بھی تصوّف کی ضرورت بدیہی ہے بایں طور کہ جب امراضِ باطنہ نصوص شرعیہ سے ثابت ہیں اور مشاہد ہیں تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑیگا کہ اللہ تعالیٰ نے انکی اصلاح اور علاج کے طریقے بھی ضرور بیان فرمائے ہونگے ورنہ اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت ہوگی کہ اخلاق رذیلہ پیدا تو فرمادیئے مگر ان کا علاج نہیں بتایا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے فقہ کی تعریف یوں منقول ہے۔ الفقه معرفة النفس مالها وما عليها (توضیح ص۱) یہ تعریف تصوف کو بھی شامل ہے بلکہ اعمالِ باطنہ چونکہ زیادہ اہم ہیں حتیٰ کہ اعمال ظاہرہ کا وجود وعدم اور ان کا اعتبار اعمال باطنہ ہی پر موقوف ہے اسلئے تعریف مذکور کے مطابق فقہ کا اہم شعبہ تصوّف ہوا، فقہ کا اعمالِ ظاہرہ سے تعلق رکھنے والا شعبہ ثانوی درجہ رکھتا ہے۔ علم باطن کی اہمیت کے پیش نظر فقہ کے اس شعبہ کا مستقل نام "تصوّف" رکھ دیا گیا مگر بے عمل مولویوں نے تصوف کو فقہ کے مفہوم سے ایسا اڑایا کہ فقہ کے لفظ میں تصوّف کی طرف کسی قسم کے التفات کی کوئی بھی گنجائش نہ چھوڑی۔

غرضیکہ تصوف کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ اعمالِ باطنہ سے متعلق علم حاصل

کیا جائے اور اس کی ضرورت قرآن، حدیث، فقہ اور عقل سے ثابت ہو چکی ——— باقی مصلح کا کام صرف یہ رہ جاتا ہے کہ وہ کسی شخص میں مرض کی تشخیص کر کے نسخہ تجویز کر دیتا ہے، مرض اور علاج تو منصوص ہے، مرض کی تشخیص اور نسخہ کی تجویز مصلح کرتا ہے۔ اسکے علاوہ مصلح بعض ایسی تدابیر اختیار کرتا ہے جن کا تعلق فراست اور تجربہ سے ہے۔ چونکہ ان تدابیر کو مقصود نہیں سمجھا جاتا بلکہ ذریعہ مقصود (اصلاح باطن) ہیں اسلئے ان تدابیر کا ثبوت قرآن و حدیث سے ضروری نہ رہا،

ایسے بے فکر مولویوں کو اگر کوئی اصلاحِ باطن کا مشورہ دیتا ہے تو ان کا نفس امّارہ یہ عذر پیش کرتا ہے کہ آجکل کوئی بزرگ ایسا نہیں کہ اس سے اصلاح کرائی جائے، ایسے ہی لوگوں کے بارہ میں حضرت رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ؎

آب کم جو تشنگی آور بدست ∴ تا بجوشد آبت از بالا و پست

معالج نہ ملنے کی شکایت اس کی دلیل ہے کہ علاج کی فکر نہیں اور مرض کو مرض نہیں سمجھا جا رہا، امراضِ جسمانیہ کے علاج کی تو یہ حالت ہے کہ ذرا سا پیٹ میں درد ہو تو ہر شخص معالج نظر آنے لگتا ہے مگر آخرت کی فکر نہیں اس لئے معالج نہ ملنے کی شکایت کی جاتی ہے۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت نہ ہوگی کہ امراض باطنہ تو پیدا فرما دیئے مگر معالج کوئی بھی پیدا نہیں فرمایا، یا یوں تعبیر کریں کہ آخرت کی تباہی کے اسباب پیدا فرما دیئے مگر ان سے نجات حاصل کرنے کی کوئی سبیل پیدا نہ فرمائی، اگر یوں کہا جائے کہ جب امراض باطنہ کا علاج قرآن و حدیث میں موجود ہے تو علماء اپنا علاج خود ہی کر سکتے ہیں کسی کے ساتھ اصلاحی تعلق رکھنے کی ضرورت نہیں، یہ خیال اسلئے صحیح نہیں کہ اولاً قرآن و حدیث میں مذکور نسخوں کو صرف اہلِ فن ہی جانتے ہیں دوسرے علماء کی وہاں تک رسائی نہیں۔ ثانیاً جیسے امراض جسمانیہ کا علاج صرف کتب طب کے مطالعہ سے نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کے لئے کسی ماہر فن کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے اسی طرح امراض باطنہ کا علاج بھی بدون صحبت کامل کے نہیں ہو سکتا، ضرورت صحبت پر مزید دلائل بندہ کی کتاب ارشاد القاری الیٰ صحیح البخاری میں مذکور ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو فکر آخرت اور شوقِ وطن کی نعمت سے نوازیں۔ نفس و شیطان کے مکاید سے اپنی حفاظت میں رکھیں فقط، واللہ العالم

۱۵ر جمادی الآخرہ سنہ ۹۶ ہجری

حضرت علی سے حسن بصری کی ملاقات اور حضرت علی سے باطنی سلاسل کی ابتداء کی حکمت

سوال: بعض حضرات سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی ملاقات

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہیں ہوئی لیکن سلسلہ چشتیہ میں یہ لکھا جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ کے پیر (مرشد) تھے اور اس کی بھی وجہ تحریر فرمائیں کہ صرف نقشبندیہ سلسلہ کے سوا باقی تمام سلسلے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شروع ہوئے ہیں، دونوں باتوں کا جواب تفصیل سے تحریر فرمائیں۔ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی ملاقات حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے[۵] (تہذیب التہذیب) کسی صحابی کی کوئی جزئی فضیلت دوسرے صحابی کی مطلق فضیلت سے منافی نہیں چنانچہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مطلق فضیلت ہونیکے باوجود فتوح کی فضیلت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اور کثرتِ روایتِ حدیث کی فضیلت حضرت ابوہریرہ، انس، عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ہے۔ اسی طرح اشاعت علم باطن کی جزئی فضیلت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہے۔ مشہور حدیث انا مدینۃ العلم و علیؓ بابها میں شاید یہی مراد ہو، اس کی ایک عقلی وجہ بھی ہے وہ یہ کہ افادہ و استفادۂ باطنی کے لئے خاص مناسبت اور مزاج شناسی ضروری ہے اور یہ امر نسبی تعلق خصوصاً پروردہ بچے میں زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ ر جمادی الآخرہ سنہ ۸۹ھ

شیخ کامل کی علامات

سوال: کسی متبع سُنت شیخ کامل کی علامات اور اس کی پہچان کیا ہے۔ کیا شیخ اور ان کے مریدین کے لئے اتباع شریعت ضروری ہے، اور کیا شریعت پر چلنے کے علاوہ بھی معرفت حاصل ہو سکتی ہے؟ کیا اصلاح باطن اور تزکیہ نفس اتباع شریعت کے علاوہ حاصل نہیں ہو سکتا یا دونوں چیزیں اتباع شریعت اور شریعت پر پورا پورا عمل کرنے ہی پر موقوف ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ شریعت اور معرفت دونوں چیزیں علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ایسے شخص کے بارہ میں شریعت کا کیا فیصلہ ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

شیخ کامل کی علامات یہ ہیں:

(۱) وہ زندگی کے ہر شعبہ میں پورے طور پر متبع سُنّت ہو اور اپنے متعلقین و مریدین کو بھی ہر معاملہ میں اتباع سُنّت کی تلقین و تاکید کرتا ہو۔

---

[۵] اس کی پوری تفصیل عنوان "حضرت علی سے حسن بصری کا استفادہ" کے تحت ہے۔ ۱۲

(۲) امراء و اغنیاء کی بجائے صلحاء و علماء حق اس کی طرف زیادہ متوجہ ہوں اور اس سے عقیدت رکھتے ہوں۔

(۳) اس کے پاس بیٹھنے سے اللہ تعالیٰ کی یاد، آخرت کی فکر اور دنیا سے بے رغبتی پیدا ہو۔

(۴) اسکے ساتھ اصلاحی تعلق رکھنے والوں کی اکثریت ظاہراً و باطناً شریعت کی پابند ہو۔

اتباعِ شریعت کے سوا تزکیۂ نفس و اصلاح باطن کی ہرگز ہرگز کوئی صورت ممکن نہیں قال الله تعالیٰ قل ان کنتم تحبّون الله فاتّبعونی یحببکم الله ویغفرلکم ذنوبکم والله غفور رحیم وقال تعالیٰ وان هذا صراطی مستقیما فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیله۔ جو شخص معرفت وطریقت کو شریعت سے الگ قرار دیتا ہے وہ ملحد، بے دین اور زندیق ہے۔ حکومت اسلامیہ پر فرض ہے کہ اس کے قتل کا حکم دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

غرۂ رمضان المبارک ۹۳ھ

کرامت کی پہچان

سوال: کرامت کی صحیح تعریف کیا ہے۔ کیا ہر اعجوبہ کرامت ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصّواب

کرامت ایسے کام کو کہتے ہیں جو کسی پابندِ شریعت اور مکمل متبع سنت ولی اللہ سے بطور خرق عادت صادر ہو۔ جو شخص مکمل طور پر شریعت کا پابند نہ ہو وہ اگر کوئی اعجوبہ دکھائے تو وہ کرامت نہیں بلکہ استدراج، سحر یا مسمریزم وغیرہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰ صفر سنہ ۹۴ ہجری

شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت

سوال: تصوف کی اصطلاحات شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کا کیا مطلب ہے؟ کیا یہ چیزیں شریعت سے الگ ہیں؟ وضاحت سے تحریر فرمائیں۔ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصّواب

شریعت احکامِ ظاہرہ و باطنہ کا مجموعہ ہے اور طریقت صرف احکامِ باطنہ کو کہا جاتا ہے اس لئے طریقت شریعت سے الگ کوئی چیز نہیں بلکہ شریعت ہی کا ایک شعبہ ہے۔ شریعت کے تمام احکامِ ظاہرہ و باطنہ کے کامل اتباع کی بدولت بعض حقائق تکوینیہ و تشریعیہ کا انکشاف ہوتا ہے یہ حقیقت ہے۔ شریعت کے اتباع اور علوم کے انکشافات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی

معرفت ومحبت میں اضافہ ہوتا ہے اسے معرفت کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو محض اصطلاحات کے گرداب سے نکالکر اپنی معرفت ومحبت عطا فرمائیں، آمین فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۷ رذی قعدہ سنہ ۹۶ ہجری

جہادِ اکبر

سوال: عام طور پر مشہور ہے کہ صوفیہ کرام مجاہدۂ نفس کو جہاد اکبر کہتے ہیں۔ کیا اس کا قرآن وحدیث سے کوئی ثبوت ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اعدى عدوك نفسك التي بين جنبيك اخرجه البيهقي (كنوز الحقائق)

وقال صلى الله عليه وسلم المجاهد من جاهد نفسه، رواه الترمذي وصححه واخرج الديلمي عن جابر رضي الله تعالى عنه قال قدم على النبي صلى الله عليه وسلم قوم غزاة فقال قدمتم خير مقدم قدمتم من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر مجاهدة العبد هواه (كنز العمال)

واليه اشار العارف الرومي رحمه الله تعالى ؎

قد رجعنا من جهاد الاصغریم　　با نبی اندر جہاد اکبریم

ان نصوص کے علاوہ ویسے بھی ظاہر ہے کہ کفار کے ساتھ جہاد سے اصل مقصد حفاظتِ دین ہے اور وہ مجاہدۂ نفس ومخالفت ہوی پر موقوف ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حدیث مذکور ثابت نہیں، مکمل تحقیق تتمہ میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ　　۲ ربیع الآخر سنہ ۹۷ ہجری

صاحبِ نسبت کی تعریف

بعض بزرگوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ صاحبِ نسبت ہیں اسکا کیا مطلب ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

ہر مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے شمار نسبتیں ہیں۔ مثلاً وہ خالق ہم مخلوق، وہ رازق ہم مرزوق، وہ قادر ہم مقدور، وہ مکوِّن ہم مکوَّن وغیرہ۔ ان نسبتوں کے استحضار اور اتباعِ شریعت کی بدولت انسان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص تعلق پیدا ہو جاتا ہے اس کو اصطلاحِ صوفیہ میں نسبت کہا جاتا ہے۔ حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے نسبت کی تعریف باللازم یوں فرمائی ہے "دوامِ طاعت وکثرتِ ذکر" جس شخص کو یہ دو امور حاصل ہو جائیں اسے صاحبِ نسبت کہتے ہیں، اللہ

اجعلنا منھم، اٰمین۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ ربیع الاوّل سنہ ۸۶ ہجری

تشریح حال ومقام:

بعض بزرگوں سے سُنا ہے کہ فلاں صاحبِ حال ہے، اس سے کیا مراد ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصّواب

درحقیقت حال ومقام دو متقابل اصطلاحیں ہیں: "المقامات مکاسب والاحوال مواھب"

یعنی مقام وہ ملکۂ راسخہ ہے جو کسب وریاضت سے حاصل ہوا ہو، اسے عموماً دوام ہوتا ہے، کالتوکل والصبر وغیرھما، اور حال بلا اختیار پیدا ہونے والے واردِ قلبی کو کہا جاتا ہے جو اکثر زائل ہوجاتا ہے، کالشوق و الوجد والاستغراق، مقام کا معاملہ صرف اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے عوام سے اسکے آثار مخفی رہتے ہیں اور حال اکثر خلق پر بھی ظاہر ہوجاتا ہے، کما قال العارف الرومی رحمہ اللہ تعالیٰ ؎

حال چوں جلوہ ست زاں زیبا عروس | ویں مقام آں خلوت آمد با عروس
جلوہ بیند شاہ وغیرِ شاہ نیز | وقت خلوت نیست جز شاہِ عزیز
جلوہ کردہ عام و خاصاں را عروس | خلوت اندر شاہ باشد با عروس
ہست بسیار اہلِ حال از صوفیاں | نادرست اہلِ مقام اندر میاں

بسا اوقات حال بالمعنی الاعم الشامل للمقام بھی استعمال ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۰ ربیع الاوّل سنہ ۸۶ ہجری

حضرت علی سے حسن بصری کا استفادہ

سوال: کتب اسماء الرجال میں تصریح ہے کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کی لقاء حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت نہیں، اس صورت میں سلسلہ چشتیہ کا انقطاع لازم آتا ہے، امید ہے کہ اس پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈال کر مطمئن فرمائیں گے، والاجر عند اللہ الکریم۔

الجواب باسم ملہم الصّواب

روایاتِ ذیل سے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لقاء وسماع ثابت ہے

① قال ابن سعد ولد (الحسن البصری) لسنتین بقیتا من خلافۃ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ونشأ بوادی القری وکان فصیحا رأی علیا (تھذیب التھذیب)

② روی عن ابی بن کعب وسعد بن عبادۃ وعمر بن الخطاب ولم یدرکھم وعن ثوبان وعمار بن یاسر وابی ھریرۃ وعثمان ابن ابی العاص ومعقل بن سنان ولم یسمع منھم وعن عثمان وعلی الخ (تھذیب التھذیب)

اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت بدون سماع ہوتی تو یہاں بھی عدمِ سماع کی تصریح ہوتی۔

(۳) عن یونس بن عبید سألت الحسن قلت یا اباسعید انك تقول قال رسول الله صلی الله علیه وسلم وانك لم تدركه قال یا ابن اخی لقد سألتنی عن شیء ما سألنی عنه احد قبلك ولولا منزلتك منی ما اخبرتك، انی فی زمان كما تری (ای فی عهد الحجاج) كل شیء سمعتنی اقول قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فهو عن علی بن ابی طالب غیر انی فی زمان لا استطیع ان اذكر علیا۔ (حاشیة تهذیب التهذیب من تهذیب الكمال)

اور روایاتِ ذیل میں سماع کی نفی ہے۔

(۱) عن قتادة واللّٰه ما حدثنا الحسن عن بدری مشافهة (تهذیب التهذیب)

(۲) حدثنا حماد بن زید عن ایوب قال ما حدثنا الحسن عن احد من اهل بدر مشافهة (تهذیب التهذیب)

(۳) سئل ابو زرعة هل سمع الحسن احدا من البدریین قال رآهم رؤیة رأی عثمان و علیا قیل هل سمع منهما حدیثا قال لا۔ رأی بالمدینة وخرج علی الی الكوفة والبصرة ولم یلقه الحسن بعد ذلك وقال الحسن رأیت الزبیر یبایع علیا (تهذیب التهذیب)

(۴) قال علی بن المدینی لم یر علیا الا ان كان بالمدینة وهو غلام (تهذیب التهذیب)

(۵) وفیها ان الحسن صحب علیا وهذا باطل باتفاق اهل المعرفة فانهم متفقون علی ان الحسن لم یجتمع بعلی وانما اخذ عن اصحاب علی اخذ عن الاحنف بن قیس وقیس بن عباد وغیرهما عن علی و هكذا رواه اهل الصحیح (منهاج السنة جلد ۳)

روایاتِ نفی کے جوابات

(۱) پہلی دو روایتوں میں تحدیث للراوی کی نفی نہیں، مطلقاً تحدیث کی نفی نہیں،

(۲) روایاتِ اثبات میں سے تیسری روایت میں گزر چکا ہے کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ روایت میں عمداً حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر نہ فرماتے تھے، لہٰذا انکارِ سماع عدمِ علم پر مبنی ہے۔

(۳) اصولاً نفی پر اثبات راجح ہے۔

(۴) پانچویں روایت میں مطلقاً لقاء، وصحبت کی نفی مقصود نہیں بلکہ تعارُمشد کی نفی مقصود ہے" لکی تتحد معانی الآثار ولا تتضاد" چنانچہ روایت رابعہ میں دونوں کے مدینہ منورہ میں بیک وقت موجود ہونے کو تسلیم کرنے کے باوجود عدمِ رؤیت کا محمل صرف یہی ہو سکتا ہے کہ رؤیت طویلہ کی نفی مقصود ہے، اس روایت میں لفظ غلام قادح نہیں، اسلئے کہ غلام مختص بالصغیر نہیں، آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت سے دو سال قبل پیدا ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انتقال الی الکوفہ کے زمانہ میں آپ بالغ یا مراہق ہونگے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۲۳ھ میں اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۳۵ھ میں شہید ہوئے، اور ۳۶ھ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ سے کوفہ کی طرف تشریف لے گئے اس حساب سے اسوقت حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کی عمر چودہ برس تھی۔ حریص علی الخیر ہونیکے باوجود اتنی عمر تک

ایک ہی مقام میں ہوتے ہوئے عدم لقار وعدم سماع بہت بعید ہے۔غرضیکہ آپ کو صحبتِ طویلہ حاصل نہیں ہوئی، استفادۂ باطنہ کے لئے اگرچہ بالعموم صحبتِ طویلہ ضروری ہے مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں۔

اگر بالفرض عدم سماع بھی تسلیم کرلیا جائے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استفادہ بالواسطہ کیا ہوگا، اسمیں کیا اشکال ہے؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ——— ۵ جمادی الآخرہ سنہ ۹۷ھ

مسئلہ وحدۃ الوجود :

سوال : بعض جاہل صوفی "ہمہ اوست" کہتے ہیں اسکا کیا مطلب ہے؟ وضاحت سے بیان فرمائیں، بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

"ہمہ اوست" مسئلۂ وحدۃ الوجود کا ایک عنوان ہے جیسے کہ اصطلاحِ صوفیہ میں توحید، عینیّت اور مظہریّت وغیرہ بھی اسی مسئلہ کے مختلف عنوان ہیں۔ حاصل اسکا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود کامل ہے اور اسکے مقابلہ میں تمام ممکنات کا وجود اتنا ناقص ہے کہ کالعدم ہے، عام محاورہ میں کامل کے مقابلہ میں ناقص کو معدوم سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسے کسی بہت بڑے علامہ کے مقابلہ میں معمولی تعلیم یافتہ کو یا کسی مشہور پہلوان کے مقابلہ میں معمولی شخص کو کہا جاتا ہے کہ یہ تو اسکے سامنے کچھ بھی نہیں، حالانکہ اسکی ذات اور صفات موجود ہیں مگر کامل کے مقابلہ میں انھیں معدوم قرار دیا جاتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے وجود کامل کے سامنے تمام مخلوق کے وجود کو حضرات صوفیہ معدوم قرار دیتے ہیں، حضرت شیخ سعدی نے دو مثالوں سے اسکی خوب وضاحت فرمائی ہے، ارشاد ہے ؎

مگر دیدہ باشی کہ درباغ و راغ بتابد بشب کرمکے چوں چراغ
یکے گفتش اے مرغکِ شب فروز چہ بودت کہ بیروں نیائی بروز
ببیں کآتشیں کرمکِ خاک زاد جواب از سرِ روشنائی چہ داد
کہ من روز و شب جز بصحرا نیم ولے پیشِ خورشید پیدا نیم

دوسری مثال بیان فرماتے ہیں ؎

یکے قطرہ از ابرِ نیساں چکید خجل شد چو پہنائے دریا بدید
کہ جائیکہ دریاست من کیستم ! گر اوہست حقا کہ من نیستم !
ہمہ ہرچہ ہستند ازاں کمتر ند کہ باہستیش نامِ ہستی برند

تقریرِ بالا سے معلوم ہوا کہ وحدۃ الوجود کے یہ معنی نہیں کہ سب ممکنات کا وجود اللہ تعالیٰ کے وجود سے متحد ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وجود کامل صرف واحد ہے، بقیہ موجودات کالعدم ہیں "ہمہ اوست" کا بھی یہی مفہوم ہے جیسے کہ کوئی بادشاہ کے دربار میں درخواست پیش کرے، بادشاہ اسے چھوٹے حکام کی طرف رجوع کا مشورہ دے اور یہ جواب میں کہے کہ حضور آپ ہی سب کچھ ہیں،

تو اسکا یہ مطلب نہیں کہ سب حکام آپ سے متحد ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپکے سامنے سب حکّام کالعدم ہیں،
اسی طرح عینیّت اصطلاحِ صوفیہ میں بمعنیٰ احتیاج ہے، اس معنیٰ سے جملہ مخلوق عینِ خالق ہے یعنی اسکی محتاج ہے، پھر کبھی عینیّت میں یہ قید لگا دیتے ہیں کہ اس احتیاج کی معرفت بھی ہو، اس معنیٰ سے صرف عارف کے لئے عینیّت ثابت کرتے ہیں پھر بعض اوقات ایک قید مزید بڑھا دیتے ہیں کہ اس معرفت میں اسقدر استغراق ہو کہ جملہ مخلوق حتّٰی کہ اپنی ذات کی طرف بھی التفات نہ رہے وبہذا المعنی قال العارف الرومی رحمہ اللہ تعالیٰ ؎

آں یکے را روئے او شد سوئے دوست ویں یکے را روئے او خود روئے دوست

جاہل صوفیوں کے فتنہ سے اُمت کی حفاظت کے لئے اہلِ ارشاد نے وحدۃ الوجود کی اصطلاح کو وحدۃ الشہود سے بدلدیا ہے، اسمیں فتنہ کا خطرہ نہیں، کیونکہ اسمیں غیر کے وجود کی نفی نہیں بلکہ اسکا مفہوم یہ ہے کہ جملہ موجودات میں سے شہود اور التفات صرف ایک ذات کی طرف ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۵ رجمادی سنہ ۹۷ھ

تشریح فناء وبقاء :

سوال : مقامِ فنا کے کیا معنی ہیں ؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے غلبۂ شہود کی وجہ سے اپنی ذات وصفات سے بے خبری کو فناء کہتے ہیں۔ فناءِ صفات کو قربِ نوافل، اور فناءِ ذات کو قربِ فرائض کہا جاتا ہے۔ چونکہ حدیث قدسی "ومایزال عبدی یتقرّب الیّ بالنوافل حتّٰی احببتہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بھا ورجلہ التی یمشی بھا (رواہ البخاری)" میں فناءِ صفات کو تقرب بالنوافل پر مرتب کیا گیا ہے اسلئے صوفیہ اس درجہ کو قربِ نوافل کہتے ہیں، اور فرائض کا درجہ نوافل سے زیادہ ہے۔ چنانچہ اسی حدیث کے شروع میں ہے "وما تقرّب الیّ عبدی بشیئٍ احبّ الیّ ممّا افترضت علیہ" اسلئے فناءِ ذات کو جو کہ افضل ہے فناءِ صفات سے قربِ فرائض کہتے ہیں

پھر اس فناء کا بھی علم نہ رہے تو یہ فناء الفناء ہے جیسے کہ نائم اپنی نوم سے بھی بے خبر ہوتا ہے۔ بعض حضرات بقاء یعنی فناء سے افاقہ کو فناء الفناء کہتے ہیں۔

فناء وبقاء ایک اور معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ زوالِ رذائل کو فناء اور حدوثِ فضائل کو بقاء کہا جاتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۶ رجمادی الاخرہ سنہ ۹۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

فکر آں باشد کہ بکشاید رہے
راہ آں باشد کہ پیش آید شہے
(رومی)

استیناس لابد

بشرح

فضل العالم علی العابد

فاروق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وجہِ تالیف

ایک مرتبہ لاہور کے سفر میں جامعہ اشرفیہ میں حاضری ہوئی وہاں کے ایک عالم فرمانے لگے کہ

"میرے خیال میں علماء کو ذکر و شغل اور نوافل و تلاوت کی بجائے درس و تدریس اور افتاء و ارشاد میں مشغول رہنا زیادہ ضروری ہے۔"

اُنھوں نے اپنے اس خیال کی تائید میں حدیث "فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم" پڑھی بندہ نے عرض کیا کہ "جو عالم ذکر و تلاوت وغیرہ عبادتِ نافلہ کثرت سے نہیں کرتا وہ اصطلاحِ شرع میں عالم ہی نہیں۔" اللہ تعالیٰ نے اس پر کچھ دلائل بیان کرا دیئے، یہ قصہ عصر و مغرب کے درمیان پیش آیا، نماز مغرب کے بعد وہ عالم تشریف لائے اور فرمایا کہ

"آپ کے بیان سے متأثر ہو کر میں آج اوّابین پڑھ کر آرہا ہوں۔"

میں نے کراچی واپس آکر سفر کی روئیداد میں یہ قصہ بھی ذکر کیا، اسوقت کسی صاحب نے ٹیپ ریکارڈر لگا رکھا تھا، اس میں یہ بیان محفوظ ہو گیا سُننے والوں نے بہت پسند کیا اور اس کی اشاعت کی ضرورت بیان کی، بندہ کو بھی خیال ہوا کہ

"کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ عالم مذکور کی طرح اس غلط فہمی میں مبتلا دوسرے علماء کے لئے بھی اسے نافع بنا دیں"

چنانچہ میں نے یہ مضمون ٹیپ سے نقل کروا کر استاذ محترم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں بغرض اصلاح پیش کیا، آپ بہت مسرور ہوئے، اس پر اپنا تأثر تحریر فرمایا اور فرمایا کہ

"دار العلوم کے سب اساتذہ کو جمع کر کے یہ مضمون سُنایا جائے۔" حضرت مفتی صاحب کی نظر میں اس کی اسقدر اہمیت ثابت ہونے کے بعد اس کی اشاعت کا فیصلہ کیا گیا، اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں اور ہم سب کے لئے نافع بنائیں۔ وفقنا اللہ الجمیع لما یحب و یرضیٰ، آمین

رشید احمد ــــ ۷ صفر سنہ ۹۷ھ

استیناس الآبد ــــ ــــ ۲

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

کا تأثر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیز محترم مولانا رشید احمد صاحب زادہ اللہ تعالیٰ فضلاً وکمالاً کا مضمون متعلقہ حدیث فضل العالم علی العابد شوق سے سنا ماشاء اللہ بحث کے اعتبار سے سنگین اور اثر کے اعتبار سے رنگین ہے یہ حقیقت ہے کہ فقہاء کرام کے ایسے اقوال جن سے ثابت ہوتا ہے کہ علم دین کی کتابوں کا مطالعہ یا درس وتدریس قیام اللیل سے افضل ہے ان سے بہت سے اہل علم اس مغالطہ میں مبتلا ہوجاتے ہیں کہ تہجد اور نوافل واوراد کو بالکلیہ ترک کرکے سارا وقت تبلیغ وتعلیم میں خرچ کریں، لیکن خود حضرات فقہاء، ومحدثین اور تمام علماء سلف وخلف کا تعامل دیکھا جائے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی اہم نوافل تہجد وغیرہ اور اہم اذکار کو چھوڑ کر علمی خدمات کو اختیار نہیں کیا بلکہ علمی خدمات کے ساتھ اوراد واذکار اور تہجد ونوافل کا سلسلہ بھی برابر جاری رہا ہے۔

میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ حضرت امام قاضی ابو یوسف عین اس زمانے میں جبکہ وہ قاضی القضاۃ کے عہدہ پر مامور اور اسکے فرائض کی ادائیگی میں مشغول تھے رات کو تین سو رکعت پڑھتے تھے، جہاں تک مجھے یاد ہے خلاصۃ الفتاوی میں کسی جگہ لکھا ہے (جو اس وقت سرسری تلاش سے ملا نہیں) کہ تعامل علماء سلف کا یہ تھا کہ دن کا وقت تو زیادہ تر علمی خدمات درس وتدریس تبلیغ وتعلیم یا تصنیف وفتوی میں صرف کرتے تھے مگر رات کا بڑا عمل ان کا نماز تہجد وتلاوت ہی ہوتا تھا اور حقیقت ہے کہ تعلیم وتبلیغ کی خدمت بھی مؤثر ومفید جبھی ہوتی ہے جبکہ تعلق مع اللہ اور ذکر اللہ کے لازمی اثرات اس میں موجود ہوں۔ واللہ المستعان

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

دار العلوم کراچی نمبر۱۴

۶ / ۱۲ / ۸۵ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ کَفَضْلِیْ عَلٰی اَدْنَاکُمْ

اس حدیث کے پیشِ نظر بعض علماء اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ اہلِ علم کو نفلی عبادت کی بجائے علمی مشغلہ رکھنا چاہیے، اوّابین تہجد اور ذکر و شغل وغیرہ میں مشغول ہونا صحیح نہیں، یہ وقت علم دین کی خدمت و اشاعت میں صرف کرنا افضل ہے مگر یہ محض مغالطہ اور نفس و شیطان کا کید ہے۔ اس لئے حدیث مذکور کی تشریح کی ضرورت پیش آئی۔

اوّلاً یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ شریعت کی نظر میں علم کسے کہتے ہیں؟ سو واضح ہو کہ نظرِ شرع میں علم وہ معتبر ہے کہ جس سے خشوع و خضوع اور تقوٰی و فکرِ آخرت اور حساب و کتاب کا استحضار اور دنیا و مافیہا سے زہد اور آخرت کی طرف رغبت پیدا ہو، فرماتے ہیں

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا اس سے معلوم ہوا کہ علم سے خشیت پیدا ہوتی ہے

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَا اَتْقَاکُمْ وَاَعْلَمُکُمْ بِاللّٰہِ اَیْ اَنَا اَتْقَاکُمْ لِاَنِّیْ اَعْلَمُکُمْ بِاللّٰہِ اس سے ثابت ہوا کہ زیادۃِ علم زیادۃِ تقوٰی کی مورث ہے۔ اور فرمایا:

فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِہٖ فِیْ زِیْنَتِہٖ قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ قَارُوْنُ اِنَّہٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ○ وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَکُمْ ثَوَابُ اللّٰہِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ○ ان آیات سے جہل و علم کی حقیقت معلوم ہوئی کہ حیاتِ دُنیا پر نظر رہنا جہل اور ثوابِ اللہ پر نظر ہونا علم ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ ثَوَابُ اللّٰہِ خَیْرٌ کا صرف اعتقاد حاصل ہو جانا علم نہیں بلکہ تحقّقِ علم کے لئے اس کا استحضار اور اس کے مطابق عمل ضروری ہے وَلَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ سے اسکی مزید تاکید فرما دی، لہٰذا خواہ کوئی دُنیا بھر کے علوم حاصل کرلے مگر بدوں تقوٰی کے وہ نظرِ شرع میں کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا اور "چار پائے بر و کتابے چند" کا مصداق ہوگا، عقلاً بھی یہ امر مسلّم اور بدیہی ہے کہ حقیقی علم معرفتِ خالق ہے۔ ــــہ

فکر آں باشد کہ بکشاید رہے | راہ آں باشد کہ پیش آید شہے

اور یہ بھی مسلم ہے کہ کسی چیز کی صفات کی جس حد تک معرفت ہوگی اسی حد تک اسکے آثار بھی مرتب ہونگے۔ پس اللہ تعالیٰ کی شانِ جلالی وجمالی کی معرفت کے بعد غلبۂ شوق وغلبۂ خوف اور ان کے آثار کا ترتب لازمی ہے، دوسری بات یہ سمجھ لیں کہ تقوی اور خشوع کیسے حاصل ہوتا ہے؟ اسکی تحصیل کے قرآن کریم نے مختلف مواضع میں متعدد طریقے بیان فرمائے ہیں، ارشاد ہے۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اس مضمون کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ توجہ الی الآخرۃ موقوف ہے زہد عن الدنیا پر، کیونکہ تحلیہ بلا تخلیہ ناممکن ہے؟

حضرت رومی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ؎

آئینت دانی چرا غماز نیست | زانکہ زنگار از رخش ممتاز نیست

رو تو زنگار از رخ او پاک کن | بعد زیں ایں نور را ادراک کن

اور زہد عن الدنیا نام ہے ازالۂ حُبِّ دنیا کا جو شامل ہے حبِّ مال وحبِّ جاہ کو۔ پس فرماتے ہیں کہ حُبِّ مال کا علاج صبر یعنی ترک لذات وشہوات سے کرو، اسلئے کہ تحصیلِ لذّات کے لئے مال کی ضرورت پڑے گی تو مال کی طلب بڑھے گی، لہٰذا نفس کو ترک لذّات کا عادی بناؤ تاکہ مال کثیر کی ضرورت نہ پڑے قال البوصیری ؎

النفس کالطفل ان تهمله شب علی | حب الرضاع وان تفطمه ینفطم

اور حبِّ جاہ کا علاج نماز سے کرو، اس لئے کہ نماز میں سراسر عجز وانکسار ہے اور نماز کی گرانی کا علاج خشوع یعنی سکونِ قلب ہے، اس طرح کہ اعضاء کی حرکات قلب کی حرکات (خیالات وارادات) کے تابع ہیں، اسلئے نماز میں سکون اعضاء کی قیود (یعنی چلنے پھرنے بولنے دیکھنے کھانے پینے سے ممانعت) اسوقت تک گراں معلوم ہونگی جب تک قلب میں سکون پیدا نہیں ہوگا اور سکونِ قلب (خشوع) حاصل کرنیکا طریقہ بیان فرماتے ہیں کہ اپنے رب سے لقاء اور حساب وکتاب، جزاء وسزا کا مراقبہ کرتے رہا کرو۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ وَاخْشَوْا یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِہٖ ز وَلَا مَوْلُوْدٌ ھُوَجَازٍ عَنْ وَّالِدِہٖ شَیْئًا ط ان دونوں آیتوں میں تقویٰ کا امر فرما کر اس کی تحصیل کا طریقہ بیان فرمایا کہ قیامت اور اس کی ہولناکیوں کا مراقبہ کیا کرو۔

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً ج اس میں تحصیل تقویٰ کے لئے باری تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ کے مراقبہ کا حکم فرمایا۔

اِنَّہٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ ط اَفَلَا یَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ ہ وَحُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوْرِ ہ اِنَّ رَبَّھُمْ بِھِمْ یَوْمَئِذٍ لَّخَبِیْرٌ ہ اس میں حبِّ مال کا علاج یہ بیان فرمایا کہ حشر اور حساب و کتاب کا مراقبہ کیا کرو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تقویٰ اور فکر آخرت پیدا کرنے کے لئے مراقبۂ موت کی تعلیم فرمائی۔

اَکْثِرُوْا مِنْ ذِکْرِ ھَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ۔

کَفٰی بِالْمَوْتِ وَاعِظًا۔ زُوْرُوْھَا (اَلْقُبُوْرَ) فَاِنَّھَا تُذَکِّرُ الْاٰخِرَۃَ۔

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ میں مراقبۂ ذاتِ حق کا حکم فرمایا، حَقِیْقٌ بِالْمَرْءِ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ مَجَالِسُ یَخْلُوْ فِیْھَا وَیَذْکُرُ ذُنُوْبَہٗ فَیَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ مِنْھَا (ھب) سے محاسبہ کی تاکید فرمائی۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ج یہاں تقویٰ سے اختیار کرنے کے لئے محاسبۂ اعمال کا حکم فرمایا۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ہ اس آیت میں تحصیلِ تقویٰ کا طریقہ یہ بیان فرمایا کہ صادقین کے ساتھ رہ پڑو، یعنی کثرتِ صحبتِ صادقین۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ہ اس سے معلوم ہوا کہ کثرتِ ذکر اللہ سے قلب کو اطمینان اور سکون حاصل ہوتا ہے اور اوپر آیۂ کریمہ وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ط کی تفسیر میں بیان ہوا کہ سکونِ قلب سے نماز سہل ہو جاتی ہے، جس سے حبِّ جاہ زائل ہوتی ہے جس سے فکرِ آخرت پیدا ہوتی ہے، ذَکَرَ اللّٰہَ خَالِیًا فَفَاضَتْ عَیْنَاہُ، یعنی جو شخص خلوت میں ذکر اللہ کرے اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگیں اسے اللہ تعالیٰ ایسے قرب سے نوازتے ہیں کہ قیامت کے روز اس کو اپنے عرش کے سایہ میں جگہ دیں گے جبکہ لوگ تمازت سے پریشان ہوں گے اور

پسینوں میں ڈوب رہے ہونگے۔ غرضیکہ مراقبہ، محاسبہ، صحبت اولیاء اللہ اور کثرت ذکر سے علم و معرفت میں ترقی ہوتی ہے جس سے تقوی، خشوع اور تعلق مع اللہ پیدا ہوتا ہے اسلئے کثرتِ ذکر کا حکم دیا گیا ہے،

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا ۝ وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا ۝

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِیْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِیْنَ ۝

وقال العارف الرومی رحمہ اللہ تعالیٰ ؎

ایں قدر گفتیم باقی فکر کن فکر گر جامد بود رو ذکر کن
ذکر آرد فکر را در اہتزاز ذکر را خورشید ایں افسردہ ساز

نتیجہ یہ نکلا کہ علم موقوف ہے کثرتِ ذکر، محاسبہ، مراقبہ اور صحبتِ اولیاء اللہ پر، سیّدِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی کئی روز تک مراقبہ اور تخلیہ کروانے کے بعد علم و عرفان سے آپ کا تحلیہ فرمایا گیا۔ پس ابتداءً تو یہ اذکار و اشغال مرض جہل سے نجات حاصل کرنے کے لئے بطور علاج کے ضروری ہیں، مگر جب ان کی بدولت علم اور اس کے ساتھ ساتھ تقویٰ و خشوع کی نعمت ملجاتی ہے تو یہ اذکار و اشغال خود مرض بن کر عاشق پر مسلّط ہو جاتے ہیں۔ جیسے کہ کسی مرض کے لئے افیون یا تمباکو استعمال کروایا جائے جس سے اصل مرض کا علاج تو ہو جائے مگر خود افیون یا تمباکو کی عادت کالا علاج مرض ہمیشہ کے لئے سوہانِ روح بن جائے۔ ابتداء میں انسان علاج کے طور پر بادلِ نخواستہ ان چیزوں کو اختیار کرتا ہے مگر کچھ وقت کے بعد یہ اذکار و اشغال انسان کو ایسے پکڑتے ہیں، کہ ان سے بچنا ناممکن ہو جاتا ہے ؎

مکتبِ عشق کا دُنیا سے نرالا دستور اُس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد رہا

اسی حالت کے بارے حضرت مجذوب فرماتے ہیں ؎

اب تو چھوڑے سے بھی نہ چھوٹے ذکر ترا اے میرے خدا
حلق سے نکلے سانس کے بدلے ذکر ترا اے میرے خدا

اذکار و اشغال میں یہ فرق ہے کہ اشغال خود مقصود نہیں صرف ذریعۂ مقصود ہیں، اور اذکار ذریعۂ مقصود ہونے کے علاوہ بذاتِ خود بھی مقصود ہیں۔ ارشاد ہے:

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ۔ ۳۷۱

استیناس الآبد ــــــــــ ۷

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ

اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۙ وَّ يَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۝ السجدة

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ بُكِيًّا ۝ السجدة یعنی کثرتِ ذکر و مراقبات سے ان پر ایسی رقّتِ قلب طاری ہو جاتی ہے کہ اپنے محبوب کی باتیں سُن کر ان کے قلوب پر زلزلہ آنے لگتا ہے، وریدوں کا خون گرما جاتا ہے، رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں روتے ہوئے بیساختہ سجدے میں گر جاتے ہیں اور آنکھوں سے سیلِ اشک جاری ہو جاتا ہے جو اس قدر کثرت سے بہتا ہے کہ گویا خود آنکھیں ہی بہی جارہی ہیں ؎

کوئی نہیں جو یار کی لادے خبر مجھے اَے سَیلِ اشک تو ہی بہادے ادھر مجھے

؎ از حال خود آگہ نیم جز ایں قدر دانم کہ تو
ہر گہ بخاطر بگذری اشکم ز داماں بگذرد

محبوبِ حقیقی نے اپنے عشاق کے مراقبہ، محاسبہ، کثرتِ ذکر، کثرتِ صلوٰۃ اور قیامِ لیل کا تذکرہ قرآن کریم میں بار بار دہرایا ہے، فرماتے ہیں۔

يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ، یعنی قیامت کی ہولناکیوں کا مراقبہ کرتے رہتے ہیں۔

يُؤْتُوْنَ مَاۤ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝ اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے رہتے ہیں اور ڈرتے رہتے ہیں کہ حسنات قبول بھی ہوئیں یا نہیں۔

يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا ۝

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝

اس میں اوّلاً مادہ قلت ثانیاً اس کی تنکیر للتقلیل ثالثاً من تبعیضیہ رابعاً ما تاکیدیہ لاکر کس شان کے ساتھ ان کے قیامِ لیل کا تذکرہ فرمایا ہے کہ رات کو بہت ہی کم سوتے ہیں اور جب رات قریب الختم ہوتی ہے تو رات بھر کی عبادت کا محاسبہ کرتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ کچھ بھی

عبادت نہ کر سکے۔ مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ اپنی عبادت کا نقص سامنے آتا ہے تو اس پر استغفار کرتے ہیں ؎

نیکیاں یا رب مری بدکاریوں سے بد ہوئیں وہ بھی رُسوا کُن ترے دربار میں بیجد ہوئیں

یہ عشاق اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے بھی اپنے کو قصور وار ہی سمجھتے ہیں ؎

جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

وَذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا۔

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، یعنی کثرتِ ذکر و مراقبۂ قدرت میں لگے رہتے ہیں۔

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ اس میں اہلِ علم اسے کہا گیا ہے جو رات کو خشوع و خضوع اور خوف و رجا کی حالت میں کثرت سے نوافل پڑھے، بلکہ آیت ذیل کے ظاہر سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں میں غلبۂ خشیت، خشوع و خضوع، کثرت ذکر، کثرت قیام لیل نہیں وہ مؤمن ہی نہیں۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ۔

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ السجدة تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ ان آیات میں اِنّما کلمۂ حصر ہے، یعنی جب تک صفاتِ مذکورہ نہ پائی جائیں گی ایمان کا وجود ہی نہیں ہو سکتا، ان آیات کے ظاہر اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک رجال اللہ کے تعامل سے کثرتِ ذکر و قیام لیل کی فرضیت بلکہ شرطِ ایمان ہونا مفہوم ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فرض کی دو قسمیں ہیں (۱) ضابطہ کا فرض (۲) رابطہ کا فرض مثلاً شوہر کے ذمہ بیوی کے علاج کے مصارف اور بیوی کے ذمّہ شوہر کی خدمت ضابطۂ شرعیہ میں فرض نہیں، مگر رابطہ کی حیثیت سے یہ ایسا اہم فریضہ شمار ہوتا ہے کہ اسمیں کوتاہی کرنے والے شوہر یا بیوی کو زوجیت کے لائق ہی نہیں سمجھا جاتا، اگرچہ ضابطہ کی رُو سے یہ میاں بیوی ہیں، اسی طرح ضابطہ کی رو سے اگرچہ کوئی شخص مسلمان ہو مگر مسلمان کہلانے کے لائق اور رابطہ کا مسلمان تب بنے گا جب رابطہ کے فرائض و شرائط (خشوع و خضوع کثرت ذکر و

قیامِ لیل) کو ادا کریگا۔ اس پوری تقریر کا حاصل یہ ہے کہ جب تک مراقبہ، محاسبہ، خشوع و خضوع کثرتِ ذکر و قیامِ لیل متحقق نہ ہوگا، اسوقت تک عالم بننا تو درکنار صحیح معنوں میں مسلمان بھی نہیں بن سکتا، اب حدیث کا مطلب واضح ہوگیا کہ عالم سے مراد وہ ہے جو نظرِ شرع میں عالم ہو اور کامل مؤمن ہو۔ یعنی کم از کم اتنی عبادت کرتا ہو جو حقیقتِ علم اور کمالِ ایمان کے لئے شرط ہے جس کی تفصیل اوپر بیان ہوئی، ورنہ وہ عالم ہی نہیں بلکہ اس لائق بھی نہیں کہ اسے مؤمن کہا جائے اگرچہ حقیقت میں مؤمن ہو، پس عالم سے مراد وہ شخص ہے جو کم از کم اتنی عبادت کرتا ہو جو حقیقتِ علم کے لئے موقوف علیہ ہے اور زیادہ وقت مشاغلِ علمیہ میں صرف کرتا ہو اور عابد سے مراد وہ ہے جو درجۂ موقوف علیہ سے بھی زیادہ عبادت کرتا ہو اور علم بقدرِ ضرورت سے زیادہ حاصل نہ کیا ہو، پس دونوں عالم بھی ہیں اور عابد بھی، فرق اتنا ہے کہ ایک علم بقدرِ ضرورت یعنی بقدرِ فرضِ عین حاصل کرکے فرضِ کفایہ کی طرف متوجہ ہونیکی بجائے کثرتِ عبادت میں مشغول ہوجاتا ہے اور دوسرا عبادت بقدرِ ضرورت (جو حقیقتِ علم و کمالِ ایمان کے لئے موقوف علیہ ہے) کرتا ہے، اور علم سے فرضِ کفایہ کا درجہ بھی حاصل کرلیتا ہے حقیقتِ علم منکشف ہونیکے لئے دردِ محبت کی ضرورت ہے ؎

در درونِ خود بیفزا درد را   تا ببینی سبز و سرخ و زرد را

اس درد کی بدولت ایسے علوم منکشف ہوتے ہیں کہ عقل خیرہ رہ جاتی ہے ؎

بینی اندر خود علومِ انبیاء   بے کتاب و بے معید و اوستا

جو لوگ اس لذتِ درد سے ناآشنا ہیں ان کو حقیقتِ علم کی کیا خبر ؎

تو ندیدی گہے سلیماں را   چہ شناسی زبان مرغاں را

آگاہ نۂ تپ درون را   نشتر چہ زنی رگ جنوں را

ان کو تو خود پرستی محبوبِ حقیقی کی طرف آنے ہی نہیں دیتی ؎

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید   معشوق دریں جاست بیائید بیائید

ایسے لوگوں کے بارے میں حضرت رومی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ؎

صد ہزاراں فضل دارد از علوم   جانِ خود را مے نہ داند ایں ظلوم

جان جملہ علمہا این ست و این   کہ بدانی من کیم در یوم دین

ایہا القوم الذی فی المدرسہ   کل ما حصلتموہ وسوسہ

استیناس الآبد ـــــــ ۱۰

علم نبود الا علم عاشقی ما بقی تلبیس ابلیس شقی

خدمتِ علمِ دین کا بہانہ بنا کر عبادت سے جی چرانے والوں سے میں پوچھتا ہوں کہ کیا وہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگی اور آج تک رجالِ اُمت کے سلسلہ کا طرزِ عمل دُنیا کی آنکھوں سے اوجھل کر سکتے ہیں؟ آپ لوگ تو بزعم خود صرف علمِ دین کے محافظ و مبلّغ ہی ہیں، حضور کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم پر تو مبلّغ ہونے کے علاوہ حکومت کی ذمہ داریاں بھی تھیں، پھر ان نفوس قدسیہ میں جذبۂ تبلیغ و احساسِ ذمہ داری کس حد تک تھا، یہ ہمارے وہم و گمان سے بھی خارج ہے ؎

وکیف یدرک فی الدنیا حقیقتہ قوم نیام تسلوا عنہ بالحلم

معہٰذا آپ قیام لیل کس حد تک فرماتے تھے، کمر باندھ لیتے، احیاء لیل فرماتے، پاؤں متورم ہو جاتے اور کثرت سے نفل روزے رکھتے اور ہر وقت ذکر اللہ میں مشغول رہتے تھے، آپ نے یہ خیال کیوں نہ فرمایا کہ کثرتِ نوافل کی بجائے یہ وقت بھی تبلیغِ علمِ دین اور نظم و اقامت حکومت میں ہی صرف کرنا چاہیئے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے چالیس سال تک مسلسل عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز پڑھی، ایک قرآن پاک روزانہ ختم فرماتے تھے، علامہ برہان الدین مرغینانی مصنف ہدایہ نے تیرہ سال تک مسلسل روزہ رکھا اور کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا، کیا آپ کا جذبۂ حفاظت و اشاعت علم دین ان مقدس ہستیوں سے بھی بڑھ کر ہے؟ مثال کے طور پر ان دو ہستیوں کا ذکر کر دیا، ورنہ اس سلسلہ کے ہر فرد کی یہ کیفیت ہے ؎

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

ایک مرتبہ حضرت امام احمد رحمہ اللہ اپنے اُستاذ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں مہمان ہوئے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی صاحبزادی نے مہمان کی دیگر ضروریات کے ساتھ تہجد کے وقت وضو کے لئے پانی بھی رکھ دیا، صبح کو جب دیکھا کہ پانی ویسے ہی رکھا ہے تو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے یوں شکایت کی کہ "طالب علم لیس لہ حظ فی الصلوٰۃ" یہ کیسا طالب علم ہے جسے تہجد کی بھی توفیق نہیں ہوتی؟ ایک جلیل القدر امام کی صاحبزادی کا یہ جملہ مدعیان علم کے لئے تازیانۂ عبرت ہے، امام شافعی کے دریافت فرمانے پر امام احمد رحمہ اللہ نے عرض کیا کہ رات آپ کے ہاں جو کھانا کھایا ہے اسکے انوار اس قدر محسوس ہوئے کہ رات بھر عبادت میں گزری ایک لمحہ کے لئے بھی غفلت نہیں ہوئی، لہذا وضو کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی، ماضی قریب

میں ہی ایسے رجال گزرے ہیں کہ امت مسلمہ پر کوئی دینی یا دنیوی ادنیٰ سی آفت بھی انکو پریشان کردیتی تھی، جس سے ان کی نیند غائب اور آرام کافور ہوجاتا تھا، ایک درد تھا جو کسی وقت چین نہ لینے دیتا تھا ان کے جذبۂ اشاعت دین کی مدعیان حفاظت علم کو تو ہوا بھی نہیں لگی، ایک طرف جہاد، وعظ و تقریر، تبلیغ و اشاعت، تدریس و افتاء، تصنیف و تالیف کے میدان میں یہ حضرات سبّاق تھے، دوسری طرف مراقبہ، محاسبہ، کثرت ذکر و شغل، نوافل و قیام لیل میں ممتاز اور امراض باطنہ کے طبیب حاذق تھے، ایک جانب بلا واسطہ علم نبوت حاصل کرنے والے ہزاروں شاگرد اور مواعظ و ملفوظات و تصانیف سے مستفید ہونے والے کروڑوں افراد اور دوسری جانب ان کے مطب روحانی سے صحتیاب ہونے والے اور نورِ نبوّت حاصل کرنے والے ہزاروں کی تعداد میں ہیں، ان حضرات نے فقہ، قرآن، حدیث، علوم نقلیہ وعقلیہ، ظاہرہ و باطنہ کی ایسی گتھیاں سلجھائی ہیں کہ مدعیان علم و فراست سمجھانے پر بھی نہ سمجھ سکیں، مدعیان حفاظت و اشاعت علم ان عشاق کی تبلیغ و اشاعت دین جیسا کوئی ادنیٰ سا نمونہ تو پیش کریں ؎

اولٰئك اٰبائی فجئنی بمثلهم اذا جمعتنا یا عنید المجامع

حقیقت یہ ہے کہ جب تک تعلق مع اللہ حاصل نہیں ہوتا، اسوقت تک تبلیغ و اشاعت کا فریضہ ادا ہی نہیں ہوسکتا، آجکل خطرناک ضلالت یہ ہے کہ علم حقیقی کا مدعیانِ علم مذاق اُڑانے لگے ہیں اور اپنے حلقۂ اثر کو اس سے روکتے ہیں ؎

منعم کنی ز عشق وے اے مفتیِ زمن معذور دارمت کہ تو او را ندیدۂ

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے حاصل خواجہ بجز پندار نیست

عوام کالانعام کی واہ واہ انسان کو تباہ کردیتی ہے، عوام کی عقیدت اور دست بوسی پر عجب و پندار کوتاہ نظری اور مہلک ہے، کسی صاحب نظر سے تشخیص کروائیے ؎

بنما بصاحب نظرے گوھر خود را عیسیٰ نتواں گشت بتصدیق خرے چند

ہمیں کہتی ہے دنیا تم ہو دل والے جگر والے ذرا تم بھی تو دیکھو کہ ہو تم بھی تو نظر والے

یہ لوگ بصورت علم وبحقیقت جہل کے پندار میں مبتلا ہیں ؎

ناز ہے گل کو نزاکت پہ چمن میں اے ذوق اس نے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے

یہ علم کی لذّت اور اہلِ دل کے سوز و گداز کو کیا جانیں ؎

لطف مے تجھ سے کیا کہوں زاہد　　　ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں

ع　ذوق ایں بادہ ندانی بخدا تا نہ چشی

چوں دل بمہرنگارے نہ بستۂ اے ماہ　　　ترا ز سوزِ درون و نیاز ما چہ خبر؟

اہلِ انصاف کے لئے اسی قدر مضمون کافی ہے، چنانچہ ایک معروف اہلِ علم جو اس غلط فہمی میں مبتلا تھے اس قدر متأثر ہوئے کہ اس مضمون کا صرف خلاصہ سُنتے ہی انھوں نے اوّابین اور اشراق وغیرہ نوافل شروع کردئیے اور اہلِ اعتساف کی خدمت میں یہ دو شعر پیش کرتا ہوں ؎

با مدعی نگوئید اسرارِ عشق و مستی　　　بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی

تو و طوبے و ما و قامت یار　　　فکر ہر کس بقدر ہمّت اوست

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو علم حقیقی کی دولت سے نوازیں

زہد زاہد را و دیں دیندار را　　　ذرۂ دردت دل عطار را

اَللّٰھُمَّ نَوِّرْ قُلُوْبَنَا بِنُوْرِ مَعْرِفَتِكَ اَبَدًا ۔ اٰمِیْن ۔

رشید احمد

اوائل ذی الحجہ سنہ ٨٥ھ

تکملہ :

کسی کو اشکال ہوسکتا ہے کہ علماء کے لئے تدریس تبلیغ، افتاء اور تصنیف جیسی متعدی خدمات انجام دینا فرض کفایہ ہے اور ذکر، شغل، مراقبہ ومحاسبہ وغیرہ عبادات نافلہ ہیں، اور فرض کی اہمیت و ثواب نفل سے زیادہ ہے، پھر میں علماء کو کثرتِ ذکر وفکر کی تبلیغ کیوں کرتا ہوں؟ اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی،

الزامی جواب،

میں نے نصوص قرآنیہ سے ثابت کیا ہے کہ جو عالم عبادت نافلہ اور ذکر وفکر کی کثرت نہیں کرتا وہ نظر شرع میں عالم تو درکنار مومن کہلانے کے لائق بھی نہیں، پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور علماء امت کے اقوال سے اس کی اہمیت ثابت کی ہے، اور بتایا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر علماء امت کا تعامل یہی چلا آیا ہے کہ وہ اشاعت دین کی متعدی خدمات کے ساتھ اپنے اوقات کا بڑا حصہ عبادت نافلہ اور ذکر وفکر میں صرف فرماتے تھے، علماء آیدین اس پر غور فرما کر جواب دیں،

تحقیقی جواب،

دوسروں کو تبلیغ اور ان کی اصلاح کی کوشش فرض کفایہ ہے، مگر اپنی اصلاح فرض عین ہے، اصلاح کا

مطلب یہ ہے کہ معاصی ظاہرہ و باطنہ سے احتراز کیا جائے اور یہ موقوف ہے ذکر و فکر اور محاسبہ و مراقبہ کے اہتمام پر، پس فرض عین کا موقوف علیہ بھی فرض عین ہوگا، ذکر و فکر اور محاسبہ و مراقبہ اور صحبت کامل کے معتدبہ درجہ کے سوا معاصی سے بچنے کی فکر ہی نہیں ہوتی، بلکہ معاصی باطنہ میں سے اکثر کا تو علم اور احساس ہی نہیں ہوتا، کسی مرض کا کچھ احساس ہو بھی تو وقت پر اس کا استحضار نہیں ہوتا اور استحضار بھی ہو تو اس سے بچنے کی فکر اور علاج کا خیال نہیں ہوتا، لہٰذا ذکر، محاسبہ، مراقبہ اور کسی کامل کی صحبت کا کم از کم وہ درجہ فرض ہے جو معاصی ظاہرہ سے حفاظت کے ساتھ معاصی باطنہ سے بھی پاک کر دے، رذائل سے تخلیہ اور فضائل سے تحلیہ کا موجب ہو، اس مقصد میں کامیابی کے بعد بھی ذکر و فکر کے اس درجہ کا التزام اس لئے ضروری ہے کہ اس میں غفلت سے امراض کے عود کا سخت خطرہ ہے،

مزید برین ذکر و فکر کے درجہ مذکورہ پر اضافہ بھی لازم ہے اس لئے کہ اس سے قلب کی صلاحیت بڑھتی ہے، محبت و اخلاص میں ترقی ہوتی ہے اور محبت و اخلاص میں جس حد تک ترقی ہوگی اسی درجہ میں اعمال کے اجر اور دوسروں کو تبلیغ کے اثر میں اضافہ ہوگا اور علم میں نور اور تصنیف و تالیف میں برکت ہوگی،

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت رضوان کے بعد اور فتح مکہ سے قبل اسلام لانے والے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ تم میں سے کوئی جبل احد کے برابر اللہ تعالیٰ کی راہ میں سونا خرچ کرے وہ متقدمین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایک مُدّ (۵ر۳۴۸ گرام) جَو بلکہ اس کے نصف تک بھی نہیں پہنچ سکتا، فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا درجہ اس سے بھی کم ہے اور غیر صحابی کا درجہ ادنیٰ صحابی سے بھی بہت کم ہے، اس حدیث میں لفظ "اصحابی" سے ثابت ہوا کہ کثرت مجاہدہ کے علاوہ صحبت بھی زیادۃ اجر کا باعث ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارکہ کی بدولت ان کے قلوب میں جو صلاحیت اور محبت و اخلاص تھا وہ غیر میں نہیں ہو سکتا، اس سے ثابت ہوا کہ قلب کی صلاحیت سے اجر میں اضافہ اور کام میں برکت ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ علماء عابدین کے کام اور تبلیغ میں جو برکت ہے وہ آبدین میں نہیں اور فرق اجر کا مشاہدہ آخرت میں ہوگا، بلکہ اہل بصیرت کو اس کا اثر دنیا میں بھی مشاہد ہے۔

اللھم ارزقنا حبك وحب من یحبك وحب عمل یقرب الی حبك، اللھم اجعلنا ممن یعبدك کانہ یراك، آمین

رشید احمد

۲ر جمادی الاولیٰ [illegible]

(بقیہ صفحہ ۱۹)

- قراءۃ مسنونہ
- قرآن کے خلاف کمپیوٹری سازش
- قربانی کا وجوب
- القول الاظہر فی تحقیق مسافۃ السفر
- القول السافر عن حکم المسبوق خلف المسافر
- القول الصدوق فی بیع الحقوق
- القول الصواب لہدایۃ المرتاب (نایاب)
- القول الفاصل بین النکاح الفاسد والباطل
- القول المبرہن فی کراہۃ بیع الرادیو والتلوزن
- القول المتین فی شرح اطلبوا العلم ولو بالصین
- القید المراد بالعرف لا یزاد
- کارخانہ کے منافع میں مزدور کی شرکت
- کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم
- کشف الغبار عن مسألۃ سوء الاختیار
- کشف الغطاء عن حقیقۃ اختلاف العلماء
- الکلام البدیع فی احکام التوزیع
- گائے کی قربانی میں ایک شخص کے دو حصے
- لمعات المصابیح فی رکعات التراویح
- مجال التحریر لخیال الزمہریر
- مروجہ احادیث موضوعہ وضعیفہ
- مسح وتیمم کا مشہور طریقہ ثابت نہیں۔
- المشرقی علی المشرقی
- المشکوۃ لمسألۃ المحاذاۃ
- المصابیح الغراء للوقایۃ عن عذاب الغناء
- المضامین الجاہلیۃ فی صورۃ القوانین العائلیۃ
- معجم العلوم والکتب والمصنفین (نامکمل)
- المقالۃ البیضاء فی العمامۃ السوداء
- المقالۃ المستقیمۃ للسائل عن حکم البیمۃ
- منکرات اہل مدارس واہل ثروت
- منکرات تبلیغ وخانقاہ وسیاست
- منکرات رمضان وتراویح وعیدین
- منکرات شادی وغمی
- منکرات مجالس دینیہ ومبلغین وواعظین
- منکرات محرم
- منکرات مساجد واوقاف
- منکرات معاشرہ
- مودودی صاحب اور تخریب اسلام
- النخبۃ فی مسألۃ الجمعۃ والخطبۃ
- النذیر العریان عن عذاب صورۃ الحیوان
- نماز میں اغلاط العوام والخواص
- نوافل کی جماعت
- نوٹوں کا مبادلہ اور ہنڈی
- نیل السعادۃ بالاقتداء فی الصلوۃ المعادۃ
- نیل الفضیلۃ بسؤال الوسیلۃ
- نیل المآرب بحلق الشوارب
- نیل المرام بالتزام السکوت عند قراءۃ الامام
- الوصیۃ الاخوانیۃ فی حکم الجماعۃ الثانیۃ
- وطن الارتحال یبقی ببقاء الاثقال
- الہدایات المفیدۃ لتنزیہ المدارس من العلوم الجدیدۃ
- ہدایۃ المرتاب فی فرضیۃ الحجاب

محمّد احمد کا "درسِ قرآن" پڑھنا جائز نہیں

میں نے مؤلف کو بذریعہ رجسٹری یہ اطلاع بھیجدی تھی کہ اگر آپ "درسِ قرآن" سے متعلق میری تحریر کا کوئی جواب لکھیں گے یا کسی سے لکھوائیں گے تو میں اس کا کوئی جواب نہیں دونگا۔

جب انھوں نے چار علماء سے کتاب کی اصلاح کرانے کی تحریر لکھدی اور چار مشہور علماء کے نام بھی لکھدیئے تو میرا مقصد پورا ہوگیا اس لئے میں نے اس سلسلہ میں کچھ کہنا سُننا بالکل بند کردیا۔

مگر مؤلف نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا، ان مشہور علماء سے اصلاح کرائے بغیر کتاب شائع کررہے ہیں، اسلئے عوام کو اس فتنہ سے بچانے کی کوشش جاری رکھنا فرض ہے، میری مفصّل تحریر کا خلاصہ یہ ہے:

① مؤلف عالم نہیں، اس لئے ان کا اپنے نام کے ساتھ "مولانا" لگانا جائز نہیں اس سے عوام کو دھوکا ہوتا ہے۔

② میں نے "درس قرآن" پر تقریظ لکھنے سے انکار کردیا تھا اس کے باوجود انھوں نے میرا نام کتاب میں شائع کردیا اور میرے نام سے امّت کو پندرہ سال سے دھوکا دے رہے ہیں۔

③ میں نے تو صرف تقریظ ہی سے انکار کیا تھا مگر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی صاحب زید مجدہٗ نے تو مجھ سے بھی بڑھ کر کتاب کی اشاعت ہی سے منع فرمایا تھا، اس کے باوجود انھوں نے کتاب شائع کردی، ساتھ مزید جرأت یہ کہ حضرت شیخ الحدیث کا نام بھی شائع کردیا۔

④ مولانا محمد تقی صاحب عثمانی لکھتے ہیں:

"محمد احمد صاحب نے احقر کو رائے حاصل کرنے کے لئے کتاب یا اس کا مسودہ نہیں بھیجا تھا، نہ اظہارِ رائے کے لئے کہا تھا، لیکن کتاب میں میرا نام شائع کردیا، احقر سے نہ رائے لی نہ مشورہ کیا، نہ کبھی کتاب کا ذکر کیا، آنجناب کی طرف سے "درسِ قرآن" پر اعتراضات کے بعد احقر نے متعدد مرتبہ ان سے کہا کہ اگر آپ احقر سے واقعۃً رائے لیتے تو احقر یہ مشورہ دیتا کہ آپ اس کتاب کی تالیف کا اقدام نہ کریں۔"

ان حضرات کی ممانعت کا علم بلا تجسس ہوگیا، ممکن ہے اور علماء نے بھی روکا ہو۔

⑤ اگر یہ معاملہ حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کی خدمت میں پیش ہوتا کہ آپ کے سلسلہ کے ایک غیر عالم خلیفہ نے تفسیر لکھی، کئی مشہور علماء نے اس کو اس کی اشاعت سے منع فرمایا جن میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب بھی ہیں، مگر اس نے اپنے نام کے ساتھ "مولانا" لگاکر کتاب

(بقیہ صفحہ ۱۹)

- قراءۃ مسنونہ
- قرآن کے خلاف کمپیوٹری سازش
- قربانی کا وجوب
- القول الاظہر فی تحقیق مسافۃ السفر
- القول السافر عن حکم المسبوق خلف المسافر
- القول الصدوق فی بیع الحقوق
- القول الصواب لہدایۃ المرتاب (نایاب)
- القول الفاصل بین النکاح الفاسد والباطل
- القول المبرہن فی کراہۃ بیع الرادیو والتلوزن
- القول المتین فی شرح اطلبوا العلم ولو بالصین
- القید المراد بالعرف لا یزاد
- کارخانہ کے منافع میں مزدور کی شرکت
- کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم
- کشف الغبار عن مسألۃ سوء الاختیار
- کشف الغطاء عن حقیقۃ اختلاف العلماء
- الکلام البدیع فی احکام التوزیع
- گائے کی قربانی میں ایک شخص کے دو حصے
- لمعات المصابیح فی رکعات التراویح
- مجال التحریر لخیال الزمہریر
- مروجہ احادیث موضوعہ وضعیفہ
- مسح وتیمم کا مشہور طریقہ ثابت نہیں۔
- المشرقی علی المشرقی
- المشکوٰۃ لمسألۃ المحاذاۃ
- المصابیح الغراء للوقایۃ عن عذاب الغناء
- المضامین الجاہلیۃ فی صورۃ القوانین العائلیۃ
- معجم العلوم والکتب والمصنفین (نامکمل)
- المقالۃ البیضاء فی العمامۃ السوداء
- المقالۃ المستقیمۃ للسائل عن حکم البہیمۃ
- منکرات اہل مدارس واہل ثروت
- منکرات تبلیغ وخانقاہ وسیاست
- منکرات رمضان وتراویح وعیدین
- منکرات شادی وغمی
- منکرات مجالس دینیہ ومبلغین وواعظین
- منکرات محرم
- منکرات مساجد واوقاف
- منکرات معاشرہ
- مودودی صاحب اور تخریب اسلام
- النخبۃ فی مسألۃ الجمعۃ والخطبۃ
- النذیر العریان عن عذاب صورۃ الحیوان
- نماز میں اغلاط العوام والخواص
- نوافل کی جماعت
- نوٹوں کا مبادلہ اور ہنڈی
- نیل السعادۃ بالاقتداء فی الصلوٰۃ المعادۃ
- نیل الفضیلۃ بسؤال الوسیلۃ
- نیل المآرب بحلق الشوارب
- نیل المرام بالتزام السکوت عند قراءۃ الامام
- الوصیۃ الاخوانیۃ فی حکم الجماعۃ الثانیۃ
- وطن الارتحال یبقی ببقاء الاثقال
- الہدایات المفیدۃ لتنزیہ المدارس من العلوم الجدیدۃ
- ہدایۃ المرتاب فی فرضیۃ الحجاب

محمد احمد کا "درسِ قرآن" پڑھنا جائز نہیں

میں نے مؤلف کو بذریعہ رجسٹری یہ اطلاع بھیجدی تھی کہ اگر آپ "درسِ قرآن" سے متعلق میری تحریر کا کوئی جواب لکھیں گے یا کسی سے لکھوائیں گے تو میں اس کا کوئی جواب نہیں دونگا۔

جب انھوں نے چار علماء سے کتاب کی اصلاح کرانے کی تحریر لکھدی اور چار مشہور علماء کے نام بھی لکھدیئے تو میرا مقصد پورا ہوگیا اس لئے میں نے اس سلسلہ میں کچھ کہنا سُننا بالکل بند کر دیا۔

مگر مؤلف نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا، ان مشہور علماء سے اصلاح کرائے بغیر کتاب شائع کر رہے ہیں، اسلئے عوام کو اس فتنہ سے بچانے کی کوشش جاری رکھنا فرض ہے، میری مفصل تحریر کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) مؤلف عالم نہیں، اس لئے ان کا اپنے نام کے ساتھ "مولانا" لگانا جائز نہیں اس سے عوام کو دھوکا ہوتا ہے۔

(۲) میں نے "درس قرآن" پر تقریظ لکھنے سے انکار کر دیا تھا اس کے باوجود انھوں نے میرا نام کتاب میں شائع کر دیا اور میرے نام سے اُمّت کو پندرہ سال سے دھوکا دے رہے ہیں۔

(۳) میں نے تو صرف تقریظ ہی سے انکار کیا تھا مگر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی صاحب زید مجدہٗ نے تو مجھ سے بھی بڑھ کر کتاب کی اشاعت ہی سے منع فرمایا تھا، اس کے باوجود انھوں نے کتاب شائع کر دی، ساتھ مزید جرأت یہ کہ حضرت شیخ الحدیث کا نام بھی شائع کر دیا۔

(۴) مولانا محمد تقی صاحب عثمانی لکھتے ہیں:

"محمد احمد صاحب نے احقر کو رائے حاصل کرنے کے لئے کتاب یا اس کا مسودہ نہیں بھیجا تھا، نہ اظہارِ رائے کے لئے کہا تھا، لیکن کتاب میں میرا نام شائع کر دیا، احقر سے نہ رائے لی نہ مشورہ کیا، نہ کبھی کتاب کا ذکر کیا، آنجناب کی طرف سے "درسِ قرآن" پر اعتراضات کے بعد احقر نے متعدد مرتبہ ان سے کہا کہ اگر آپ احقر سے واقعۃً رائے لیتے تو احقر یہ مشورہ دیتا کہ آپ اس کتاب کی تالیف کا اقدام نہ کریں۔"

ان حضرات کی ممانعت کا علم بلا تجسس ہوگیا، ممکن ہے اور علماء نے بھی روکا ہو۔

(۵) اگر یہ معاملہ حضرت حکیم الامّۃ قدس سرہٗ کی خدمت میں پیش ہوتا کہ آپ کے سلسلہ کے ایک غیر عالم خلیفہ نے تفسیر لکھی، کئی مشہور علماء نے اس کو اس کی اشاعت سے منع فرمایا جن میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب بھی ہیں، مگر اس نے اپنے نام کے ساتھ "مولانا" لگا کر کتاب

شائع کر دی اور مزید ظلم یہ کہ کتاب میں ان علمار کا نام شائع کر کے پندرہ سال سے اُمت کو دھوکا بھی دے رہا ہے، اور بعض ایسے علمار کا نام بھی شائع کر دیا ہے جن کو کتاب یا اس کا مسودہ دکھانا تو درکنار اُن کو اس کی خبر تک بھی نہیں دی، تو کیا حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ ایسے شخص کو توبہ اور ان علمار کرام سے معافی مانگنے اور کتاب کی اشاعت بند کرنے پر مجبور نہ فرماتے؟ اور بصورتِ انکار سلسلہ سے اخراج کا اعلان نہ فرماتے؟ اور کیا اب سلسلہ کے موجودہ اکابر پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا؟

(٦) اگر ان کا یہ مقدمہ نمبر "۵" میں مذکور تفصیل کے مطابق عدالتِ شرعیہ میں پیش کیا جائے تو کیا عدالت ایسے شخص کو سخت تعزیر اور کتاب پر بندش نہیں لگائے گی؟

(٧) سابق مفصل تحریر میں یہ وضاحت کر چکا ہوں کہ میں نے اس تحریر سے پہلے دو بار انکو بہت نرمی سے سمجھایا اور تیسری بار چہرے کے پردے کے مسئلہ پر ذرا سختی سے کہا تو یہ بہت سخت برہم ہوئے اور اس بے پردگی کو تفسیر عثمانی سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ جب ان سے قبول کی کوئی توقع نہ رہی تو میں نے علمار کو جاہل مفسرین کے خطرناک فتنہ کی طرف متوجہ کرنا فرض سمجھا۔

بحمد اللہ تعالیٰ بندہ کے متوجہ کرنے پر دنیا بھر میں مشہور علمار کرام نے اس فتنہ کے خلاف خوب کھل کر لکھا، مؤلف کو بہت سخت تنبیہ فرمائی، علمار سے کتاب کی اصلاح کرانے پر مجبور کر دیا، مگر اس نے طریقِ اصلاح سے متعلق علمار کی ہدایات قبول کرنے سے انکار کر دیا، علمار کی تحریریں دار الافتاء میں محفوظ ہیں۔

(٨) مؤلف علمار کی ہدایات سے انحراف کی وجہ سے انتہائی کوشش اور بڑی سے بڑی مالی پیشکش کے باوجود مشہور و مسلّم علمار میں سے کسی ایک کو بھی کتاب کی اصلاح پر آمادہ نہیں کر سکا، کسی غیر معروف و غیر مسلّم عالم کی اصلاحی نظر معتبر نہیں، اس لئے اس کتاب کا دیکھنا جائز نہیں۔

رشید احمد
دار الافتاء والارشاد ناظم آباد
۱۵ جمادی الآخرہ ۱۴۱۲ ہجری

> اس تنبیہ کو زیادہ سے زیادہ شائع کر کے قرآن کو تحریف سے بچانے کا فرض ادا کریں، غفلت کی صورت میں اللہ کی گرفت اور دنیا و آخرت کے عذاب سے ڈریں۔

دوست دشمن سب ترے مجذوب قائل ہیں مگر
کوئی قائل ہے زباں سے کوئی قائل دل میں ہے

مجذوبؔ

انوار الرشید

فقیہ العصر شیخ الحدیث مفتی اعظم
حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی دامت برکاتہم

کے

نصیحت آموز و بصیرت افروز حالات و ارشادات

جنکے مطالعہ سے بیشمار لوگوں کی زندگیوں میں ایسا انقلابِ عظیم آگیا کہ وہ دنیا ہی میں جنت کے مزے لے رہے ہیں۔

اضافات کیساتھ پانچ ضخیم جلدیں

ایچ ایم سعید کمپنی
ادب منزل پاکستان چوک کراچی

شائع کر دی اور مزید ظلم یہ کہ کتاب میں ان علمار کا نام شائع کر کے پندرہ سال سے اُمت کو دھوکا بھی دے رہا ہے، اور بعض ایسے علمار کا نام بھی شائع کر دیا ہے جن کو کتاب یا اس کا مسودہ دکھانا تو درکنار اُن کو اس کی خبر تک بھی نہیں دی تو کیا حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ ایسے شخص کو توبہ اور ان علمار کرام سے معافی مانگنے اور کتاب کی اشاعت بند کرنے پر مجبور نہ فرماتے؟ اور بصورتِ انکار سلسلہ سے اخراج کا اعلان نہ فرماتے؟ اور کیا اب سلسلہ کے موجودہ اکابر پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا؟

(۶) اگر ان کا یہ مقدمہ نمبر "۵" میں مذکور تفصیل کے مطابق عدالتِ شرعیہ میں پیش کیا جائے تو کیا عدالت ایسے شخص کو سخت تعزیر اور کتاب پر بندش نہیں لگائے گی؟

(۷) سابق مفصل تحریر میں یہ وضاحت کر چکا ہوں کہ میں نے اس تحریر سے پہلے دو بار انکو بہت نرمی سے سمجھایا اور تیسری بار چہرے کے پردے کے مسئلہ پر ذرا سختی سے کہا تو یہ بہت سخت برہم ہوئے اور اس بے پردگی کو تفسیر عثمانی سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ جب ان سے قبول کی کوئی توقع نہ رہی تو میں نے علمار کو جاہل مفسرین کے خطرناک فتنہ کی طرف متوجہ کرنا فرض سمجھا۔

بحمداللہ تعالیٰ بندہ کے متوجہ کرنے پر دنیا بھر میں مشہور علمار کرام نے اس فتنہ کے خلاف خوب کھل کر لکھا، مؤلف کو بہت سخت تنبیہ فرمائی، علمار سے کتاب کی اصلاح کرانے پر مجبور کر دیا، مگر اس نے طریقِ اصلاح سے متعلق علمار کی ہدایات قبول کرنے سے انکار کر دیا، علمار کی تحریریں دار الافتاء میں محفوظ ہیں۔

(۸) مؤلف علمار کی ہدایات سے انحراف کی وجہ سے انتہائی کوشش اور بڑی سے بڑی مالی پیشکش کے باوجود مشہور و مسلّم علمار میں سے کسی ایک کو بھی کتاب کی اصلاح پر آمادہ نہیں کر سکا، کسی غیر معروف و غیر مسلّم عالم کی اصلاحی نظر معتبر نہیں، اس لئے اس کتاب کا دیکھنا جائز نہیں۔

اس تنبیہ کو زیادہ سے زیادہ شائع کر کے قرآن کو تحریف سے بچانے کا فرض ادا کریں، غفلت کی صورت میں اللہ کی گرفت اور دنیا و آخرت کے عذاب سے ڈریں۔

رشید احمد
دار الافتاء والارشاد ناظم آباد
۱۵ جمادی الآخرہ ۱۴۱۲ ہجری

دوست دشمن سب ترے مجذوب قائل ہیں مگر
کوئی قائل ہے زباں سے کوئی قائل دل میں ہے

مجذوب

انوار الرشید

فقیہ العصر، شیخ الحدیث، مفتی اعظم

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی دامت برکاتہم

کے

نصیحت آموز و بصیرت افروز حالات و ارشادات،

جنکے مطالعہ سے بیشمار لوگونکی زندگیوں میں ایسا انقلابِ عظیم آگیا کہ وہ دُنیا ہی میں جنّت کے مزے لے رہے ہیں۔

اضافات کیساتھ پانچ ضخیم جلدیں

ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی